1

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أُتْلُ مَآ أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ ۖ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے، آپ اس کو پڑھا کیجئے، اور پابندی رکھیے نماز کی، بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے،

وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

أُتْلُ آپ پڑھیں	مَا جو	أُوْحِيَ وحی کی گئی	إِلَيْكَ آپ کی طرف	مِنَ الْكِتٰبِ کتاب سے	وَأَقِمِ اور قائم کریں	الصَّلٰوةَ نماز
إِنَّ بیشک	الصَّلٰوةَ نماز	تَنْهٰى روکتی ہے	عَنِ سے	الْفَحْشَآءِ بے حیائی	وَالْمُنْكَرِ اور برائی	وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اور البتہ اللہ کی یاد
	أَكْبَرُ سب سے بڑی بات	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَعْلَمُ جانتا ہے	مَا تَصْنَعُوْنَ جو تم کرتے ہو		

یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اہل ایمان کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہیں اور اوروں کو بھی سنائیں تاکہ اس کے احکام وہدایات کی تبلیغ و اشاعت ہو۔ اسی کے ساتھ دوسرا حکم واقم الصلوٰۃ فرمایا گیا یعنی نمازوں کی پابندی رکھیں اور اس کو اس کے جملہ احکام وشرائط کے ساتھ ادا کریں۔ اب نماز کیا ہے؟ صوفیائے کرام نے لکھا ہے کہ نماز حقیقت میں جل شانہ کے ساتھ مناجات کرنا اور ہمکلام ہونا ہے جو غفلت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جاندار مخلوق کی طرح حق تعالیٰ نے نماز کو بھی ایک صورت اور روح مرحمت فرمائی ہے چنانچہ نماز کی روح تو نیت اور حضور قلب ہے اور قیام وقعود نماز کا بدن ہے اور رکوع وسجدہ نماز کا سر اور ہاتھ پاؤں ہیں اور جس قدر اذکار وتسبیحات نماز میں ہیں وہ نماز کے آنکھ۔ کان وغیرہ ہیں اور اذکار وتسبیحات کے معنی کو سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانوں کی قوت سماعت وغیرہ ہے اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع وخضوع سے ادا کرنا نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ وروغن کا درست ہونا ہے۔ الغرض اس طرح پر نماز کے اجزاء اور ارکان کو بحضور قلب پورا کرنے سے نماز کی ایک حسین جمیل پیاری صورت پیدا ہو جاتی ہے اور نماز میں جو تقرب نمازی کو حق تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی خدمت گار اپنے بادشاہ کی خدمت میں کوئی خوبصورت کنیز ہدیہ پیش کرے اور اس وقت اس کو بادشاہ سے تقرب حاصل ہو۔ پس اگر تمہاری نماز میں خلوص نہیں ہے تو گویا مردہ اور بیمار کنیز بادشاہ کے نذر کر رہے ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ایسی گستاخی اور بے باکی ہے کہ ایسا گستاخ شخص اگر قتل کر دیا جائے تو عجب نہیں۔ اور اگر نماز میں رکوع وسجدہ ٹھیک نہیں ہے تو گویا لنگڑی لولی اپاہج کنیز نذر سلطانی کرتے ہو۔ اور اگر ذکر وتسبیح اس میں نہیں تو گویا لونڈی کے آنکھ کان نہیں اور اگر سب کچھ موجود ہے مگر ذکر وتسبیح کے معنی نہیں سمجھے اور نہ دل متوجہ ہوا تو ایسا ہے جیسے کنیز کے اعضا تو سب موجود ہیں لیکن ان میں حس وحرکت بالکل نہیں یعنی حلقۂ چشم موجود ہے مگر بینائی نہیں ہے اور کان موجود ہیں مگر بہری ہے کہ سنائی نہیں دیتا۔ ہاتھ پاؤں ہیں مگر شل وبے حس ہیں۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اندھی بہری لولی لنگڑی کنیز شاہی نذرانہ میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بلکہ ایسی کنیز کا تحفہ پیش کرنا گستاخی اور شاہی عتاب کا موجب ہے۔ اسی طرح اگر ناقص نماز کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب چاہو گے تو کچھ عجب نہیں کہ پھٹے پرانے کپڑے کی طرح لوٹا دی جائے اور منہ پر پھینک ماری جائے۔ الغرض نماز سے مقصود چونکہ حق تعالیٰ کی تعظیم ہے لہٰذا نماز کے سنن ومستحبات وآداب میں جس قدر بھی کمی ہوگی اسی قدر احترام وتعظیم میں کوتاہی سمجھی جائے گی۔"

معلوم ہوا کہ یہ بات نہایت اہم ہے کہ نماز اپنی وسعت اور ہمت کے موافق پوری توجہ اور شرائط و آداب کے ساتھ ادا کی جائے لیکن یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اگر جملہ آداب و کیفیت و حالات جو لکھے گئے ہیں اگر نہ بھی حاصل ہوں تب بھی نماز جس حال سے بھی ممکن ہو ضرور پڑھی جائے یہ بھی شیطان کا ایک سخت ترین مکر ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھائے کہ بری طرح پڑھنے سے تو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔ یہ بالکل غلط اور شیطانی مکر ہے نہ پڑھنے سے جس طرح کا پڑھنا ہو بہرحال بہتر ہے اس لئے کہ نماز نہ پڑھنے کا جو عذاب ہے وہ نہایت ہی سخت ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اس شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے۔ الغرض یہاں آیت میں نماز قائم کرنے کے حکم کے بعد نماز کے بہت سے اوصاف میں سے ایک اہم وصف پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ اس آیت کی تشریح اور تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے لکھا ہے۔

''نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں آ سکتا ہے۔ ایک بطریق تسبب یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر یہ رکھی ہے کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہئے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت اس پر مواظبت کی جائے اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی فرمانبرداری۔ خضوع و تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت۔ الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے مسجد سے باہر آ کر بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو گویا نماز کی ہر ایک ادا مصلی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے۔ واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت اور سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اُسے روکتی اور منع کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتے اور منع فرماتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتآءِ ذی القربیٰ وینھی عن الفحشآء والمنکر** بلاشبہ اللہ تم کو انصاف۔ سلوک اور قرابتداروں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تعجب نہیں۔ ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہوگا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرأت قرآن یا دعا و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو متحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا اور اسی قدر اس کی نماز برائی کو چھڑانے میں مؤثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا **لایذکرو اللہ فیھا الاقلیلاً** ایسی نماز کی نسبت حدیث میں وعید آئی ہے کہ جس کی نماز نے اسے برے اور فحش کاموں سے نہ روکا اس کو اس کی نماز نے اللہ سے اور زیادہ دور کر دیا۔ ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد مروی ہے کہ اس شخص کی کوئی نماز نہیں ہے جس نے نماز کی اطاعت نہ کی۔ اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی فحشا ومنکر سے رک جائے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اس کی نماز نے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کی نماز نماز نہیں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی ہے یا نہیں اسے دیکھنا چاہئے کہ اس کی نماز نے اسے فحشاء اور منکر سے کہاں تک باز رکھا۔ اگر نماز کے روکنے سے وہ برائیاں کرنے سے رک گیا ہے تو اس کی نماز قبول ہوئی ہے۔ آگے آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ نماز برائی سے کیوں نہ روکے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور یہ ذکر اللہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا۔ ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی احادیث کو دیکھ کر علماء نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ یعنی خدا کی یاد سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔

اب یہاں ذکر اللہ کی حقیقت کو بھی سمجھ لیا جائے۔ لوگوں نے عام طور پر ذکر اور یاد کو زبانی ذکر میں منحصر کر رکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ اصل ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امر ونہی کے ہر موقع پر یاد رکھا جائے یعنی جس وقت جو حکم دیا ہے اور جس کام سے منع کیا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد کر کے اس کو بجا لائیے۔ اور نہی کو یاد کر کے منع کئے ہوئے کام سے رک جائے۔ جو شخص امر ونہی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور نہی کو یاد کر کے اس کی تعمیل نہیں کرتا وہ ذاکر نہیں گو زبان سے کتنا ہی ذکر کرتا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ مجھے اس طریقہ سے یاد کرو جس طرح میں نے بتلایا ہے۔ تو جو شخص نماز کے وقت نماز نہیں پڑھتا محض زبان یا دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ سے یاد نہیں کرتا جس طریقہ پر اس وقت وہ اپنی یاد چاہتے ہیں۔ اسی طرح جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔ اس کو سال تمام پر زکوٰۃ ادا کرنا چاہئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا طریقہ یہی ہے۔ جس پر رمضان کا روزہ فرض ہے۔ اس کو رمضان میں روزہ رکھنا چاہئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا یہی طریقہ ہے۔ جس وقت کوئی نامحرم عورت سامنے سے گزرے اس وقت اللہ کی یاد کا طریقہ یہی ہے کہ آنکھیں نیچی کر لے علیٰ ہذا ہر وقت کے متعلق جو بھی حکم ہے اس وقت اس کا بجالانا ہی ذکر ہے۔ اگر اس وقت حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو بڑا ذکر لسانی کرنے سے یہ شخص ذاکر نہ ہوگا بلکہ غافل اور نافرمان شمار ہوگا۔ اسی لئے محققین صوفیہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا ہو وہ ذاکر ہے۔ گو زبان سے ذکر نہ کر رہا ہو۔ کیونکہ اطاعت میں لگا رہنا بدوں محبت یا خوف الٰہی کے نہیں ہوتا۔ اور محبت یا خوف ہی اصل ذکر ہے آیت کے اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ جو آدمی جس قدر خدا کو یاد کرتا ہے یا نہیں کرتا خدا تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ لہٰذا ذاکر اور غافل میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ بھی جداگانہ ہوگا۔

اب تلاوت قرآن جس سے تبلیغ قولی بھی مقصود ہے اور اقامت صلوٰۃ جس میں تبلیغ فعلی بھی ہے ان پر اہل ایمان کے عامل ہونے سے منکرین اسلام اور منکرین توحید ورسالت اہل اسلام سے الجھیں گے۔ تکرار اور بحث مباحثہ بھی کریں گے اس لئے آگے منکرین جن میں اہل کتاب یعنی نصاریٰ و یہود اور مشرکین سب شامل ہیں ان سے گفتگو کا طریقہ اور بحث مباحثہ اور طرز کلام کا انداز بتلایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو اپنے کلام پاک کی شب وروز تلاوت نصیب فرمائیں اور اس کے احکام وہدایات پر ہم کو دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی ہمت وتوفیق نصیب فرمائیں۔ حق تعالیٰ ہم کو ایسی نمازیں ادا کرنے کی صلاحیت اور توفیق عطا فرمائیں کہ جو ہم کو ظاہری وباطنی تمام گناہوں اور برے کاموں سے روک دینے والی ہوں۔ یا اللہ ہم کو اپنے ذاکرین بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیے اور ہم کو ذکر اللہ کی حقیقت نصیب فرمائیے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو، ہاں جو اُن میں زیادتی کریں،

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور اُن کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں، اور ہمارا معبود ایک ہے اور ہم تو اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ

اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی، سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں، اور ان لوگوں میں بھی بعض ایسے (منصف) ہیں

مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

کہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں، اور ہماری آیتوں سے بجز کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

وَ اور	لَا تُجَادِلُوْٓا تم نہ جھگڑو	اَهْلَ الْكِتٰبِ اہلِ کتاب	اِلَّا مگر	بِالَّتِيْ اس طریقہ سے جو	هِيَ اَحْسَنُ وہ بہتر	اِلَّا بجز
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا جن لوگوں نے ظلم کیا	مِنْهُمْ انمیں	سے	وَ اور	قُوْلُوْٓا تم کہو	اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ ہم ایمان لائے اس پر جو	اُنْزِلَ نازل کیا گیا
اِلَيْنَا ہماری طرف	وَاُنْزِلَ اور نازل کیا گیا	اِلَيْكُمْ تمہاری طرف	وَاِلٰهُنَا اور ہمارا معبود	وَاِلٰهُكُمْ اور تمہارا معبود	وَاحِدٌ ایک	
وَنَحْنُ اور ہم	لَهٗ اس کے	مُسْلِمُوْنَ فرمانبردار	وَ اور	كَذٰلِكَ اسی طرح	اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ ہم نے نازل کی تمہاری طرف	الْكِتٰبَ کتاب
فَالَّذِيْنَ پس جن لوگوں کو	اٰتَيْنٰهُمُ ہم نے دی انہیں	الْكِتٰبَ کتاب	يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان لاتے ہیں	بِهٖ اس پر	وَ اور	مِنْ هٰٓؤُلَآءِ ان (اہل مکہ) سے
مَنْ يُّؤْمِنُ بعض ایمان لاتے ہیں	بِهٖ اس پر	وَمَا يَجْحَدُ اور وہ نہیں انکار کرتے	بِاٰيٰتِنَآ ہماری آیتوں کا	اِلَّا مگر صرف	الْكٰفِرُوْنَ کافر	

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے تمام اہل ایمان کو حکم ہوا تھا کہ کلام پاک کی تلاوت کرتے رہیں اور نماز آداب و شرائط کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔ ظاہر ہے کہ منکرین جن میں اہل کتاب بھی ہیں اور مشرکین کفار بھی ہیں ان باتوں سے خصوصاً تبلیغ و تلاوت قرآن سے بدکیں گے اور اہل ایمان سے الجھیں گے اس لئے اہل ایمان کو ہدایات دی جا رہی ہیں کہ منکرین سے کلام و بحث مباحثہ میں کیا انداز اختیار کریں۔ چنانچہ یہاں ان آیات میں پہلے اہل کتاب سے گفتگو کا طریقہ بتلایا جاتا ہے۔ پھر آگے غیر اہل کتاب یعنی کفار و مشرکین کو بتلایا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آگے اس سورۃ میں اہل ایمان کو مکہ سے ہجرت کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اس وقت حبش ایک ایسا ملک تھا جہاں مسلمان ہجرت کر کے جا سکتے تھے اور حبش پر اس زمانہ میں عیسائیوں کا غلبہ اور ان کی حکومت تھی اس وجہ سے بھی ان آیات میں مسلمانوں کو ہدایات دی جا رہی ہیں کہ اہل کتاب سے جب سابقہ پیش آئے تو ان سے دین کے معاملہ میں کس طرح گفتگو کی جائے۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اہل کتاب سے دینی بحث کے وقت فریق مقابل کی علمی اور دینی حیثیت کا خیال رکھو۔ اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا۔ یہ مشرکوں کے دین کی طرح جڑ بنیاد سے غلط نہیں ہے اس لئے جوش مناظرہ اور مباحثہ میں صداقت اور اخلاق کی حد سے نہ نکلو۔ جہاں کہیں جتنی سچائی ہو اس کا اعتراف کرو اور نرمی۔ متانت۔ خیر خواہی اور صبر و تحمل سے واجبی بات سمجھاؤ۔ ان سے تیز اور دل دکھانے والی باتیں مت کرو۔ البتہ ان میں جو صریح بے انصافی۔ عناد اور ہٹ دھرمی پر تل جائیں اور خواہ مخواہ زیادتی پر اتر آئیں ان کے ساتھ سختی

اور تیزی کا برتاؤ کر سکتے ہو اور جو ایسے نہ ہوں اور تمہیں ستاتے نہ ہوں تو انہیں نرمی سے سمجھاؤ اور ان سے کہو کہ ہمارا جیسا قرآن پر ایمان ہے۔ اس پر بھی ایمان ہے کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء ورسل پر جو کتابیں اتاریں بیشک وہ اپنے وقت میں بالکل سچی تھیں۔ایک حرف ان کا غلط نہ تھا۔گو تمہارے ہاتھ میں وہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی صورت اور حقیقت میں باقی نہ رہیں۔پھر ہمارا تمہارا دونوں کا معبود ایک ہی ہے بس فرق اتنا ہے ہم فقط اسی معبود حقیقی کے حکم پر چلتے ہیں تم نے اس سے ہٹ کر اوروں کو بھی خدائی کے حقوق و اختیارات دے دیئے۔ نیز ہم نے اس کے تمام احکام کو مانا۔سب پیغمبروں کی تصدیق کی۔سب کتابوں کو برحق سمجھا۔اس کے آخری حکم کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا۔تم نے کچھ مانا کچھ نہ مانا اور آخری صداقت سے منکر ہو گئے۔آخر ہماری کتاب میں تمہاری کتابوں سے کونسی بات کم ہے جو قبول کرنے میں تمہیں تردد ہے۔جس طرح انبیائے سابقین پر کتابیں اور صحیفے ایک دوسرے کے بعد اترتے رہے۔پیغمبر آخر الزمان پر یہ کتاب اتری۔اس کے ماننے سے انکار کیوں ہے؟ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جن اہل کتاب نے اپنی کتاب ٹھیک سمجھی وہ اس کتاب کو بھی مانیں گے اور انصافاً ماننا چاہئے چنانچہ ان میں کے جو منصف ہیں وہ اس قرآن کی صداقت دل سے تسلیم کرتے ہیں۔اور نہ صرف اہل کتاب بلکہ غیر اہل کتاب بھی جو آسمانی کتب سابقہ کا کچھ علم نہیں رکھتے مگر حق شناس ہیں وہ بھی اس قرآن کو مانتے جارہے ہیں۔ حقیقت میں قرآن کریم کی صداقت کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ بجز سخت حق پوش نافرمان اور متعصب کے کوئی ان کی تسلیم سے انکار نہیں کرسکتا۔اس کا فقط وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو خوانخواہ ضد اور عناد میں انکار پر تلے ہوئے ہیں۔

یہ ہدایت اس مقام پر موقع کی مناسبت سے اہل کتاب کے ساتھ دین میں گفتگو ومباحثہ کرنے کے معاملہ میں دی گئی ہے مگر یہ اہل کتاب کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تبلیغ دین کے باب میں ایک عام ہدایت ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ دی گئی ہے۔یہاں جس عمدہ طریق بحث کی طرف حق تعالیٰ نے خود رہنمائی فرمائی ہے اسے تبلیغ دین کی خدمت انجام دینے والوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں یہ سکھایا گیا ہے کہ جس شخص سے تمہیں بحث کرنی ہو اس کی گمراہی کو بحث کا نقطۂ آغاز نہ بناؤ بلکہ بات اس سے شروع کرو کہ حق وصداقت کے وہ کون سے اجزاء ہیں جو تمہارے اور اس کے درمیان مشترک ہیں یعنی آغاز کلام نکات اختلاف سے نہیں بلکہ نکات اتفاق سے ہونا چاہئے پھر انہی متفق علیہ امور سے استدلال کرکے مخاطب کو یہ سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ جن امور میں تمہارے اور اس کے درمیان اختلاف ہے ان میں تمہارا مسلک متفق علیہ بنیادوں سے مطابقت رکھتا ہے اور مقابل کا مسلک ان سے متضاد ہے۔اسی لئے حق تعالیٰ نے یہاں تلقین فرمایا کہ اہل کتاب سے جب سابقہ پیش آئے تو سب سے پہلے مثبت طور پر اپنا یہی موقف ان کے سامنے پیش کرو کہ جس خدا کو تم مانتے ہو اسی کو ہم مانتے ہیں۔اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔اس کی طرف سے جو احکام وہدایات وتعلیمات آئی ہیں ان سب کے آگے ہمارا سر تسلیم خم ہے خواہ وہ تمہارے ہاں آئی ہوں یا ہمارے ہاں۔ہم تو حکم کے بندے ہیں ملک۔قوم اور نسل کے بندے نہیں کہ ایک جگہ خدا کا حکم آئے تو مانیں اور اسی خدا کا دوسری جگہ حکم آئے تو نہ مانیں۔مگر یہ دلیل وہی پیش کرسکتا ہے جو خود پہلے اپنے آپ کو **نحن له مسلمون** کا مصداق بنالے کہ ہم تو اسی کے فرمانبردار اور تابعدار ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے سے تبلیغ دین کے معاملہ میں گفتگو کرنے سے پہلے خود پورا مسلم اور فرمانبردار اور تابعدار ہونا چاہئے ورنہ کس منہ سے کہے گا **نحن له مسلمون** کہ ہم تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔

یہاں منکرین میں سے اہل کتاب سے گفتگو کی ہدایت دی گئی۔آگے عام منکرین توحید رسالت یعنی کفار ومشرکین کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت اور دلیل دی جاتی ہے اور ان سے طرز گفتگو تلقین فرمایا جاتا ہے۔جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ حق ناشناس لوگ کچھ شبہ نکالتے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

بلکہ یہ کتاب خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں اُن لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ انکار کئے جاتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا

اور یہ لوگ یُوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں، اور میں تو صرف ایک صاف صاف

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی جو اُن کو سنائی جاتی رہتی ہے، بلاشبہ اس کتاب میں

لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ

ایمان لانے والے لوگوں کیلئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے، اس کو سب چیز کی خبر ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

جو آسمانوں میں ہے، اور زمین میں ہے، اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں۔

وَ اور	مَا نہ	كُنْتَ تَتْلُوْا آپ پڑھتے تھے	مِنْ قَبْلِهٖ اس سے قبل	مِنْ كِتٰبٍ کوئی کتاب	وَلَا تَخُطُّهٗ اور نہ اسے لکھتے ہیں		
بِيَمِيْنِكَ اپنے دائیں ہاتھ سے	اِذًا اس (صورت) میں	لَّارْتَابَ البتہ شک کرتے	الْمُبْطِلُوْنَ حق ناشناس	بَلْ هُوَ بلکہ وہ (یہ)	اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ واضح آیتیں		
فِيْ صُدُوْرِ سینوں	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	اُوْتُوا الْعِلْمَ علم دیا گیا	وَمَا يَجْحَدُ اور نہیں انکار کرتے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں کا	اِلَّا مگر (صرف)		
الظّٰلِمُوْنَ ظالم	وَقَالُوْا اور وہ بولے	لَوْلَا کیوں نہ	اُنْزِلَ نازل کی گئی	عَلَيْهِ اس پر	اٰيٰتٌ نشانیاں	مِّنْ رَّبِّهٖ اس کے رب سے	
قُلْ آپ فرمادیں	اِنَّمَا اسکے سوانہیں	الْاٰيٰتُ نشانیاں	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے پاس	وَ اور	اِنَّمَاۤ اَنَا اسکے سوانہیں کہ میں	نَذِيْرٌ ڈرانیوالا	
مُّبِيْنٌ صاف صاف	اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ کیاان کیلئے کافی نہیں	اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا کہ ہم نے نازل کی	عَلَيْكَ آپ پر	الْكِتٰبَ کتاب	يُتْلٰى پڑھی جاتی ہے		
عَلَيْهِمْ ان پر	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَرَحْمَةً البتہ رحمت ہے	وَّذِكْرٰى اور نصیحت	لِقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يُّؤْمِنُوْنَ وہ ایمان لاتے ہیں	
قُلْ آپ فرمادیں	كَفٰى کافی ہے	بِاللّٰهِ اللہ	بَيْنِيْ وَ میرے درمیان اور	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	شَهِيْدًا گواہ	يَعْلَمُ وہ جانتا ہے	
مَا جو	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اور زمین میں	وَالَّذِيْنَ اور جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	بِالْبَاطِلِ باطل پر	وَكَفَرُوْا اور وہ منکر ہوئے	
بِاللّٰهِ اللہ کے	اُولٰٓئِكَ وہی ہیں	هُمُ الْخٰسِرُوْنَ وہ گھاٹا پانے والے					

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منکرین میں سے اہل کتاب سے مباحثہ اور دینی گفتگو کی ہدایات دی گئی تھیں اس کے بعد بتلایا گیا تھا کہ

جیسے پہلے آسمانی کتابیں تورات وانجیل وغیرہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں۔اسی طرح یہ آخری کتاب یعنی قرآن حکیم بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے چنانچہ جو اہل کتاب انصاف پسند اور منصف مزاج ہیں وہ اپنی کتاب کی بشارات کی بنا پر قرآن کی صداقت کے قائل ہو جاتے ہیں۔اور اس کے سچا ماننے میں پس وپیش نہیں کرتے اور اس پر ایمان لے آتے ہیں۔اب جو لوگ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عام منکرین ہیں یعنی کفار ومشرکین ان کے لئے قرآن کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل دی جاتی ہے۔نزول قرآن سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے چالیس سال ان ہی مکہ والوں میں گزر چکے تھے اور سب جانتے تھے کہ اس مدت میں نہ آپ کسی استاد کے پاس بیٹھے۔نہ ظاہری پڑھنا لکھنا سیکھا۔نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ کبھی قلم ہاتھ میں پکڑا۔اگر ایسا ہوتا تو باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی گنجائش رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر ان کی باتیں نوٹ کر لی ہوں گی اور ان ہی کو اب آہستہ آہستہ اپنی عبارت میں ڈھال کر سنا دیتے ہیں۔گو اس وقت بھی یہ کہنا غلط ہوتا کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور کل مخلوق کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے۔اور پوری کتاب تو درکنار اس جیسی ایک سورۃ یا چند آیتیں بھی نہیں لا سکتے تاہم جھوٹوں کو بات بنانے کا ایک موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا مسلمات میں سے ہے اور مخالفین بھی اس کو مانتے ہیں تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی۔اب یہ سچائی کے دشمن کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب نہیں اور بجز ہٹ دھرموں کے کسی کو اس میں شبہ کی کیا گنجائش ہے۔یہ کتاب تو حقیقت میں روشن اور واضح دلائل کا مجموعہ ہے ان لوگوں کے ذہنوں میں جن کو کہ علم عطا ہوا ہے۔مضامین قرآن اپنے لئے آفتاب کی طرح اہل علم کے نزدیک آپ دلیل ہیں کہ یہ انسانی کلام نہیں لیکن پھر بھی جو ایسی کتاب کا انکار کرے تو بڑا بے انصاف ہے اور اس کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو ظلم پر کمر بستہ ہیں اور ضدی وہٹ دھرم ہیں۔تو ایسی ناانصافی کا کیا علاج جب کہ ایک شخص یہی ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا۔اس طرح تو وہ روشن سے روشن چیز کا انکار کر دے گا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ باوجود عطاء معجزۂ قرآن کے محض براہ عناد وضد یوں کہتے ہیں کہ ہماری فرمائشی نشانیاں کیوں نہیں ظاہر کی جاتیں۔اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یوں کہہ دیجئے کہ فرمائشی نشانیاں لانا یا معجزات دکھانا میرے اپنے اختیار کی چیز نہیں۔یہ تو خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔میرا کام تو یہ ہے کہ میں باری کے نتائج سے تم کو صاف لفظوں میں آگاہ کر دوں اور عذاب الٰہی سے ڈراؤں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشانیاں چاہے دکھلا دے۔یہ اس کے اختیار میں ہے یہ جواب تو منکرین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوایا گیا اب آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ نشان کافی نہیں جو کتاب ان کو رات دن پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔اس سے بڑا نشان کونسا ہوگا۔کیا یہ منکرین دیکھتے نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔تو اگر یہ منکرین ایسے کھلے ہوئے دلائل کے بعد بھی ایمان نہ لاویں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ آخری بات جواب کے طور پر کہہ دیجئے کہ تم مانو یا نہ مانو میری رسالت پر اللہ کی گواہی کافی ہے وہ تمہاری تکذیب وسرکشی کو اور میری سچائی وخیر خواہی کو بخوبی جانتا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔اس پر میری سچائی روشن ہے کہ میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں اور اسی کی کہی ہوئی تم سے کہتا ہوں۔اس پر ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔باطل کو ماننے والے اور خدا کو نہ ماننے والے ہی نقصان اور خسارہ میں ہیں اور قیامت کے دن انہیں اپنی بداعمالی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔یہ انسان کی کتنی بڑی شقاوت اور خسران ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ وہ کتنی ہی ظاہر ہو اس کو قبول کر لے اور سچی بات سے گو کتنی ہی روشن ہو انکار کرتا رہے۔

ابھی اسی سلسلہ میں کفار ومشرکین کے متعلق مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُم

اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضہ کرتے ہیں، اور اگر علمِ الٰہی میں عذاب آنے کی میعاد معین نہ ہوتی، تو ان پر عذاب آچکا ہوتا، اور وہ عذاب اُن پر دفعتہً آپہنچے گا،

بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝٥٣ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝٥٤

اور اُن کو خبر بھی نہ ہوگی، یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضہ کرتے ہیں، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیر لے گی۔

يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ

جس دن کہ اُن پر عذاب اُن کے اُوپر سے اور اُن کے نیچے سے گھیر لے گا اور حق تعالیٰ فرمائے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو

تَعْمَلُونَ ۝٥٥ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ۝٥٦

(اب اُس کا مزہ) چکھو۔ اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراخ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝٥٧ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے، اور اچھے عمل کئے

لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ

ہم اُن کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، (نیک) کام کرنے والوں کا

أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝٥٨ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝٥٩ وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ

کیا اچھا اجر ہے۔ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے۔ اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اُٹھا کر نہیں رکھتے،

رِزْقَهَا ۖ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝٦٠

اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے، اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ اور وہ آپ سے جلدی کرتے ہیں	بِالْعَذَابِ عذاب کی	وَلَوْلَا اور اگر نہ	أَجَلٌ میعاد	مُّسَمًّى مقرر	لَّجَاءَهُمُ تو آچکا ہوتا ان پر	
الْعَذَابُ عذاب کی	وَلَيَأْتِيَنَّهُم اور ضرور ان پر آئیگا	بَغْتَةً اچانک	وَهُمْ اور وہ	لَا يَشْعُرُونَ انہیں خبر نہ ہوگی	يَسْتَعْجِلُونَكَ وہ آپ سے جلدی کرتے ہیں	
بِالْعَذَابِ عذاب کی	وَإِنَّ اور بیشک	جَهَنَّمَ جہنم	لَمُحِيطَةٌ البتہ گھیرے ہوئے	بِالْكَافِرِينَ کافروں کو	يَوْمَ (جس) دن	
يَغْشَاهُمُ انہیں ڈھانپ لے گا	الْعَذَابُ عذاب	مِن فَوْقِهِمْ انکے اوپر سے	وَ اور	مِن تَحْتِ نیچے سے	أَرْجُلِهِمْ ان کے پاؤں	
وَيَقُولُ اور وہ کہے گا	ذُوقُوا چکھو تم	مَا جو	كُنتُمْ تَعْمَلُونَ تم کرتے تھے	يَا عِبَادِيَ اے میرے بندو	الَّذِينَ آمَنُوا جو ایمان لائے	
إِنَّ بیشک	أَرْضِي میری زمین	وَاسِعَةٌ وسیع	فَإِيَّايَ پس میری ہی	فَاعْبُدُونِ پس تم عبادت کرو	كُلُّ نَفْسٍ ہر شخص	ذَائِقَةُ چکھنا

اَلْمَوْتِ موت	ثُمَّ اِلَيْنَا پھر ہماری طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹائے جاؤ گے	وَ اور	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جولوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اورانہوں نے عمل کئے	
الصّٰلِحٰتِ نیک	لَنُبَوِّئَنَّهُمْ ہم ضرور انہیں جگہ دیں گے	مِنَ سے	الْجَنَّةِ جنت	غُرَفًا بالاخانے	تَجْرِيْ جاری ہیں	مِنْ تَحْتِهَا اسکے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ نہریں	خٰلِدِيْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں	نِعْمَ اَجْرُ (کیا ہی) اچھا اجر	الْعٰمِلِيْنَ کام کرنے والے	الَّذِيْنَ صَبَرُوْا جن لوگوں نے صبر کیا	
وَعَلٰى رَبِّهِمْ اور وہ اپنے رب پر	يَتَوَكَّلُوْنَ وہ بھروسہ کرتے ہیں	وَكَاَيِّنْ اور بہت سے	مِنْ دَآبَّةٍ جانور جو	لَا تَحْمِلُ نہیں اٹھاتے		
رِزْقَهَا اپنی روزی	اَللّٰهُ اللہ	يَرْزُقُهَا انہیں روزی دیتا ہے	وَاِيَّاكُمْ اور تمہیں بھی	وَهُوَ اور وہ	السَّمِيْعُ سننے والا	الْعَلِيْمُ جاننے والا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایک اعتراض یہ نقل فرمایا گیا تھا کہ یہ کفار یوں کہتے ہیں کہ ہم تو انہیں رسول جب مانیں جب ہمارے منہ مانگے معجزہ اور نشانیاں ہمیں دکھائیں اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیا گیا تھا کہ یہ میرے قبضہ کی بات نہیں کہ جو نشان تم طلب کیا کرو میں وہی دکھلا دیا کروں نہ کسی نبی کی تصدیق اس بات پر موقوف ہو سکتی ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ تمہیں برے کاموں کے انجام سے صاف صاف ڈراؤں اور آگاہ کرتا رہوں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشان چاہے دکھلا دے یہ اس کے اختیار میں ہے۔ اب کفار مکہ کا ایک دوسرا قول نقل فرمایا جاتا ہے جو یہ کہتے کہ اگر ہم باطل پر ہیں تو جس عذاب سے ہمیں بار بار ڈرایا جاتا ہے وہ ہم پر کیوں نہیں آ جاتا۔ کفار یہ بار بار چیلنج کے انداز میں مطالبہ کرتے کہ اگر تم واقعی سچے ہو تو وہ عذاب کیوں نہیں لے آتے جس سے ڈراوے دیتے ہو۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ یہ منکرین عذاب میں جلدی کر رہے ہیں۔ ان کے کرتوت تو بیشک ایسے ہی ہیں کہ ان پر عذاب فوراً آ جاتا۔ لیکن عذاب کا بھی اور چیزوں کی طرح ایک وقت معین ہے۔ جب وہ وقت آ جائے گا تو عذاب بھی اچانک آ جائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد کفار مسلمانوں کے ہاتھوں قتل وقید ہوئے۔ رہا آخرت کا عذاب تو اس عذاب میں تو یہ پڑے ہی ہیں۔ یہ کفر وشرک اور ظلم جسے اس وقت معمولی بات سمجھ رہے ہیں مرنے کے بعد ہی حقیقت کھل جائے گی جب یہی اعمال جہنم کی آگ اور سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے اور جس وقت ان سے کہا جاوے گا کہ لو اب اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھو۔

اب جس وقت اس سورۃ اور ان آیات کا نزول ہوا ہے تو مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کا جینا دشوار کر رکھا تھا اس لئے مکہ کے مسلمانوں سے ان آیات میں کہا جاتا ہے کہ زندگی سے مقصود اللہ کی عبادت ہے اگر مکہ میں رہ کر خدا کی بندگی کرنی مشکل ہو رہی ہے تو وطن اور قوم کو چھوڑ کر یہاں سے نکل جاؤ۔ خدا کی زمین تنگ نہیں ہے۔ جہاں بھی تم خدا کے مطیع بندے بن کر رہ سکتے ہو وہاں چلے جاؤ۔ یہ آیت **یعبادی الذین امنوآ ان ارضی واسعة فایای فاعبدون** (اے میرے ایماندار بندو! میری زمین وسیع ہے پس تم میری ہی بندگی کرو) صاف بتلا رہی ہے کہ اے اہل ایمان جہاں کافروں کے تسلط کی وجہ سے تم ارکان اسلام آزادی کے ساتھ ادا نہ کر سکو تو وہاں سے اپنے ایمان کو بچانے کے لئے کہیں اور چلے جاؤ۔ اہل ایمان کو چاہئے کہ عبادت الٰہی کو مقصود اصل رکھیں اور آخرت کو اپنا وطن اصلی جانیں اس لئے جہاں عبادت میسر نہ آ سکے وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جائیں جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میسر آ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کا یہ عذر قابل سماعت نہیں کہ فلاں شہر یا فلاں ملک میں کفار غالب تھے اس لئے ہم اللہ کی توحید اور اس کی عبادت سے مجبور رہے۔ ان کو چاہئے کہ اس سرزمین کو جہاں وہ کفر ومعصیت پر مجبور کئے جائیں اللہ کی رضا کے لئے چھوڑ دیں اور کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جہاں آزادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام پر خود بھی عمل کر سکیں۔ اور دوسروں کو بھی تلقین کر سکیں۔ وطن

مالوف کی اقامت کواللہ کی عبادت کے مقابلہ میں ترجیح نہ دیں۔

اب یہاں ترک وطن اور ہجرت کا جوحکم دیا گیا تو ظاہر ہے کہ ترک وطن میں دوقسم کے خطرات انسان کو عادۃً پیش آتے ہیں۔ ایک تو جان کی فکر اور خطرہ، دوسرے روزی کا فکر کہ دوسری نئی جگہ جا کر رزق کا کیا سامان ہوگا اس لئے پہلے یہاں بتلایا جاتا ہے کل نفس ذائقة الموت (ہر شخص کوموت کا مزہ چکھنا ہے)۔ یعنی ایک نہ ایک دن تو اس دنیا سے مفارقت لازمی ہے۔ موت سے تو کسی کو کسی جگہ کسی حال میں مفر نہیں اس لئے موت سے خوف اور گھبراہٹ مومن کا کام نہیں۔ وہ تو ہر حال میں پیش آنی ہی ہے اور پھر مومن کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے موت ہرگز نہیں آسکتی۔ اس لئے اپنے وطن میں رہنے یا ہجرت کر کے دوسری جگہ جانے میں موت کا خوف حائل نہ ہونا چاہئے خصوصاً جبکہ احکام الٰہیہ کی اطاعت کرتے ہوئے موت آجائے جو دائمی راحتوں اور ابدی لازوال نعمتوں کا ذریعہ ہے جو آخرت میں ملیں گی جس کا ذکر آگے انہیں آیات میں فرمایا گیا ہے۔ اور جس کی طرف ثم الینا ترجعون میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ بالآخر سب کو دنیا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف واپس آنا ہے۔ تو بہتر یہ ہے کہ ابھی سے ہمارے پاس آنے کی فکر کرلاؤ اور وطن اصلی کی تیاری کرلو۔ اگر ہمارے پاس نافرمان ہوکر آئے تو خوف سزا کا ہے اور اگر ہجرت ہماری رضا کے واسطے کی تو ہمارے پاس پہنچنے کے بعد ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اجر عظیم آخرت میں انہی ایمان والوں کو ملیں گے جو صبر اور استقلال سے اسلام اور ایمان کی راہ پر جمے رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کر کے ایمان کی خاطر ہر خطرہ سہنے کو تیار ہو گئے اور گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔

اب دوسرا خطرہ ہجرت کی راہ میں جو یہ ہوتا ہے کہ آگے گزارہ کس طرح ہوگا۔ تو اس کا بھی اطمینان دلایا جارہا ہے اور ارشاد ہوتا ہے وکاین من دابة لاتحمل رزقها الله یرزقها وایاکم وهو السمیع العلیمo (اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے) یعنی اس پر غور کرو کہ زمین پر خشکی اور پانی میں کتنے بے شمار چرند۔ پرند اور درندے اور آبی حیوانات ہیں جو اپنے رزق جمع کرنے اور رکھنے کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ نہ تحصیل رزق کے اسباب جمع کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزانہ اپنے فضل سے رزق مہیا کرتے ہیں۔ اللہ ہی تو ان سب کو پال رہا ہے۔ اللہ کی قدرت سے ان کو کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے لہٰذا تم یہ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے۔ جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا وہ اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور سب کے حال جانتا ہے۔

اب چونکہ یہ سورۃ عنکبوت خاتمہ کے قریب ہے اس لئے اخیر میں اثبات توحید کا مضمون اگلی آیات میں بیان فرما کر سورۃ کو ختم کیا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہمیں ایمان کے ساتھ ان اعمال صالحہ کی بھی توفیق عطا فرماویں جو دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں ہمیں عذاب الٰہی سے محفوظ رکھیں۔ حق تعالیٰ ہمیں اپنی عبادت اور شریعت مطہرہ کے موافق زندگی گزارنے کا ماحول نصیب فرمائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ

اور اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور جس نے سُورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ

اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ

اللہ ہے پھر کدھر الٹے چلے جارہے ہیں۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہے روزی فراخ کردیتا ہے، اور جس کیلئے چاہے تنگ کردیتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ

بیشک اللہ ہی سب چیز کے حال سے واقف ہے۔ اور اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اسے

الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

زمین کو بعد اس کے کہ خشک پڑی تھی ترو تازہ کردیا۔ تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہے، آپ کہیے کہ الحمدللہ، بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ

اور یہ دُنیوی زندگی بجز لہوولعب کے اور کچھ بھی نہیں، اور اصل زندگی عالم آخرت ہے،

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

وَلَئِنْ اور البتہ اگر	سَاَلْتَهُمْ تم پوچھو اُن سے	مَنْ خَلَقَ کس نے بنایا	السَّمٰوٰتِ آسمان	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَسَخَّرَ اور سخر کیا کام میں لگایا		
الشَّمْسَ سورج	وَالْقَمَرَ اور چاند	لَيَقُوْلُنَّ وہ ضرور کہیں گے	اللّٰهُ اللہ	فَاَنّٰى پھر کہاں	يُؤْفَكُوْنَ وہ الٹے پھرے جاتے ہیں	اَللّٰهُ اللہ	
يَبْسُطُ فراخ کرتا ہے	الرِّزْقَ روزی	لِمَنْ يَّشَآءُ جس کیلئے وہ چاہتا ہے	مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے	وَيَقْدِرُ اور تنگ کردیتا ہے			
لَهٗ اس کیلئے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	بِكُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کا	عَلِيْمٌ جاننے والا	وَلَئِنْ اور البتہ اگر	سَاَلْتَهُمْ تم ان سے پوچھو	مَنْ کس نے	
نَزَّلَ اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مَآءً پانی	فَاَحْيَا پھر زندہ کردیا	بِهِ اس سے	الْاَرْضَ زمین	مِنْ بَعْدِ بعد	مَوْتِهَا اس کا مرنا
لَيَقُوْلُنَّ البتہ وہ کہیں گے	اللّٰهُ اللہ	قُلِ آپ کہدیں	الْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ کیلئے	بَلْ لیکن	اَكْثَرُهُمْ ان میں اکثر		
لَا يَعْقِلُوْنَ وہ عقل سے کام نہیں لیتے	وَمَا اور نہیں	هٰذِهِ یہ	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ دنیا کی زندگی	اِلَّا لَهْوٌ سوائے کھیل	وَّلَعِبٌ اور کود		
وَاِنَّ اور بیشک	الدَّارَ الْاٰخِرَةَ آخرت کا گھر	لَهِيَ البتہ وہی	الْحَيَوَانُ زندگی	لَوْ کاش	كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہوتے		

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اہل ایمان کو ہجرت کا حکم اور تلقین و ترغیب دی گئی تھی۔ اب بھی جہاں فرائض دینی ادا کرنے سے اہل اسلام کو مانع ہو تو وہاں سے ہجرت واجب ہے اور کس جگہ ہجرت کی جائے اس کی کوئی خصوصیت نہیں۔ جہاں آزادی سے ارکان اسلام ادا کر سکے وہاں چلا جاوے۔ اب آگے چونکہ مضمون توحید نہایت مہتم بالشان ہے اس لئے ختم سورۃ کے قریب پھر اسی مضمون کو بیان فرمایا جاتا ہے اور ثابت کیا جاتا ہے کہ معبود برحق صرف

ایک ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ مشرکین مکہ بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے تو قائل تھے۔ وہ بھی اس بات کو مانتے تھے کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا۔ چاند وسورج کو مسخر کرنے والا اور دن رات پے درپے لانے والی اللہ کی ذات ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں بکثرت توحید ربوبیت کے ساتھ توحید الوہیت کا ذکر فرمایا گیا ہے اور مشرکین مکہ کو توحید ربوبیت سے توحید الوہیت کی طرف دعوت دی گئی ہے کہ جب تمام چیزوں کا خالق اور مالک اور رازق خدائے تعالیٰ ہے تو پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ مشرکین ایام جاہلیت میں حج وعمرہ میں لبیک پکارتے ہوئے بھی خدا کے شریک نہ ہونے کا اقرار کرتے تھے مگر اس کے ساتھ بت پرستی بھی ان میں رائج تھی چنانچہ وہ لبیک حج کے موقع پر اس طرح کہتے تھے۔ **لبیک لاشریک لک الا شریکا ھو لک تملکه وما ملک** یعنی خدایا ہم حاضر ہوئے تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک کہ جن کا مالک اور جن کے ملک کا مالک بھی تو ہی ہے۔ اس شرک آمیز لبیک کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ کے موقع پر اہل اسلام کو یہ لبیک سکھلائی۔ **لبیک اللھم لبیک. لبیک لاشریک لک لبیک. ان الحمد والنعمة لک والملک. لاشریک لک.** حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں حاضر ہوں تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں اور سب نعمتیں تیری ہی عطا کی ہوئی ہیں اور ملک بھی تیرا ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

الغرض ان آیات میں پہلے بتلایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان مشرکین سے جو کہ خود ہی شرک نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی بجبر مشرک بناتے ہیں یہ پوچھیں کہ آسمان وزمین غرض تمام جہان کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مقررہ کام پر لگایا تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر یہ اقرار کرنے کے بعد ان کو اوندھی مت انہیں کہاں اٹھائے لئے جا رہی ہے اور وہ برخلاف اقرار کے کیوں شرک میں گرفتار ہیں۔ پھر رزق کا انتظام بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی جسے جتنا چاہتا ہے دیتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے واقف ہے اور ہر بات کی مصلحت جانتا ہے۔ جس کو بہت دینا ہوتا ہے اس کے لئے ویسے ہی اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔ جس کو کم دینا ہوتا ہے اس کے ویسے ہی سامان فرما دیتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کس کے لئے فراخی مناسب ہے اور کس کے لئے تنگی۔ اسی طرح اسے حال بدلتے بھی دیر نہیں لگتی جب چاہتا ہے مفلس کو مالدار اور مالدار کو مفلس اور خوشحال کو بدحال اور بدحال کو خوشحال بنا دیتا ہے۔ اس کا بھی ان مشرکین کو اقرار ہے۔ پھر اگر آپ ان مشرکین سے یہ پوچھیں کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ آسمان سے مینہ کون برساتا ہے جس سے خشک مردہ زمین ہری اور تروتازہ ہو جاتی ہے اور انواع واقسام کی چیزیں اس میں اگ آتی ہیں۔ وہ یہی جواب دیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کرتا ہے تو آپ کہئے کہ شکر ہے خدا کا کہ تم پر حجت تمام ہوگئی اور تم نے توحید کو تسلیم کرلیا۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے مذکورہ بالا اقراروں سے ثبوت توحید ایسا نہیں ہے کہ سمجھ میں نہ آئے۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور توحید الوہیت سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور وجہ اس نہ سمجھنے کی دنیا کی محبت اور اس میں انہماک ہے لیکن یہ بھی ان کی غلطی ہے کیونکہ دنیاوی زندگی مثل تھوڑی دیر کی تفریح اور کھیل کود کی طرح ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے پس دنیاوی زندگی میں اس قدر انہماک کہ جس سے آخرت فوت ہو جاوے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی لہو ولعب میں مصروف ہو کر اپنی جان کی بھی پروا نہ کرے اور ظاہر ہے کہ یہ سراسر خلاف عقل ہے۔ اس لئے ان کا یہ انہماک فی الدنیا ضرور خلاف عقل ہے۔ کاش کہ وہ اس کو جانتے ہوتے اور ایسی غلطی نہ کرتے۔

یہاں یہ آیت **وما ھذه الحیوة الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الاٰخرة لھی الحیوان لو کانوا یعلمون** (اور یہ دنیوی زندگی بجز لہو ولعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے۔ اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے) دنیا کی بے ثباتی اور ترغیب وترجیح آخرت میں بالکل صریح ہے۔ اور یہ کفار ومشرکین کے حق میں لائی گئی ہے کہ یہ ان کی بے عقلی ہے کہ فانی دنیا میں منہمک ہو کر ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت کو بھلا رہے ہیں مگر آج باوجود دعوائے ایمان قرآنی کے دن و رات دنیا کی ترقی کی رٹ لگانے والوں کے سامنے اگر آپ یہ آیت پڑھیں اور کہیں کہ دنیا کی ترقی کے بجائے آخرت کی ترقی کی بھی سوچو تو آپ خود اندازہ لگالیں کہ آپ کو کیا جواب ملے گا۔ بس سوائے **انا للہ وانا الیه راجعون** پڑھنے کے اور کیا کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس امت مسلمہ پر رحم وکرم فرمائیں اور اس کی غیب سے اصلاح کی صورتیں فرمائیں۔

ابھی آگے بھی خاتمہ کی آیات میں شرک اور مشرکین کی مذمت اور توحید کی حقانیت بیان فرمائی گئی ہے۔ جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ

پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں، تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی

يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا

شرک کرنے لگتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو نعمت ان کو دی ہے اس کی ناقدری کرتے ہیں، اور یہ لوگ چندے اور حظ حاصل کر لیں، پھر قریب ہی ان کو خبر ہوئی جاتی ہے۔

حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ

کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے، اور ان کے گردو پیش میں لوگوں کو نکالا جا رہا ہے پھر کیا یہ لوگ جھوٹے معبود پر ایمان لاتے اور ان اللہ کی نعمتوں کی

يَكْفُرُونَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ

ناشکری کرتے ہیں اور اس شخص سے زیادہ کون ناانصاف ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچے وہ اس کو جھٹلا دے،

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ

کیا ان کافروں کا جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم ان کو اپنے (قرب وثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھا دیں گے،

سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾

اور بیشک اللہ کی (رضا ورحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

فَإِذَا پھر جب	رَكِبُوا وہ سوار ہوتے ہیں	فِي الْفُلْكِ کشتی میں	دَعَوُا اللَّهَ اللہ کو پکارتے ہیں	مُخْلِصِينَ خالص رکھ کر	لَهُ الدِّينَ اس کیلئے اعتقاد
فَلَمَّا پھر جب	نَجَّاهُمْ وہ انہیں نجات دیتا ہے	إِلَى الْبَرِّ خشکی کی طرف	إِذَا هُمْ ناگہاں (فوراً) وہ	يُشْرِكُونَ شرک کرنے لگتے ہیں	
لِيَكْفُرُوا تاکہ ناشکری کریں	بِمَا وہ جو	آتَيْنَاهُمْ ہم نے انہیں دیا	وَلِيَتَمَتَّعُوا اور تاکہ وہ فائدہ اٹھائیں	فَسَوْفَ پس عنقریب وہ	يَعْلَمُونَ جان لیں گے وہ
أَوَ کیا	لَمْ يَرَوْا انہوں نے نہیں دیکھا	أَنَّا جَعَلْنَا کہ ہم نے بنایا	حَرَمًا حرم سرزمین مکہ	آمِنًا امن کی جگہ	وَ جبکہ / يُتَخَطَّفُ اچک لئے جاتے ہیں
النَّاسُ لوگ	مِنْ سے کے	حَوْلِهِمْ اس کے اردگرد	أَفَبِالْبَاطِلِ کیا پس باطل پر	يُؤْمِنُونَ ایمان لاتے ہیں	وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ اور اللہ کی نعمت کی
يَكْفُرُونَ ناشکری کرتے ہیں	وَمَنْ اور کون	أَظْلَمُ بڑا ظالم	مِمَّنِ اس سے جس نے	افْتَرَىٰ باندھا	عَلَى اللَّهِ اللہ پر / كَذِبًا جھوٹ
أَوْ كَذَّبَ یا جھٹلایا اس نے	بِالْحَقِّ حق کو	لَمَّا جب	جَاءَهُ وہ آیا اس کے پاس	أَلَيْسَ کیا نہیں	فِي جَهَنَّمَ جہنم میں / مَثْوًى ٹھکانہ
لِلْكَافِرِينَ کافروں کیلئے	وَ اور	الَّذِينَ جَاهَدُوا جن لوگوں نے کوشش کی	فِينَا ہماری (راہ) میں	لَنَهْدِيَنَّهُمْ ہم ضرور انہیں ہدایت دیں گے	
سُبُلَنَا اپنے راستے	وَإِنَّ اور بیشک	اللَّهَ اللہ	لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ البتہ ساتھ ہے نیکو کاروں کے		

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ عنکبوت کی آخری آیات ہیں۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ ر یلتانی اور توحید کے اثبات کے سلسلہ میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہوا تھا کہ دنیوی زندگی تھوڑی دیر کے کھیل کود کی طرح ہے۔ اسے کوئی دوام نہیں اور اس کو کوئی ثبات نہیں البتہ دار آخرت کی زندگی دوام اور بقا کی زندگی ہے اور

وہ زوال اور فنا سے پاک ہے اور مشرکین کو سمجھایا گیا تھا کہ جب تم اللہ کو خالق ورازق جانتے ہو تو لازم ہے کہ کفر وشرک سے بچ کر اسی ایک ذات کی عبادت اور بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ان مشرکین کا رویہ یہ ہے کہ جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بے بسی اور بے کسی کے وقت اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں اور ان معبودوں کو جن کی پوجا پاٹ میں دن رات لگے رہتے ہیں سب کو بھول جاتے ہیں۔ پھر جہاں آفت سر سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا تو اللہ کے احسانوں سے منہ موڑ کر پھر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ یہ مشرکین عرب کی عام حالت تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں مفسرین نے معتبر روایات سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ جو ابو جہل کے بیٹے تھے مکہ سے بھاگ نکلے اور کسی جگہ چلے جانے کے ارادہ سے کشتی میں بیٹھ گئے۔ اتفاقاً سمندر میں سخت طوفان آیا اور کشتی زیر وزبر ہونے لگی۔ جتنے مشرکین کشتی میں تھے سب کہنے لگے کہ یہ موقع صرف اللہ کو پکارنے کا ہے۔ اٹھو اور خلوص کے ساتھ دعائیں کرو۔ اس وقت نجات اسی کے ہاتھ ہے۔ یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا کہ خدا کی قسم اگر سمندر کی اس بلا سے بجز خدا کے اور کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی کی مصیبتوں کو ٹالنے والا بھی وہی ہے۔ خدایا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر یہاں سے بچ گیا تو سیدھا جا کر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا اور آپ کا کلمہ پڑھ لوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے رسول میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے اور مجھ پر رحم و کرم فرمائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ عکرمہ تو فتح مکہ کے موقع پر اپنی جان کے خوف سے مکہ سے بھاگ نکلے تھے لیکن ان کی بیوی ام حکیم فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عکرمہ ملک یمن بھاگ گئے۔ انہیں اپنے قتل کئے جانے کا بہت بڑا اندیشہ ہے لہٰذا آپ ان کو امن دے دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں میری طرف سے امن ہے۔ یہ اپنے ایک غلام کے ہمراہ اپنے شوہر کی طلب میں نکلیں آخر ام حکیم عکرمہ کے پاس جا پہنچیں اور ان سے کہا کہ میں تمہارے پاس ایک ایسی ذات کی جانب سے آرہی ہوں جو تمام انسانوں میں سب سے زیادہ بھلے اور بہتر ہیں کیوں اپنے آپ کو تم نے ہلاکت میں ڈالا اور جلاوطنی کی مشقت برداشت کی۔ میں نے تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن طلب کر لیا ہے۔ عکرمہ نے تعجب سے کہا تم نے؟ ام حکیم بولیں ہاں میں نے تمہارے لئے امن طلب کر لیا ہے۔ چنانچہ عکرمہ وہیں سے بیوی کے ساتھ واپس ہو گئے۔ جب یہ مکہ کے قریب ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تم لوگوں کے پاس عکرمہ بن ابو جہل مومن اور مہاجر ہو کر آرہے ہیں۔ تم ان کے باپ کو برا نہ کہنا۔ مرے ہوئے کو برا کہنے سے اس کے زندہ رشتہ داروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ میت کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اللہ اکبر! کیا خلق عظیم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فداہ ابی و امی۔ جب یہ مکہ معظمہ پہنچے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے ہی لپکے اور آپ کے جسم اطہر پر چادر تک نہ تھی اور ان کی آمد سے انتہائی خوش ہوئے اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور عکرمہ آپ کے سامنے کھڑے تھے اور ان کے ساتھ ان کی بیوی ام حکیم بھی نقاب ڈالے ہوئے تھیں۔ تو عکرمہ نے عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے یعنی بیوی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ نے میرے لئے امن کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا اور تمہارے لئے امن ہے۔ عکرمہ نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں بیشک اللہ کا رسول ہوں اور نمازیں قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور یہ کرو اور یہ کرو چند اور اسلام کے فضائل و احکام آپ نے سمجھائے۔ عکرمہ نے کہا خدا کی قسم آپ نے حق ہی کی طرف بلایا ہے اور آپ نے اچھی ہی باتوں کی دعوت دی ہے۔ خدا کی قسم آپ تو دعوت حق کی طرف بلانے سے پہلے ہی ہم میں زیادہ صادق القول مشہور تھے اور ہم سب میں آپ زیادہ بھلے تھے اس کے بعد عکرمہ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام لانے سے بہت ہی خوش ہوئے۔ اس کے بعد اور بھی گفتگو ہوئی جو طوالت کی وجہ سے یہاں چھوڑی جاتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج

جو کچھ بھی تم مجھ سے مانگو گے میں تم کو دے دوں گا۔حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ آج تک جو عداوت میں نے آپ کے ساتھ برتی ہے یا جو جو باتیں آپ کے متعلق منہ درمنہ یا پس پشت کہی ہیں ان سب کو آپ معاف فرمادیں اور ان کے بارے میں اللہ سے طلب مغفرت فرمائیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی یہ دعا دی۔اے میرے اللہ عکرمہ کی ہر وہ عداوت جو انہوں نے میرے ساتھ برتی اور ہر وہ نقل وحرکت جس کے ذریعہ وہ ایسی جگہ چلے جس سے تیرے نور کے بجھانے کا ارادہ کیا ہو ان سب کو معاف کردے اور جو کچھ انہوں نے میری آبروریزی میں مقابلہ میں یا پس پشت کیا ان سب کو معاف فرمادے۔حضرت عکرمہ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب میں راضی ہوگیا اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان تمام اخراجات کو جن کو میں اللہ کی راہ میں رکاوٹ کے لئے خرچ کرتا تھا اب اس سے دگنا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا نہ چھوڑوں گا اور جتنی لڑائیاں میں نے اللہ کے راستہ میں رکاوٹ کے لئے لڑیں اس سے دگنی اب اللہ کے راستہ میں لڑوں گا۔اس کے بعد یہ جہاد میں لگ گئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں شہید کئے گئے۔یہ درمیان میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ضمناً آ گیا تھا اوپر بیان یہ ہو رہا تھا کہ جب کسی ایسی مصیبت میں یہ مشرکین عرب پھنستے ہیں جہاں ظاہری اسباب سے مایوسی ہوجاتی تو پھر بڑی عقیدت مندی سے اللہ ہی کو مصیبت کے دور کرنے کے لئے پکارتے۔پھر جہاں مصیبت دور ہوئی تو پھر غیر اللہ کو پکارنا شروع کردیا۔آگے حق تعالیٰ مشرکین کی اس حالت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ تو گویا ان کی یہ غرض ہوئی کہ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں۔خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اس بغاوت وشرارت احسان فراموشی اور ناسپاسی کا کیا نتیجہ ہے۔آگے کفار مکہ کو ایک ایسی بات یاد دلائی جاتی ہے اور احسان جتلایا جاتا ہے کہ جو ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور وہ یہ کہ کفار مکہ کو اللہ نے اپنے حرم میں جگہ دی کہ جہاں وہ امن وامان سے رہتے ہیں اور کعبہ کی بدولت لوٹ مار سے محفوظ ہیں جبکہ سارے عرب میں کسی کی زندگی اور جان ومال محفوظ نہ تھا۔جدال وقتال اور لوٹ مار ہوتی رہتی۔لیکن کعبہ کی حرمت سب کرتے تھے اور مکہ کے لوگ اس کے محافظ سمجھے جاتے تھے جن کا سب احترام کرتے تھے تو یہ امن وامان کی جگہ جسے حرم کہتے ہیں۔ یہ اللہ ہی نے تو بنائی کہ آس پاس چاروں طرف لوگ قتل وقتال کئے اور لوٹے مارے جاتے ہیں لیکن ادھر کا کوئی رخ نہیں کرتا۔آخر اس جگہ کی عظمت کس نے ان کے دل میں بٹھائی۔پھر یہ کیا بے انصافی ہے کہ اللہ کا احسان تو یکدم بھلا بیٹھے جس کا ماننا انصاف کی رو سے تم پر فرض تھا اور ہٹ دھرمی سے غلط اور جھوٹے معبودوں کی پرستش کرنے لگے۔اس سے زیادہ احسان اور صریح ضلالت کیا ہوگی۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرائے۔یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرے جو اس کی شان عالی کے لائق نہیں۔یا پیغمبر جو سچائی لے کر آئے ہیں اسے سنتے ہی جھٹلانا شروع کردے۔کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو ایسی بے باکی اور بے حیائی سے عقل وانصاف کے گلے پر چھری پھیرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔اب خاتمہ پر دین کے لئے مشقت برداشت کرنے والوں کو بشارت عظمیٰ دے کر سورۃ کو ختم فرمایا جاتا ہے۔اوپر تو ان کا حال تھا جو اہل کفر اور نفس پرست ہوں اب خاتمہ پر ان کے مقابل وضد اہل ایمان کا بیان ہے کہ جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے ہیں اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے قرب ورضا کی راہیں سجھاتا ہے۔جوں جوں وہ ریاضات ومجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر ان کی معرفت وانکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت ایسے مخلص بندوں کے ساتھ دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

اب یہاں ان خاتمہ کی آیات میں سے کئی باتیں قابل غور ہیں۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا **فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین له الدین فلما نجھم الی البر اذاھم یشرکون ○** کہ جب یہ یعنی مشرکین عرب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور کشتی طوفان یا بھنور میں پھنس کر زیروزبر ہونے لگتی ہے تو اس وقت خالص

اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اس آفت سے نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو پھر فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں اور بتوں کو خدا کا شریک کہنے لگتے ہیں۔ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ کافر بھی جس وقت اپنے آپ کو بے بس۔ بے کس اور بے سہارا جان کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس وقت یہ یقین کرتا ہے کہ خدا کے سوا مجھے اس مصیبت سے کوئی نجات نہیں دے سکتا تو اللہ تعالیٰ کافر کی بھی دعا قبول فرماتے ہیں کیونکہ وہ اس وقت مضطر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور قرآن کریم کی جو دوسری آیت میں ارشاد ہے وما دعآء الکفرین الا فی ضلل۔ یعنی کافروں کی دعا ناقابل قبول ہے تو یہ حال آخرت کا ہے کہ وہاں کافر عذاب سے رہائی کی دعا کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔ دوسری بات یہ بھی ظاہر ہوئی کہ مصیبت کے وقت تو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنا اور اس سے فریاد کرنا اور پھر جب حق تعالیٰ اپنے کرم و رحم سے مصیبت کو دور فرمادیں تو پھر اس کریم محسن کو بھول جانا اور اس کی نافرمانی۔ اس سے اعراض اور انحراف کرنا یہ کافرانہ خصلت ہے جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین عرب کی حالت بتلائی۔ افسوس ہے کہ اب یہی کچھ حال مسلمانوں کا دیکھنے میں آتا ہے کہ جہاں کسی مصیبت سے دوچار ہوئے تو خدا کی یاد آئی اور جب مصیبت دور ہوئی تو پھر خدا کی نافرمانی۔ عصیان۔ فسق و فجور میں لگ کر خدا سے غافل اور بے تعلق ہو گئے اللہ تعالیٰ ہمیں اس حالت سے بچائیں اور ہر حال میں ہم کو اپنا صحیح اور قوی تعلق نصیب فرمائیں۔

سورۃ کی آخری آیت والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں یعنی مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب کے راستے ضرور دکھادیں گے تو اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ جہاد کے اصلی معنی دین میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اپنی پوری قوت اور توانائی صرف کرنے کے ہیں۔ اس میں وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو کفار فجار کی طرف سے پیش آتی ہیں۔ کفار سے جنگ و مقاتلہ اس کی اعلیٰ فرد ہے۔ اور وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو اپنے نفس اور شیطان کی طرف سے پیش آتی ہیں۔ جہاد کی ان دونوں قسموں پر اس آیت میں یہ وعدہ ہے کہ ہم جہاد کرنے والوں کو اپنے راستوں کی ہدایت کردیتے ہیں یعنی جن مواقع میں خیر و شر یا حق و باطل یا نفع و ضرر میں التباس ہوتا ہے اور عقلمند انسان سوچتا ہے کہ کس راہ کو اختیار کروں۔ ایسے مواقع میں اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو صحیح۔ سیدھی اور بے خطر راہ بتادیتے ہیں جس میں ان کے لئے خیر و برکت ہو اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم لوگوں کو دیا گیا ہے تو جو لوگ اپنے علم پر عمل کرنے میں جہاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر دوسرے علوم بھی منکشف کردیتے ہیں جو اب تک حاصل نہیں اور حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ جو لوگ طلب علم میں کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے عمل بھی آسان کردیتے ہیں (المعارف القرآن جلد ششم) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے راستہ میں جہاد کرنے اور دین کیلئے مشقت برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

الحمدللہ کہ اب سورۂ عنکبوت کا جس میں ۷ رکوع تھے بیان پورا ہو گیا۔ اس طرح قرآن پاک کے دو ثلث کا بیان اختتام کو پہنچا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے ان دو ثلث کو قبول فرمائیں اور بقیہ ایک ثلث کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس کے بعد اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔ ان شاء اللہ

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے توحید کاملہ نصیب فرمادیں کہ جو ہر آن اور ہر حال میں ہماری نظر اللہ تبارک و تعالیٰ ہی پر ہو۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ۞ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۞ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۞

الٓمّٓ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لیکر نو سال کے اندر اندر غالب آجاویں گے

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞

پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے۔اور وہ زبردست ہے رحیم ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞

ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

الٓمّٓ الٓمّٓ	غُلِبَتِ مغلوب ہوگئے	الرُّوْمُ رومی	فِيْٓ میں	اَدْنَى الْاَرْضِ قریب کی زمین	وَهُمْ اور وہ	مِنْۢ بَعْدِ بعد
غَلَبِهِمْ اپنے مغلوب ہونے	سَيَغْلِبُوْنَ عنقریب غالب ہوں گے	فِيْ میں	بِضْعِ سِنِيْنَ چند سال	لِلّٰهِ الْاَمْرُ اللہ ہی کیلئے حکم		
مِنْ قَبْلُ پہلے	وَمِنْۢ بَعْدُ اور پیچھے	وَيَوْمَىِٕذٍ اور اس دن	يَّفْرَحُ خوش ہوں گے	الْمُؤْمِنُوْنَ اہل ایمان	بِنَصْرِ اللّٰهِ اللہ کی مدد سے	
يَنْصُرُ وہ مدد دیتا ہے	مَنْ يَّشَاۗءُ جس کو چاہتا ہے	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الرَّحِيْمُ نہایت مہربان	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ ہے	
لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ خلاف نہیں کرتا اللہ	وَعْدَهٗ اپنا وعدہ	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَ النَّاسِ اکثر لوگ	لَا يَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے		

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب اکیسویں پارہ کی سورۂ روم کا بیان شروع ہو رہا ہے۔اس وقت سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع ومباحث اور تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔اس سورۃ کی پہلی ہی آیت میں غلبت الروم کے الفاظ آئے ہیں۔یعنی رومی مغلوب ہوگئے۔ چونکہ اس سورۃ میں سلطنت روم کا جس کو انگریزی میں رومن ایمپائر Roman Empire کہتے ہیں ذکر کیا گیا ہے اس لئے نشانی کے طور پر اس سورۃ کا نام ہی سورۃ الروم مقرر ہوا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور قیام مکہ کے درمیانی زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی تیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۸۴ لکھا ہے۔یعنی ۸۳ سورتیں اس سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھیں اور چالیس سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔اس سورت میں ۶۰ آیات۔ ۶ رکوعات ۸۲۷ کلمات اور ۳۵۴۷ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ مثل دوسری مکی سورتوں کے اس سورۃ میں بھی عقائد کے متعلق تعلیم ہے یعنی توحید و رسالت کا اثبات۔شرک کی مذمت۔قیامت آخرت۔حشر

نشر۔ جزا و سزا۔ جنت و جہنم۔ بداعمالیوں کے نتائج۔ اللہ کی قدرت و نشانیوں کا ذکر اور قرآن کا مثل باران رحمت ہونا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس سورۃ کے زمانۂ نزول کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ اس زمانہ کی دو بڑی بھاری سلطنتیں ''فارس'' اور ''روم'' مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں۔ شام۔ فلسطین۔ ایشیائے کوچک یہ رومی سلطنت میں شامل تھے۔ اور عیسائیوں کے قبضہ میں یہ حکومت تھی۔ اہل فارس آتش پرست مجوسی مذہب کے پیروکار تھے۔ ان دونوں سلطنتوں میں ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۵ء تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ۵۷۰ء میں ہوئی اور چالیس سال بعد یعنی ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگ روم اور فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت اور دین اسلام کی تبلیغ نے مکہ کے لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کردی تھی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے اور روم کے عیسائی اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے قریبی دوست سمجھے جاتے تھے۔ جب فارس یعنی مجوسیوں کے غلبہ کی خبر آتی تو مشرکین مکہ خوش ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور آئندہ کے لئے خوش کن توقعات باندھتے تھے۔ مسلمانوں کو اس بات سے طبعاً صدمہ ہوتا تھا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں۔ بالآخر ۶۱۴ء کے بعد جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ۵ سال گزر چکے تھے فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام۔ مصر۔ ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومی عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ بیت المقدس پر قبضہ کرکے ایرانیوں نے مسیحی دنیا پر قیامت ڈھادی۔ ۹۰ ہزار عیسائی اس شہر میں قتل کئے گئے ان کا سب سے مقدس کلیسہ برباد کردیا گیا اور تمام بڑے بڑے گرجوں کو انہوں نے مسمار کردیا۔ اس فتح کا نشہ خسرو پرویز بادشاہ فارس پر جو چڑھا تھا اس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل نامی بادشاہ روم کو لکھا تھا۔ اس خط میں وہ لکھتا ہے۔ ''سب خداؤں سے بڑے خدا تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچالیا۔'' یہ تھا اس مغرور خسرو پرویز کسریٰ ایران کا خط جو اس وقت تقریباً نصف مشرقی دنیا کا شہنشاہ تھا۔ یہاں موقع کی مناسبت سے وہ نامۂ اقدس بھی نقل کیا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خسرو پرویز شہنشاہ فارس کے نام مدینہ منورہ سے یکم محرم ۷ھ کو منجملہ دوسرے سلاطین دنیا کے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے روانہ فرمایا تھا۔ نامہ مبارک کا ترجمہ یہ ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کے نام۔ سلام اس پر جو سیدھے راہ پر چلا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور یہ شہادت ادا کی کہ خدائے وحدہ لاشریک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدا کا رسول ہوں۔ مجھے جملہ نسل آدم کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ جو کوئی زندہ ہے اسے عذاب الٰہی کا ڈر سنا دیا جائے اور جو منکر ہیں ان پر خدا کا قول پورا ہو۔ تو مسلمان ہوجا۔ سلامت رہے گا ورنہ سارے مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔''

خسرو پرویز نے اس نامۂ مبارک کو دیکھتے ہی غصہ سے چاک کرڈالا اور زبان سے کہا کہ میری رعایا کا ادنیٰ شخص مجھے خط لکھتا ہے اور اپنا نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے۔ اس کے بعد خسرو نے باذان کو جو یمن میں اس کا وائسرائے یعنی نائب السلطنت تھا اور عرب کا تمام ملک اسی کے زیر اقتدار یا زیر اثر سمجھا جاتا تھا یہ حکم بھیجا کہ اس شخص یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرکے میرے پاس روانہ کردو۔ باذان نے ایک فوجی دستہ مامور کیا اور ایک ملکی افسر بھی ہمراہ روانہ کیا جسے یہ ہدایت کی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر گہری نظر ڈالے اور ان کو کسریٰ کے پاس پہنچادے لیکن اگر وہ جانے سے انکار کریں تو واپس آکر رپورٹ کرے۔ جب یہ فوجی دستہ طائف پہنچا تو اہل طائف نے بڑی خوشیاں منائیں کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (نعوذ باللہ) ضرور تباہ ہوجائیں گے کیونکہ شہنشاہ کسریٰ نے انہیں گستاخی کی سزا دینے کا حکم دے دیا ہے جب یہ افسر مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کل کو پھر حاضر ہوں دوسرے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات

تمہارے بادشاہ کو خدا نے ہلاک کر ڈالا جاؤ اور تحقیق کرو۔ افسر یہ خبر سن کر یمن کو لوٹ گیا وہاں سرکاری اطلاع آ چکی تھی کہ خسرو کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے اور خود تخت کا مالک بن گیا۔ اب یمن کے وائسرائے باذان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات تعلیم و ہدایات کے متعلق مکمل تحقیقات کی اور تحقیقات کے بعد مسلمان ہو گیا۔ اور اسکے درباری اور ملک کا اکثر حصہ مسلمان ہو گیا۔ ادھر جو سفیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خسرو کے پاس بھیجے تھے انہوں نے واپس آ کر عرض کیا کہ شاہ فارس نے نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ اس کی سلطنت کو اسی طرح پارہ پارہ کرے جس طرح اس نے ہمارے خط کو کیا ہے۔ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کیسے خالی جاتی۔ یہ خود اپنے بیٹے کے ہاتھ نہایت بے دردی سے مارا گیا اور وہ حکومت جو نصف دنیا پر شہنشاہی کرتی تھی آج اس کا نشان بھی نہیں ملتا۔ یہ تذکرہ بیچ میں ضمناً آ گیا تھا۔

بہرحال بیت المقدس کی فتح کے بعد قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا تھا۔ اور بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور ایرانیوں کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔ اس وقت سلطنت روم پر فارس کے غلبہ کا چرچا ہر زبان پر تھا۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے بھی خوب خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو چھیڑنا اور طعنہ دینا شروع کیا کہ دیکھو فارس کے آتش پرست فتح پا رہے ہیں اور وحی اور رسالت کے ماننے والے عیسائی شکست پر شکست کھاتے چلے جا رہے ہیں اسی طرح ہم عرب کے بت پرست بھی تمہارے دین کو مٹا کر رکھ دیں گے۔ مشرکین عرب مجوسیوں کے فتوحات اور عیسائیوں کے شکست سے بڑے بڑے حوصلہ اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی فارسی مجوسیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے ان حالات میں قرآن کریم کی یہ سورۃ نازل ہوئی اور ظاہری اسباب کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن ۹ سال کے اندر اندر پھر وہ غالب اور منصور ہوں گے اسی قرآنی پیشگوئی کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی۔ واضح رہے کہ اس وقت تک ایسی شرط لگانا اسلام میں حرام نہ ہوا تھا۔ کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں ۱۰۰ اونٹ تم کو دوں گا۔ ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ ادھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایرانیوں پر فتح دی تو میں پیدل چل کر بیت المقدس تک پہنچوں گا خدا کی قدرت دیکھئے کہ قرآنی پیشینگوئی کے مطابق ٹھیک ۹ سال کے اندر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے ایک سال بعد عین معرکۂ بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین مکہ پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے۔ اسی دن یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا۔ قرآن پاک کی اس عظیم الشان پیشینگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین مکہ سے ۱۰۰ اونٹ وصول کئے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سب صدقہ کر دیئے جائیں۔

''الم'' اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے جس سے مشرکین خوش ہوئے اور وہ رومی اپنے اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب اہل فارس پر دوسرے مقابلہ میں تین سال سے لے کر ۹ سال کے اندر اندر غالب آ جاویں گے اور یہ غالب اور مغلوب ہونا سب خدا کی طرف سے ہے کیونکہ مغلوب ہونے سے پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور مغلوب ہونے سے پیچھے بھی اللہ ہی کو اختیار ہے جس سے غالب کر دے گا اور اس روز یعنی جب اہل روم غالب آ ویں گے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے۔ (چنانچہ وہ وقت جنگ بدر میں منصور ہونے کا تھا) وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے۔ کفار کو جب چاہے مغلوب کر دے اور رحیم بھی ہے مسلمانوں کو جب چاہے غالب کر دے اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔ (اس واسطے یہ پیشین گوئی ضرور واقع ہو گی) لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو نہیں جانتے۔''

یہاں منکرین کا ایک جہل اس پیشین گوئی کے نہ ماننے کا بیان ہوا۔ آگے ان کا دوسرا جہل آخرت کے متعلق ظاہر فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۞٧ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا

یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں کیا انہوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ

کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں کسی حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین کیلئے پیدا کیا ہے۔

مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۞٨ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

اور بہت سے آدمی اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا

ان کا انجام کیا ہوا وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو بھی بویا جوتا تھا اور جتنا انہوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے

الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

اس سے زیادہ اُنہوں نے اس کو آباد کیا تھا اور اُن کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے سو خدا تعالیٰ ایسا نہ تھا

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۞٩ ۭ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْٓاٰى

کہ ان پر ظلم کرتا ولیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے پھر ایسے لوگوں کا انجام جنہوں نے بُرا کام کیا تھا بُرا ہی ہوا اس وجہ سے

اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞١٠

کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے

يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے ہیں	ظَاهِرًا ظاہر کو	مِّنَ سے	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	وَهُمْ اور وہ	عَنِ سے	الْاٰخِرَةِ آخرت	هُمْ وہ
غٰفِلُوْنَ غافل ہیں	اَوَ کیا	لَمْ يَتَفَكَّرُوْا وہ غور نہیں کرتے	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اپنے (جیول) میں	مَا نہیں	خَلَقَ پیدا کیا	اللّٰهُ اللہ	
السَّمٰوٰتِ آسمانوں	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا اور جو	بَيْنَهُمَآ ان دونوں کے درمیان	اِلَّا مگر	بِالْحَقِّ درست تدبیر کیساتھ	وَ اور	
اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مقررہ میعاد	وَاِنَّ اور بیشک	كَثِيْرًا اکثر	مِّنَ النَّاسِ لوگوں سے	بِلِقَاۗئِ ملاقات سے	رَبِّهِمْ اپنا رب		
لَكٰفِرُوْنَ منکر ہیں	اَوَ کیا	لَمْ يَسِيْرُوْا انہوں نے سیر نہیں کی	فِي الْاَرْضِ زمین میں	فَيَنْظُرُوْا جو وہ دیکھتے	كَيْفَ كَانَ کیسا ہوا		
عَاقِبَةُ انجام	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے	كَانُوْا وہ تھے	اَشَدَّ بہت زیادہ	مِنْهُمْ ان سے	قُوَّةً قوت میں	
وَاَثَارُوا اور انہوں نے بویا جوتا	الْاَرْضَ زمین	وَعَمَرُوْهَآ اور انہوں نے اس کو آباد کیا	اَكْثَرَ زیادہ	مِمَّا اس سے جو	عَمَرُوْهَا انہوں نے اسے آباد کیا		
وَجَاۗءَتْهُمْ اور انکے پاس آئے	رُسُلُهُمْ ان کے رسول	بِالْبَيِّنٰتِ روشن دلائل کے ساتھ	فَمَا كَانَ پس نہ تھا	اللّٰهُ اللہ	لِيَظْلِمَهُمْ کہ ان پر ظلم کرتا		

وَلٰكِنْ اور لیکن	كَانُوْا وہ تھے	اَنْفُسَهُمْ اپنی جانیں	يَظْلِمُوْنَ ظلم کرتے	ثُمَّ پھر	كَانَ ہوا	عَاقِبَةَ انجام	الَّذِيْنَ جن لوگوں نے
اَسَآءُوا بُرے کام کیے	السُّوْٓاٰى بُرا	اَنْ كَذَّبُوْا کہ انہوں نے جھٹلایا	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیتوں کو	وَكَانُوْا اور تھے وہ	بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ اس سے مذاق کرتے		

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ فتح شکست اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ آج آتش پرست مجوسی روم کے عیسائیوں پر غالب آئے ہیں تو تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے اور اسی زمانہ میں مسلمان بھی کفار پر ایک نمایاں غلبہ پائیں گے اور ان کو دوہری خوشی نصیب ہوگی۔ یہ اشارہ تھا بدر کی فتح کی طرف چنانچہ الحمدللہ ایسا ہی ہوا پھر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ اللہ دنیا کی مصلحتوں سے خبردار ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس وقت کس کی مدد کرنی مناسب ہے اور کونسا موقع کس کے غالب آنیکا ہے اور کس کے مغلوب ہونے کا پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔ تو یہ کفار و منکرین نادان انسان کیا جانیں کہ اس نے کس مصلحت سے ایک کو ہرا دیا اور ایک کو جتا دیا۔ اور دوسرے وقت وہ جیتنے والے کو ہارنے والا اور ہارنے والے کو جیتنے والا کر دے اسی سلسلہ میں اب ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ کفار منکرین فقط ظاہری اور مادی باتوں کو دیکھتے ہیں اور یہ لوگ دنیوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کی آسائش اور آرائش۔ کھانا پینا۔ پہننا اوڑھنا۔ بونا جوتنا۔ دولت کمانا۔ مزے اڑانا۔ بس یہی ان کے علم وتحقیق کی انتہائی جولانگاہ ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے برے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دور ہے یہیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک قوم کبھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اس کا آخری انجام ذلت و ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اس عالم دنیا کا اتنا زبردست نظام اللہ تعالیٰ نے یونہی بے معنی اور بیکار نہیں پیدا کیا۔ کچھ اس سے مقصود ضرور ہے اور وہ آخرت میں نظر آئے گا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات بھی تھی لیکن اس کے تغیرات واحوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہٰذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہوگا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائے گا۔ یہ منکرین سمجھتے ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب کتاب دینا پڑے تو ساری خرابی یہیں سے پیدا ہوئی کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ انہیں اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے۔ پھر بھی دنیا کے عارضی ہونے کا علم اور یہاں بھی اللہ کے نافرمانوں کو سزا ملنے کا حال انہیں پچھلے لوگوں کے حالات سن کر معلوم ہو سکتا ہے کہ بڑی بڑی طاقتور قومیں جنہوں نے زمین کو بوجوت کر لالہ زار وگلزار بنایا اسے کھود کر چشمے۔ نہریں اور کانیں نکالیں۔ ان منکرین مکہ سے بڑھ کر اپنی دنیا کو ترقی دی۔ لمبی لمبی عمریں پائیں اور زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا وہ آج کہاں ہیں؟ جب اللہ کے پیغمبر کھلے نشان اور احکام لے کر آئے اور انہوں نے تکذیب کی تو کیا ان منکرین نے نہیں سنا کہ ان کا انجام کیا ہوا؟ کس طرح تباہ و برباد کیے گئے۔ ان کے ویران کھنڈر اب بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں کیا ان میں ان بے فکروں کے لئے کوئی عبرت نہیں؟ پھر ان کی تباہی و بربادی میں اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو ظلم کا امکان ہی نہیں۔ ہاں لوگ خود ہی اپنے ہاتھوں اپنے پیر پر کلہاڑی مارتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ بربادی ہو تو یہ اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا ورنہ اللہ تعالیٰ کے

عدل و احسان کی تو یہ کیفیت ہے کہ بے رسول بھیجے اور بدوں پوری طرح ہوشیار کئے کسی کو پکڑتے بھی نہیں۔ پھر اپنے اعمال کی شامت سے دنیا میں جو بربادی دیکھی وہ تو دیکھی ہی آخرت میں تکذیب اور استہزاء کی جو سزا ہے وہ الگ رہی۔ پس اللہ کی باتوں کو جھٹلانا اور ان کی ہنسی اڑانا کوئی معمولی بات نہیں اس کا انجام دنیا اور آخرت دونوں جگہ برا ہے۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا ہے **یعلمون ظاهراً من الحيٰوة الدنيا وهم عن الاٰخرة هم غفلون**۔ یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ منکرین اور کفار کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کی ساری عقلیں اور ساری کوششیں بس اسی مادی کائنات اور اس کے آئین وقوانین اور اس کے سازوسامان اور عیش وعشرت تک محدود ہیں۔ رہی آخرت تو اس کی طرف سے بے خبر ہی نہیں بے پروا بھی ہیں۔ کوئی فکر بھی اس کے علم کا نہیں کرتے۔ تو اس مذمت سے معلوم ہوا کہ مادیت اور آخرت فراموشی اس سے بڑھ کر اور کیا جہالت ہوگی۔ مگر آج اسلام اور قرآن پر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کا حال (الا ماشاء اللہ) کیا اس سے کچھ مختلف ہے۔ شیطان نے آج اسی ''جہل'' کو ''علم'' کا رنگ دے دیا ہے۔ دنیوی زندگی کے لئے ظاہری سازوسامان کی طلب یہ تو ہمارا مقصود زندگی بن گیا ہے۔ جبکہ آخرت اور دین سے جو غفلت ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہ آخرت فراموشی کی خصلت تو قرآن نے منکرین کی بتلائی ہے نہ کہ مسلمین اور مؤمنین کی جن کی حالت تو اس کے برعکس ہونی چاہئے یعنی دنیوی زندگی کے ظاہر سازوسامان سے غفلت اور آخرت کی ہمہ وقت فکر وطلب اور پھر ستم یہ کہ اگر آپ ان کی آخرت فراموشی کے باب میں زبان کھولیں تو اس کو ملا پن کہہ کر حقارت آمیز طعن وتشنیع سے ٹال دیا جاتا ہے۔ اس حالت میں سوائے **انا لله وانا اليه راجعون** کہنے کے اور کیا کہا جائے اور کیا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم سے ہماری اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرمائیں۔

الغرض یہاں آخرت فراموشی کی مذمت فرمائی گئی۔ اب آگے وقوع آخرت۔ اور وہاں کا انجام جزا وسزا کی شکل میں جو ظاہر ہونا ہے وہ بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ دنیوی زندگانی اور آخرت کی حقیقت کو صحیح معنی میں ہمارے دلوں میں اتار دیں۔ تاکہ ہماری ساری فکر دنیا سے ہٹ کر آخرت پر لگ جائے اللہ تعالیٰ ہمیں ان خصائل اور بداعمالیوں سے بچائیں جن کی وجہ سے گذشتہ امتوں پر تباہی آئی۔ حق تعالیٰ آخرت کی غفلت کو ہمارے دلوں سے دور فرمائیں اور ہمہ وقت زادِ آخرت کی فکر اور تیاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾

اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی دوبارہ بھی اس کو پیدا کریگا۔ پھر اُس کے پاس لائے جاؤ گے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم لوگ حیرت زدہ رہ جاویں گے

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

اور ان کے شریکوں میں سے ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہوجاویں گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز سب آدمی جدا جدا

يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

ہوجاویں گے یعنی جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ میں مسرور ہوں گے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

اَللّٰهُ اللہ	يَبْدَؤُا پہلی بار پیدا کرتا ہے	الْخَلْقَ خلقت	ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر وہ اسے دوبارہ (پیدا) کریگا	ثُمَّ اِلَيْهِ پھر اسکی طرف	تُرْجَعُوْنَ تم لوٹائے جاؤ گے	
وَيَوْمَ اور جس دن	تَقُوْمُ السَّاعَةُ برپا ہوگی قیامت	يُبْلِسُ ناامید رہ جائیں گے	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	وَلَمْ يَكُنْ اور نہ ہوں گے	لَهُمْ ان کیلئے	
مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ انکے شریکوں میں سے	شُفَعٰٓؤُا کوئی سفارشی	وَكَانُوْا اور وہ ہوجائیں گے	بِشُرَكَآئِهِمْ اپنے شریکوں کے	كٰفِرِيْنَ منکر	وَيَوْمَ اور جس دن	
تَقُوْمُ السَّاعَةُ قائم ہوگی قیامت	يَوْمَئِذٍ اس دن	يَّتَفَرَّقُوْنَ متفرق ہوجائیں گے	فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس جو لوگ ایمان لائے			
وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ نیک	فَهُمْ سو وہ	فِيْ رَوْضَةٍ باغ میں	يُّحْبَرُوْنَ خوشحالی (آؤ بھگت) کئے جائیں گے		
وَاَمَّا الَّذِيْنَ اور جن لوگوں نے	كَفَرُوْا کفر کیا	وَكَذَّبُوْا اور جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں کو	وَ اور	لِقَآئِ ملاقات کو	الْاٰخِرَةِ آخرت
	فَاُولٰٓئِكَ پس یہی لوگ	فِي الْعَذَابِ عذاب میں	مُحْضَرُوْنَ حاضر (گرفتار) کئے جائیں گے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ اکثر آدمی دنیا کی ظاہری چہل پہل پر لٹو ہوجاتے ہیں اور انہیں اس کی خبر نہیں کہ آخرت آنے والی ہے اور وہاں کی بہتری اور کامیابی ہی اصل چیز ہے جو دنیا کی لذتوں میں پھنسنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول اور کتاب یعنی قرآن کریم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے سے حاصل ہوتی ہے اور اس کے برخلاف یعنی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور اللہ کی باتوں کو جھٹلانا اور ان کی ہنسی اڑانا دنیا میں بھی تباہی و بربادی لاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا انجام سزائے جہنم ہے۔

اب اسی سلسلہ میں وقوع آخرت اور وہاں کی جزا وسزا کا بیان ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ منکرین آخرت کا انکار اس لئے کرتے ہیں کہ مرجانے اور فنا ہوجانے کے بعد یہ جسم پھر دوبارہ کیسے بنے گا۔ بقول ان کے جب سارے اعضاء مٹی ہوگئے اور مٹی میں مٹی مل گئی تو پھر بے شمار اجسام کا اپنی اپنی شکل میں دوبارہ زندہ ہوکر اٹھ کھڑا ہونا کتنا بعید ہے۔ اس کا جواب منکرین کو دیا جاتا ہے کہ اللہ ہی خلق کی ابتدا کرتا ہے اور وہی اس کا اعادہ کرے گا۔ یہ ارشاد اگرچہ دعوے کے انداز میں ہے مگر اس میں خود دلیل دعویٰ بھی موجود ہے اور وہ اس طرح کہ یہ تو کفار

مشرکین بھی مانتے ہیں کہ خلق کی ابتدا ایک امر واقعہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ انسان آنکھوں کے سامنے پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں ان کے جسم پہلے سے تو بنے ہوئے نہ تھے پھر یہ کیسے بن گئے۔ اس بات کے مان لینے میں کیا دشواری ہے کہ جیسے پہلے وجود نہ تھا اور پھر موجود ہو گئے۔ پہلے بالکل نہ تھے اور پھر بن گئے۔ ایسے ہی پیدا ہوا کہ مٹ جانے کے بعد دوبارہ بن جائیں گے۔ جب اللہ ہی ہر انسان کو پہلے اور ابتداء بناتا ہے تو وہی مرنے اور فنا ہونے کے بعد بھی بنا دے گا۔ تو یہ خیال کرنا سراسر نامعقول بات ہے کہ وہی خدا جس نے اس خلق کی ابتدا کی ہے اس کا اعادہ نہیں کر سکتا۔ اس کو مانو اور یقین کرو کہ تم سب اللہ کی قدرت سے دوبارہ پیدا ہو گے اور قیامت قائم ہوگی اور اس روز مجرم یعنی کفار و مشرکین اللہ کے سرکش اور نافرمان بندے سخت مایوسی کا شکار ہوں گے اور باز پرس کے وقت یہ ایسے حیران و ششدر ہوں گے کہ کوئی معقول بات ان سے نہ بن پڑے گی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں جو یبلس المجرمون فرمایا ہے یعنی مجرم اس روز حیرت زدہ اور ہکا بکا رہ جائیں گے تو یہاں مجرمین سے وہ سب لوگ مراد ہیں جنہوں نے خدا سے بغاوت کی ہے۔ اس کے رسولوں کی ہدایت اور تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ آخرت کی جواب دہی کے منکر یا اس سے بے فکر رہے ہیں اور دنیا میں خدا کے بجائے دوسروں کی یا اپنے نفس کی بندگی کرتے رہے ہیں۔ اس میں یہود و نصاریٰ بھی شامل ہیں جنہوں نے خدا کو مان کر۔ اس کے بعض رسولوں پر ایمان لا کر آخرت کا اقرار کر کے پھر دانستہ اپنے رب کی نافرمانیاں کی ہیں اور آخر وقت تک اپنی اس باغیانہ روش پر قائم رہے ہیں۔ یہ سب جب اپنی توقعات کے بالکل خلاف عالم آخرت میں یکا یک جی اٹھیں گے اور دیکھیں گے کہ واقعی یہاں تو وہ دوسری زندگی پیش آ گئی جس کا انکار کر کے یا جسے نظر انداز کر کے وہ دنیا میں کام کرتے رہے تھے تو ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے اور وہ کیفیت ان پر طاری ہوگی۔ جس کا نقشہ یبلس المجرمون میں پیش کیا گیا ہے۔ ابلاس کے معنی ہیں سخت مایوسی اور صدمہ کی بنا پر کسی شخص کا گم سم ہو جانا۔ امید کے سارے راستے بند پا کر حیران و ششدر رہ جانا۔ کوئی حجت نہ پا کر دم بخود رہ جانا۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں مجرم بننے سے ہم سب کو اپنی رحمت سے محفوظ و مامون فرما دیں۔ آمین۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو آج مشرکین نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں جب یہ وقت پر قیامت میں کام نہ آئیں گے تو منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین کے فرضی معبود اور شرکاء کا تین قسم کی ہستیوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

(۱) ایک ملائکہ۔ انبیاء۔ صالحین جن کو مختلف زمانوں میں مشرکین نے خدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دے کر ان کی بندگی کی۔ وہ قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ یہ سب کچھ ہماری مرضی کے بغیر بلکہ ہماری تعلیم و ہدایت کے سراسر خلاف کرتے رہے ہیں اس لئے ہم سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔

(۲) دوسری قسم ان بے شعور اور بے جان چیزوں کی ہے جیسے چاند۔ سورج۔ ستارے۔ درخت۔ پتھر وغیرہ جن کو مشرکین نے خدا بنایا اور ان کی پرستش کی۔ تو ظاہر ہے کہ ان بے شعور چیزوں میں سے کوئی بھی قیامت کے دن ان مشرکین کی امداد کے لئے آگے بڑھنے والا نہ ہوگا۔

(۳) تیسری قسم ان اکابر مجرمین کی ہے جنہوں نے خود کوشش کر کے۔ مکر و فریب سے کام لے کر جھوٹ کے جال پھیلا کر۔ طاقت کو استعمال کر کے دنیا میں خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائی۔ مثلاً شیاطین۔ جھوٹے مذہبی پیشوا۔ ظالم و جابر حکمران تو یہ قیامت میں خود گرفتار بلا ہوں گے اپنے متبعین کے لئے سفارش کرنے کو آگے بڑھنا تو درکنار ان کی الٹی کوشش یہ ہوگی کہ یہ لوگ خود اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں ان کی گمراہی کا وبال ہم پر نہ پڑنا چاہئے۔ آگے بتایا جاتا ہے کہ جس روز قیامت آئے گی اور آخرت

قائم ہوگی تو سب آدمی جدا جدا ہو جاویں گے اور الگ الگ گروہوں میں بٹ جاویں گے۔ یعنی دنیا کی وہ تمام جتھ بندیاں جو آج قوم۔ نسل۔ وطن۔ زبان۔ قبیلہ۔ برادری اور معاشی اور سیاسی مفاد کی بنا پر بنی ہوئی ہیں اس روز سب ٹوٹ جائیں گی اور خالص عقیدے۔ اعمال اور اخلاق و کردار کی بنا پر نئے سرے سے ایک دوسری گروہ بندی ہوگی ایک طرف تمام اگلی پچھلی قوموں میں سے مومن اور صالح انسان الگ چھانٹ لئے جائیں گے اور ان سب کا ایک گروہ ہوگا۔ دوسری طرف ایک ایک قسم کے گمراہانہ نظریات وعقائد رکھنے والے مجرمین چھانٹ چھانٹ کرالگ نکال لئے جاویں گے اور ان کے الگ الگ گروہ بن جائیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ انسانوں کو جوڑنے اور علیٰحدہ کرنے والی اصل چیز عقیدہ اور اعمال و اخلاق ہیں۔ ایمان لانے والے اور خدائی ہدایات پر نظام زندگی کو قائم رکھنے والے ایک امت اور ملت ہیں خواہ وہ دنیا کے کسی ملک اور کسی نسل سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ اسی طرح کفر وفسق کی راہ اختیار کرنے والے ایک امت ہیں خواہ ان کا تعلق کسی نسل ملک اور وطن سے ہو ابوجہل۔ ابولہب اور دوسرے سرداران قریش بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر یہ الزام رکھتے تھے کہ (نعوذ باللہ) انہوں نے ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ قرآن مجید یہاں متنبہ کررہا ہے کہ تمہاری یہ تمام جتھ بندیاں جو دنیا میں تم نے غلط بنیادوں پر قائم کررکھی ہیں آخرکار ٹوٹ جانے والی ہیں اور قیامت میں کام آنے والی نہیں سوائے اس جتھ بندی کے کہ جو عقیدے اور اعمال واخلاق صالحہ کی بنا پر ہو۔

الغرض نیک و بد ہر قسم کے لوگ آخرت میں الگ الگ کردیئے جائیں گے اور علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیئے جائیں گے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو صاحب ایمان ہوں گے اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بھی کئے ہوں گے وہ انعام واکرام سے نوازے جائیں گے اور ہر قسم کی لذت اور سرور سے بہرہ اندوز ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہے اور اللہ کی آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ہے وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کے نتیجہ میں فی روضۃ یحبرون فرمایا یعنی وہ ایک باغ میں شادان وفرحان رکھے جائیں گے لیکن کفر کا انجام بد بیان کرتے ہوئے عمل بد کا کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفر بجائے خود آدمی کے انجام کو خراب کردینے کے لئے کافی ہے خواہ مزید اعمال بد کی خرابی اس کے ساتھ شامل ہو یا نہ ہو لیکن بہشت کے باغ میں مسرور ہو کر پہنچنے کے لئے محض ایمان کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ایمان اور عمل صالح دونوں کو آخرت کی کامیابی کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ صرف یہیں نہیں بلکہ قرآن مجید میں کثرت سے بہت سے مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا ان دونوں سے مل کر وہ زندگی بنتی ہے جو ہمارے پیدا کرنے والے کو مطلوب اور محبوب ہے اور ایسی ہی زندگی گزارنے والوں کے لئے آخرت میں اللہ کی رحمت مغفرت اس کے فضل و بخشش اور نعمائے جنت کی بشارتیں ہیں۔ الغرض ایمان وعمل صالح کی فضیلت بیان فرما کر آگے ایمان اور عمل صالح کی ترغیب ہے۔ جس کا بیان ان شاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور قیامت میں اپنے مومنین۔ مخلصین اور مقبولین بندوں کے گروہ میں ہم کو شامل فرمائیں اور ان کے ساتھ اپنی جنت کے باغات میں ہمیں بھی شاداں وفرحان داخل ہونا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اس دنیا میں ہمیں ایمان وعمل صالح والی زندگی نصیب فرما اور ان تمام اعمال بد واحوال بد سے بچا کر جو آخرت میں باعث ذلت ورسوائی ہوں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝۱۷ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا

سوتم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمانوں وزمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت وہ جاندار کو بے جان

وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝۱۸ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ

سے باہر لاتا ہے اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے اور زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝۱۹ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ

اور اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے اور اسی کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تھوڑے ہی دنوں بعد تم

بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝۲۰ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ

آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے

بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی اس میں اُن لوگوں کے لئے قدرت کی نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

فَسُبْحٰنَ پس پاکیزگی (بیان کرو)	اللّٰهِ اللہ	حِيْنَ جب	تُمْسُوْنَ تم شام کروشام کے وقت	وَحِيْنَ اور جب	تُصْبِحُوْنَ تم صبح کرو (صبح کے وقت		
وَلَهُ اوراس کیلئے	الْحَمْدُ تمام تعریفیں	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اورزمین	وَعَشِيًّا اور بعد زوال (تیسرے پہر)	وَحِيْنَ اور جب		
تُظْهِرُوْنَ تم ظہر کرتے ہو	يُخْرِجُ وہ نکالتا ہے	الْحَيَّ زندہ	مِنَ الْمَيِّتِ مردے سے	وَيُخْرِجُ اور نکالتا ہے وہ	الْمَيِّتَ مردہ	مِنَ الْحَيِّ زندہ سے	
وَيُحْيِ اور وہ زندہ کرتا ہے	الْاَرْضَ زمین	بَعْدَ بعد	مَوْتِهَا اس کا مرنا	وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح	تُخْرَجُوْنَ تم نکالے جاؤگے	وَ اور	
مِنْ اٰيٰتِهٖ اسکی نشانیوں سے	اَنْ کہ	خَلَقَكُمْ اس نے پیدا کیا تمہیں	مِنْ سے	تُرَابٍ مٹی	ثُمَّ پھر	اِذَآ اَنْتُمْ ناگہاں تم	بَشَرٌ آدمی
تَنْتَشِرُوْنَ پھیلے ہوئے	وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اوراس کی نشانیوں سے	اَنْ کہ	خَلَقَ اس نے پیدا کیا	لَكُمْ تمہارے لئے	مِنْ اَنْفُسِكُمْ تمہاری جنس سے		
اَزْوَاجًا جوڑے	لِتَسْكُنُوْٓا تاکہ تم سکون حاصل کرو	اِلَيْهَا اسکی طرف پاس	وَجَعَلَ اور اس نے کیا	بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان	مَوَدَّةً محبت		
وَرَحْمَةً اورمہربانی	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشاں	لِّقَوْمٍ ان لوگوں کے لئے	يَّتَفَكَّرُوْنَ وہ فکر کرتے ہیں		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے دن تمام انسان الگ الگ گروہوں میں اپنے عقیدہ اور اعمال کے لحاظ سے بٹ جائیں گے۔ ان میں جو صاحب ایمان اور عمل صالح والے ہوں گے وہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر وشرک اختیار کیا یعنی اللہ کی باتوں کو جھوٹا کہا اور آخرت کے آنے پر یقین نہ کیا وہ سب جہنم میں پھینکے جائیں گے۔ تو جبکہ ایمان اور عمل صالح کا انجام اور کفر وتکذیب کا انجام ظاہر کر دیا گیا تو اب ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب ایمان وعمل صالح کی فضیلت تم کو معلوم ہو گئی اور تم جنت میں جانا چاہتے ہو تو تم اللہ پاک کی عبادت اختیار کرو جو دل، زبان اعضاء وجوارح سب سے ہوتی ہے اور عبادتوں میں نماز اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جس میں تینوں قسم یعنی دل۔ زبان اور اعضاء کی یاد جمع کر دی گئی ہے۔ تو تم صبح وشام اور پچھلے وقت اور دوپہر کے وقت اللہ کی پاکی وبڑائی بیان

کیا کرو۔ یہی اوقات فرض نماز کے ہیں۔ صبح وشام میں فجر۔ مغرب اور عشا کی نماز آ گئی۔ پچھلے وقت میں عصر کی نماز اور دوپہر ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز آ گئی۔ اس لئے یہی پانچ وقت یعنی فجر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشاء اللہ کی عبادت یعنی نماز کے مقرر ہوئے۔ ان اوقات میں حق کی عظمت وقدرت اور رحمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں اس لئے عبادت کے خاص اوقات یہی مقرر کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام چونکہ ملت ابراہیمی ہے اس لئے عبادت کے خاص اوقات وہی مقرر کئے گئے جن میں اس دنیا کے سب سے بڑے روشن اور چمکدار کرہ یعنی آفتاب عالم تاب کی حالت کو متغیر ہوتے دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے معبود ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ آفتاب کے اندر نمایاں تغیر صبح وشام میں ظاہر ہوتے ہیں اور دوپہر ڈھلنے یعنی زوال کے وقت اور دن کے آخری حصہ یعنی عصر کے وقت بھی اس کی حالت میں تبدیلی ہوتی ہے۔ گویا اس آفتاب کے عجز وبیچارگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہ ہو تو روشنی غائب۔ دوپہر ڈھلنے پر اس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی۔ عصر کے وقت اس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آ گیا اور غروب کے بعد اس کی نورانی شعاعوں سے اسکے پجاری بالکل محروم ہو گئے اور پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہو گئی تو روشنی کا کوئی ادنیٰ ترین نشان بھی باقی نہ رہا۔ اس لئے موحدین کو ان اوقات میں دل وزبان اور بدن کی حرکت وسکنات یعنی نماز کے ذریعہ اللہ کے معبود حقیقی ہونے کا اقرار اور اس کی عظمت اور بڑائی کے اظہار اور اس کی قدرت ویکتائی کے اعتراف کے لئے خاص طور پر یہی اوقات مقرر ہوئے اور نماز کی ابتداء جو اللہ اکبر سے ہوتی ہے یہ اس بات کا اقرار ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ساری بڑائی۔ خوبی ثنا اور صفت اللہ ہی کے لئے ہے اور کوئی مجبور اور عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آگے حق تعالیٰ اپنی قدرت۔ حکمت اور صنعت کو جتلاتے ہیں کہ اس اللہ کی قدرت کو دیکھو جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے۔ مثلاً جاندار انسان کو بے جان نطفہ سے نکالتا ہے۔ بے جان نطفہ کو جاندار انسان سے نکالتا ہے یا زندہ جانور کو مردہ انڈے سے اور مردہ انڈے کو زندہ جانور سے۔ بعض مفسرین نے یہاں زندہ سے مراد مومن اور مردہ سے مراد کافر بھی لئے ہیں یعنی یہ اسی کی قدرت ہے کہ مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے پیدا کرتا ہے۔ پھر زمین جب خشک ومردہ ہو جاتی ہے تو بارانِ رحمت نازل کر کے مردہ زمین کو زندہ یعنی سرسبز تر و تازہ اور شاداب بنا دیتا ہے۔ غرض موت وحیات حقیقی ہو یا مجازی۔ حسی ہو یا معنوی سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اسی طرح وہ انسان کو اس کے مر جانے کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ کر دے گا۔ گویا مادہ پرست منکرین کو قرآن بتلاتا ہے کہ جس شے کو تم ناممکن کہہ رہے ہو کہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا کیسے ممکن ہے تو اس کی نظیریں اور مثالیں اس زندگی میں اپنی آنکھ سے ہر روز دیکھتے ہو پھر بھی قیامت کے عدم امکان پر جمے ہوئے ہو۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی بعض نشانیاں بیان کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کائنات نہ بے خدا ہے اور نہ اس کے بہت سے خدا ہیں بلکہ اس کا مالک خالق مدبر اور فرمانروا صرف ایک تنہا خدا ہے اس لئے اس کے سوا انسانوں کا کوئی معبود بھی نہ ہونا چاہئے۔ یہاں سے مسلسل حق تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیوں کو یکے بعد دیگرے بیان فرماتے ہیں پہلی نشانی یہ بیان فرمائی کہ سب سے اول آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر انہی کے اندر سے ان کا جوڑا نکالا اور ان سے پھر نسل انسانی دنیا میں پھیلائی۔ دوسری قدرت کی نشانی یہ بیان فرمائی کہ اس نے تمہارے فائدے کے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان سے چین وسکون حاصل ہو اور پھر ان دونوں میاں بیوی میں اللہ تعالیٰ نے ایک فطری محبت اور لگاؤ پیدا فرما دیا جس سے آپس میں محبت اور ہمدردی قائم رہتی ہے۔

ابھی آگے مزید قدرت کی نشانیوں کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اور اُسی کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے، اس میں دانشمندوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ

اور اُسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے، اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ

اُن لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے

مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اُسی سے زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے، اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ

اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان و زمین اُسی کے حکم سے قائم ہیں پھر جب تم کو پکار کر زمین میں سے بلا دے گا

اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا

تو تم یک بارگی نکل پڑو گے۔ اور جتنے آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں سب اُسی کے ہیں، سب اُسی کے تابع ہیں اور وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک زیادہ آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے،

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع

اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

وَ اور	مِنْ اٰيٰتِهٖ اس کی نشانیوں سے	خَلْقُ اس نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمان (جمع)	وَالْاَرْضِ اور زمین	وَاخْتِلَافُ اور مختلف ہونا
اَلْسِنَتِكُمْ تمہاری زبانیں	وَاَلْوَانِكُمْ اور تمہارے رنگ	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّلْعٰلِمِيْنَ عالموں (دانشمندوں) کیلئے
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اور اسکی نشانیوں سے	مَنَامُكُمْ تمہارا سونا	بِالَّيْلِ رات میں	وَالنَّهَارِ اور دن	وَابْتِغَاۗؤُكُمْ اور تمہارا تلاش کرنا	مِّنْ فَضْلِهٖ اس کے فضل سے
اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	يَّسْمَعُوْنَ وہ سنتے ہیں	وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اور اسکی نشانیوں سے
يُرِيْكُمُ وہ دکھاتا ہے تمہیں	الْبَرْقَ بجلی	خَوْفًا خوف	وَّطَمَعًا اور امید کیلئے	وَّيُنَزِّلُ اور وہ نازل کرتا ہے	مِنَ السَّمَاۗءِ آسمان سے
مَاۗءً پانی	فَيُحْيٖ بِهٖ پھر زندہ کرتا ہے اس سے	الْاَرْضَ زمین	بَعْدَ مَوْتِهَا اس کے مرنے کے بعد	اِنَّ بیشک	فِيْ ذٰلِكَ اس میں

لَاٰیٰتٍ البتہ نشانیاں	لِّقَوْمٍ ان لوگوں کیلئے	یَّعْقِلُوْنَ عقل سے کام لیتے ہیں	وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اوراس کی نشانیوں سے	اَنْ کہ	تَقُوْمَ قائم ہیں	
السَّمَآءُ آسمان	وَالْاَرْضُ اورزمین	بِاَمْرِہٖ اس کے حکم سے	ثُمَّ پھر	اِذَا دَعَاکُمْ جب وہ تمہیں بلائے گا	دَعْوَۃً ایک ندا	مِّنَ الْاَرْضِ زمین سے
اِذَآ اَنْتُمْ یکبارگی تم	تَخْرُجُوْنَ نکل آؤ گے	وَلَہٗ اوراس کے لئے	مَنْ جو	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اورزمین میں	کُلٌّ لَّہٗ سب اسی کیلئے
قٰنِتُوْنَ فرمانبردار	وَھُوَ الَّذِیْ اوروہی ہے جو	یَبْدَؤُا پہلی بار پیدا کرتا ہے	الْخَلْقَ خلقت	ثُمَّ یُعِیْدُہٗ پھراس کو دوبارہ پیدا کریگا	وَھُوَ اوروہ (یہ)	
اَھْوَنُ بہت آسان	عَلَیْہِ اس پر	وَلَہُ اوراسی کیلئے	الْمَثَلُ شان	الْاَعْلٰی بلندتر	فِی السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ اورزمین
	وَھُوَ اوروہ	الْعَزِیْزُ غالب	الْحَکِیْمُ حکمت والا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض قدرت کی نشانیوں کو بیان فرمایا تھا جس سے یہ جتلانا مقصود تھا کہ جب اس کی ایسی قدرت ہے تو پھر انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ قیامت میں پیدا کردینا کیا مشکل ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید قدرت کی نشانیوں کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے آسمان بنائے اور زمین پیدا کی یعنی ان کا عدم سے وجود میں لانا۔ پھر ایک اٹل ضابطہ پر ان کو قائم رکھنا۔ اور بے شمار قوتوں کا ان کے اندر انتہائی تناسب اور توازن کے ساتھ کام کرنا۔ آسمان کا اس قدر بلند اور کشادہ ہونا۔ پھر اس میں لاتعداد ستاروں اور سیاروں کا موجود ہونا جن میں بعض کا چلنا پھرنا ہونا اور بعض کا ایک جا ثابت رہنا۔ زمین کو ایک ٹھوس کثیف شکل میں بنانا پھر اس میں پہاڑ۔ میدان۔ جنگل۔ دریا۔ سمندر۔ ٹیلے۔ پتھر۔ درخت وغیرہ جمانا۔ یہ سب اس کی زبردست قدرت کی نشانی ہے۔ پھر اس دنیا میں لاتعداد آدمی پیدا ہوئے اور ہورہے ہیں لیکن ہر انسان کا رنگ روپ اور نقشہ الگ الگ ہے اور ہر ایک کا لب ولہجہ بھی جدا ہے۔ باوجود یکہ سب کے قویٰ یکساں ہیں نہ منہ اور زبان کی ساخت میں کوئی فرق ہے۔ نہ جسم اور دماغ کی ساخت میں کوئی فرق مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا لب ولہجہ بول چال۔ تلفظ۔ طرز تکلم بالکل یکساں ہو۔ جس طرح ہر آدمی کی شکل صورت اور رنگت وغیرہ دوسرے سے ممتاز ہے ایسا ہی آواز۔ لب ولہجہ بھی بالکل الگ ہے لاکھوں آدمی اگر جمع ہوجائیں۔ ایک ملک کے۔ ایک زبان کے ایک کنبہ قبیلہ کے لیکن ناممکن ہے کہ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی اختلاف موجود نہ ہو حالانکہ اعضائے جسمانی کے اعتبار سے سب یکساں ہیں سب کے ایک منہ۔ دو آنکھیں۔ ایک ناک دو کان ایک پیشانی۔ دو ہونٹ۔ دو ہاتھ دو پیر وغیرہ وغیرہ موجود ہیں تاہم ایک سے ایک علیحدہ ہے۔ تو یہ کتنا بڑا نشان حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ہے۔ آگے حق تعالیٰ اپنی قدرت کی ایک دوسری نشانی بیان فرماتے ہیں کہ انسان کے سونے اور آرام کرنے کے لئے رات بنائی اور کام کرنے کے لئے دن بنایا۔ انسان دنیا میں مسلسل محنت نہیں کرسکتا بلکہ چند گھنٹوں کی محنت کے بعد اسے چند گھنٹوں کا آرام درکار ہوتا ہے تاکہ پھر چند گھنٹے محنت کرنے کے لئے اسے قوت بہم پہنچ جائے۔ اس غرض کے لئے اس قادر مطلق نے ''نیند'' پیدا فرمائی جس سے تکان دور ہوجاتی ہے اور راحت وسکون حاصل ہوتا ہے اس لئے سونے کے لئے قدرت نے رات بنادی اور کام کاج وتلاش معاش کے لئے دن کو پیدا کردیا جو رات کے بالکل خلاف ہے جس میں انسان اللہ کی دی ہوئی قوتوں سے کام لے کر اللہ کا فضل تلاش کرسکتا ہے۔ یقیناً سوچنے اور سمجھنے والوں کے لئے یہ چیزیں نشان قدرت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت پر دلالت کرنے والی ایک اور نشانی بیان کی جارہی ہے۔ کہ آسمان پر اس کے حکم سے بجلی کوندتی ہے۔

اس کی گرج اور چمک سے لوگوں کو امید بھی بندھتی ہے کہ بارش ہوگی۔ فصلیں تیار ہوں گی مگر ساتھ ہی خوف بھی لاحق ہوتا ہے کہ کہیں بجلی نہ گر پڑے یا ایسی طوفانی بارش نہ ہوجائے جو سب کچھ بہالے جائے اور جان و مال تلف ہوں۔ پھر اللہ کی رحمت سے مینہ برستا ہے۔ سوکھی اور مرجھائی ہوئی زمین دوبارہ تر و تازہ ہوجاتی ہے اور گویا مردہ زمین میں پھر جان پڑتی ہے۔ زمین کی بے شمار مخلوقات کے رزق کا انحصار اس پیداوار پر ہے جو زمین سے نکلتی ہے۔ اور اس پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیت پر ہے اور اس صلاحیت کے روبکار آنے کا انحصار بارش پر ہے۔ خواہ وہ براہ راست زمین پر برسے یا اس کے ذخیرے سطح زمین پر جمع ہوں۔ یا زیر زمین چشمہ اور کنوؤں کی شکل اختیار کریں۔ یا پہاڑوں پر برف جم کر دریاؤں کی شکل میں بہیں۔ پھر اس بارش کا انحصار سورج کی گرمی۔ موسموں کا ردو بدل۔ ہواؤں کی گردش فضائی حرارت و برودت وغیرہ وغیرہ پر ہے۔ گویا زمین سے لے کر آسمان تک بے شمار مختلف چیزوں کے درمیان ربط و مناسبت قائم کرنا یہ اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے اور یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

آگے قدرت کی عظیم الشان نشانیوں میں سے ایک نشانی اور بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ یعنی صرف یہی نہیں کہ وہ اس کے حکم سے ایک دفعہ وجود میں آ گئے بلکہ ان کا مسلسل قائم رہنا بھی اسی کے حکم کی بدولت ہے ایک لحہ کے لئے بھی اگر اس کا حکم انہیں برقرار نہ رکھے تو یہ سارا نظام یک لخت درہم برہم ہوجائے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے اس خدا کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین ٹھہرے ہوئے ہیں یہ اسی کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ یہ آسمان و زمین اس کے حکم اور ارادہ سے قائم ہیں۔ جس وقت دنیا کی میعاد پوری ہوجائے گی تو وہ اپنی قدرت سے پھر زمین و آسمان کو بدل دے گا۔ مردے اپنی قبروں سے زندہ کرکے نکالے جاویں گے اور یہ اس قدرت والے کے لئے کوئی بڑا کام نہیں کہ جس کے لئے کوئی بڑی تیاری کرنی پڑے بلکہ اس کی صرف ایک پکار اس کام کے لئے کافی ہوگی کہ شروع دنیا سے آخر دنیا تک جتنے انسان پیدا ہوئے ہوں وہ سب ایک ساتھ زمین کے چپہ چپہ اور گوشے گوشے سے نکل کھڑے ہوں گے اور میدان حشر کی طرف چل پڑیں گے۔

تو ان دلائل کی قدرت سے معلوم ہوگیا کہ آسمان و زمین کے رہنے والے سب اسی کے مملوک بندے اور اس کی رعیت ہیں۔ کس کی طاقت ہے کہ اس کے حکم تکوینی سے سرتابی کرسکے۔ آخرکار سب اس کی گرفت میں پکڑے جائیں گے اور سب اس کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوں گے اس کی اس قدرت کاملہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اللہ ہی نے سب کو اول بار پیدا کیا اور وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ قدرت الٰہی کے سامنے تو یہ سب برابر ہے لیکن اے منکرین تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اول بار پیدا کرنے سے دوسری بار دہرا دینا آسان ہونا چاہئے۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ اول پیدائش پر تو اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو بعید سمجھو۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کی شان و صفات اور قدرت کا کسی اور آسمانی یا زمینی مخلوق سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی شان سب سے بلند ہے۔ اور اس کی صفات سب سے نرالی ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور اونچی سے اونچی شان اسی کی ہے۔ وہی زبردست قادر مطلق ہے اور زبردست حکمت والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کفار و مشرکین جو وقوع آخرت سے انکار کرتے تھے تو اس کے ثابت کرنے کے لئے دلائل قدرت بیان فرمائے گئے کہ جو یہ سب امور اپنی قدرت سے واقع کرسکتا ہے تو اس کے قیامت واقع کرنے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھانا اس کے لئے کیا مشکل بات ہے جس کا کفار انکار کرتے ہیں۔ اس میں قدرت کے ساتھ ساتھ توحید کا بھی بیان آ گیا۔

آگے اسی مضمون توحید کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ

اللہ تعالیٰ تم سے ایک مضمون عجیب تمہارے ہی حالات میں سے بیان فرماتے ہیں کیا تمہارے غلاموں میں کوئی شخص تمہارا اُس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے

مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

شریک ہے کہ تم اور وہ اُس میں برابر ہوں اور تم ان کا ایسا ہی خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس کا خیال کیا کرتے ہو؟ ہم اسی طرح سمجھداروں کیلئے دلائل صاف صاف بیان کرتے رہتے ہیں۔

لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ

بلکہ ان ظالموں نے بلا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے، سو جس کو خدا گمراہ کرے اُس کو کون راہ پر لاوے

اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ

اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ سو تم یک سو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے،

فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیے پس سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ضَرَبَ اس نے بیان کی	لَكُمْ تمہارے لئے	مَثَلًا ایک مثال	مِنْ سے	اَنْفُسِكُمْ تمہاری جانیں (حال)	هَلْ لَكُمْ کیا تمہارے لئے		
مِنْ سے	مَا مَلَكَتْ جو مالک ہوئے	اَيْمَانُكُمْ تمہارے داہنے ہاتھ (غلام)	مِنْ شُرَكَاۗءَ کوئی شریک	فِيْ میں	مَا رَزَقْنٰكُمْ جو ہم نے تمہیں رزق دیا		
فَاَنْتُمْ سو (تاکہ) تم	فِيْهِ اس میں	سَوَاۗءٌ برابر	تَخَافُوْنَهُمْ (کیا) تم ان سے ڈرتے ہو	كَخِيْفَتِكُمْ جیسے تم ڈرتے ہو	اَنْفُسَكُمْ اپنی جانیں (اپنوں سے)		
كَذٰلِكَ اسی طرح	نُفَصِّلُ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں	الْاٰيٰتِ نشانیاں	لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ عقل والوں کیلئے	بَلْ بلکہ	اتَّبَعَ پیروی کی		
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا جن لوگوں نے ظلم کیا (ظالم)	اَهْوَاۗءَهُمْ اپنی خواہشات	بِغَيْرِ عِلْمٍ علم کے بغیر (بے جانے)	فَمَنْ يَّهْدِيْ تو کون ہدایت دے گا				
مَنْ جسے	اَضَلَّ اللّٰهُ گمراہ کرے اللہ	وَمَا اور نہیں	لَهُمْ ان کیلئے	مِنْ کوئی	نّٰصِرِيْنَ مددگار	فَاَقِمْ پس سیدھا رکھو تم	وَجْهَكَ اپنا چہرہ
لِلدِّيْنِ دین کیلئے	حَنِيْفًا یک رخ ہوکر	فِطْرَتَ اللّٰهِ فطرت اللہ کی	الَّتِيْ جو (جس)	فَطَرَ النَّاسَ لوگوں کو پیدا کیا اس نے	عَلَيْهَا اس پر		
لَا تَبْدِيْلَ تبدیلی نہیں	لِخَلْقِ اللّٰهِ اللہ کی خلق میں	ذٰلِكَ یہ	الدِّيْنُ الْقَيِّمُ دین سیدھا	وَلٰكِنَّ اور لیکن	اَكْثَرَ النَّاسِ اکثر لوگ	لَا يَعْلَمُوْنَ وہ جانتے نہیں	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وہ کھلی کھلی نشانیاں بیان ہوئی تھیں کہ جن میں اس کے خالق ورازق۔ قادر مطلق۔ واحد و یکتا اور قابل حمد وستائش ہونے کے دلائل موجود تھے۔ اور ان ہی دلائل سے یہ بھی ثابت کیا گیا تھا کہ آخرت کا آنا یقینی ہے۔ تو اگرچہ گذشتہ آیات میں بیان کردہ نشانیوں میں توحید کے دلائل بھی موجود تھے اور وہ ردشرک کے لئے کافی تھے کہ عالم میں اور کوئی نہ اس کے برابر ہے نہ کوئی اس کا شریک وساجھی ہے پھر بھی شرک کی مذمت وبطلان اور زیادہ واضح کرنے کے لئے ایک مثال بیان فرمائی جاتی ہے اور ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہی احوال میں سے ایک مثال نکال کر بیان فرماتے ہیں اور وہ یہ کہ غور کرو کہ کیا تمہارے وہ لونڈی غلام جو تمہاری ملکیت ہیں وہ تمہارے مال ودولت میں برابر کے شریک ہوسکتے ہیں یعنی باعتبار

اختیارات وتصرفات کیا تم ان کو اپنے برابر کا شریک تسلیم کر سکتے ہو۔ظاہر ہے کہ کوئی مالک اس کے لئے تیار نہ ہوگا کہ اس کا غلام اس کی دولت میں برابر کا شریک بن جائے۔تو سمجھنا چاہئے کہ جب ایک مجازی مالک کا یہ حال ہے کہ غلام تو آقا کی ملک میں شریک نہ ہو سکے حالانکہ دونوں غلام اور آقا خدا کی مخلوق ہیں اور اسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ پھر خدا کی پیدا کی ہوئی کائنات میں خدا کی پیدا کردہ مخلوق کو بلکہ مخلوق در مخلوق کو خالق کی خدائی میں کیسے شریک ٹھہراتے ہو۔ایسی مہمل بات کوئی عقلمند قبول نہیں کر سکتا۔آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ بے انصاف ایسی صاف اور واضح باتوں کو کیونکر سمجھیں۔وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اپنی خواہشات اور باطل گمان کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔تو جب کوئی شخص سیدھی سیدھی عقل کی بات نہ خود سوچے اور نہ کسی کے سمجھانے سے سمجھنے کے لئے تیار ہو تو پھر اسکی عقل پر اللہ کی پھٹکار پڑ جاتی ہے جس کے بعد ہر وہ چیز جو کسی معقول آدمی کو حق بات تک پہنچنے میں مدد دے سکتی ہے وہ اس ضدی جہالت پسند انسان کو الٹی مزید گمراہی میں مبتلا کرتی چلی جاتی ہے اور حق سمجھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔اب جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے جہل و بے انصافی اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی تو اور کون سی طاقت ہے جو اسے سمجھا کر راہ حق پر لے آئے یا مدد کر کے گمراہی اور تباہی سے بچالے۔تو اے مخاطبین جب تم پر یہ حقیقت واضح ہوگئی تو تم میں سے ہر ہر شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم ادیان باطلہ سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہو اور اس کے سچے دین کو پوری توجہ یکجہتی سے تھامے رکھو اور کسی دوسری طرف کا رخ نہ کرو۔یعنی تمہاری فکر اور سوچ ہو تو وہی جو دین چاہتا ہے۔تمہاری پسند اور ناپسند ہو تو وہی جو قرآن کہتا ہے۔تمہاری رضا اور رغبت ہو تو وہی جو اسلام چاہتا ہے۔تمہاری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات چلیں تو اسی طریقہ پر جو اسلام نے تمہیں بتائے ہیں۔یہ نہیں کہ دعویٰ تو ہو دین اسلام کا اور اتباع ہو روس وامریکہ اور یہود ونصاریٰ کا۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ نے ہر شخص میں خلقۃً یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر حق کو سننا اور سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آجاتا ہے۔اسی مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس طرح واضح فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بچہ جو کسی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اصل انسانی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔یہ ماں باپ ہیں جو اسے بعد میں عیسائی، یہودی یا مجوسی وغیرہ بناڈالتے ہیں۔ایک دوسری حدیث میں روایت ہے کہ ایک جنگ میں مسلمانوں نے دشمنوں کے بچوں تک کو قتل کردیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا "لوگوں کو کیا ہوگیا کہ آج وہ حد سے گزر گئے اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ مشرکین کے بچے نہ تھے؟ آپ نے فرمایا تمہارے بہترین لوگ مشرکین ہی کی تو اولاد ہیں۔پھر ارشاد فرمایا کہ خبردار بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی زبان کھلنے پر آتی ہے تو ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنالیتے ہیں۔ایک اور حدیث میں روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ کے دوران میں فرمایا "میرا رب فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف پیدا کیا تھا۔پھر شیاطین نے آکر انہیں دین سے گمراہ کیا اور جو کچھ میں نے ان کے لئے حلال کیا تھا اسے حرام کیا اور انہیں ان شیاطین نے حکم دیا کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرائیں جن کے شریک ہونے پر میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔"

الغرض یہاں بتلایا جاتا ہے کہ اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق۔ تغیر وتبدل نہیں پس اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے اس کو بگاڑنا اور مسخ کرنا درست نہیں۔پس سیدھا راستہ دین کا یہی ہے لیکن اکثر لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے اس لئے اس دین حق کا اتباع نہیں کرتے۔

ابھی آگے اسی دین حنیف۔دین قیم اور فطرت الٰہیہ کے اتباع کی تلقین کا مضمون جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

3

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا

تم خدا کی طرف رجوع ہوکر فطرت الٰہیہ کا اتباع کرو اس سے ڈرو اور نماز کی پابندی کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا

دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا

اور بہت سے گروہ ہوگئے ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو اُن کے پاس ہے۔ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو اُسی کی طرف

رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ

رجوع ہوکر پکارنے لگتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھادیتا ہے تو بس ان میں سے بعضے لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں

يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٙ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا

جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کرتے ہیں سو چند روز اور حظ حاصل کرلو پھر جلدی تم معلوم کرلو گے کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے

فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

کہ وہ ان کو خدا کے ساتھ شرک کرنے کو کہہ رہی ہے۔ اور جب ہم لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھادیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر ان کے ان اعمال کے بدلے

سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کرچکے ہیں ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو وہ لوگ ناامید ہوجاتے ہیں کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے

وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور جس کو چاہے کم دیتا ہے اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

مُنِيْبِيْنَ رجوع کرنے والے	اِلَيْهِ اس کی طرف	وَاتَّقُوْهُ اور تم ڈرو اس سے	وَاَقِيْمُوا اور قائم رکھو تم	الصَّلٰوةَ نماز	وَلَا تَكُوْنُوْا اور نہ ہو تم	
مِنَ سے	الْمُشْرِكِيْنَ شرک کرنے والے	مِنَ ان میں (سے)	الَّذِيْنَ جنہوں نے	فَرَّقُوْا ٹکڑے ٹکڑے کرلیا	دِيْنَهُمْ اپنا دین	وَ اور
كَانُوْا ہوگئے	شِيَعًا فرقے فرقے	كُلُّ حِزْبٍ سب گروہ	بِمَا اس پر	لَدَيْهِمْ ان کے پاس	فَرِحُوْنَ خوش ہیں	وَاِذَا اور جب
مَسَّ النَّاسَ پہنچتی ہے لوگوں کو	ضُرٌّ کوئی تکلیف	دَعَوْا وہ پکارتے ہیں	رَبَّهُمْ اپنے رب کو	مُنِيْبِيْنَ رجوع کرتے ہوئے		
اِلَيْهِ اس کی طرف	ثُمَّ اِذَا پھر جب	اَذَاقَهُمْ وہ انکو چکھادیتا ہے	مِنْهُ اپنی طرف سے	رَحْمَةً رحمت	اِذَا ناگہاں	فَرِيْقٌ ایک گروہ
مِنْهُمْ ان میں سے	بِرَبِّهِمْ اپنے رب کے ساتھ	يُشْرِكُوْنَ شریک کرنے لگتے ہیں	لِيَكْفُرُوْا کہ ناشکری کریں	بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ اس کی جو ہم نے انہیں دیا		
فَتَمَتَّعُوْا سو فائدہ اٹھالو تم	فَسَوْفَ پھر عنقریب	تَعْلَمُوْنَ تم جان لوگے	اَمْ اَنْزَلْنَا کیا ہم نے نازل کی	عَلَيْهِمْ ان پر	سُلْطٰنًا کوئی سند	
فَهُوَ يَتَكَلَّمُ کہ وہ بتلاتی ہے	بِمَا وہ جو	كَانُوْا ہیں	بِهٖ اسکے ساتھ	يُشْرِكُوْنَ شریک کرتے ہیں	وَاِذَا اور جب	اَذَقْنَا ہم چکھائیں
النَّاسَ لوگ	رَحْمَةً رحمت	فَرِحُوْا بِهَا تو وہ خوش ہوں اس سے	وَاِنْ اور اگر	تُصِبْهُمْ پہنچے انہیں	سَيِّئَةٌ کوئی برائی	بِمَا اسکے سبب جو

قَدَّمَتْ آگے بھیجا	اَیْدِیْھِمْ ان کے ہاتھ	اِذَا ھُمْ ناگہاں وہ	یَقْنَطُوْنَ مایوس ہوجاتے ہیں	اَوَ کیا	لَمْ یَرَوْا انہوں نے نہیں دیکھا
اَنَّ اللّٰہَ کہ اللہ	یَبْسُطُ کشادہ کرتا ہے	الرِّزْقَ رزق	لِمَنْ یَّشَآءُ جس کیلئے وہ چاہتا ہے	وَیَقْدِرُ اور تنگ کرتا ہے	اِنَّ بیشک
فِیْ ذٰلِكَ اس میں	لَاٰیٰتٍ البتہ نشانیاں	لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں شرک کی مذمت عقلی طور پر سمجھائی گئی تھی کہ یہ مشرکین جب اپنے مال دولت میں اپنے لونڈی غلاموں کو برابر کا نہیں سمجھتے تو اللہ کی مخلوق اور غلاموں کو اس کا برابر کا شریک کیسے ٹھہراتے ہیں؟ یہ ہٹ دھرمی اور بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے ظالم اور بے انصاف لوگوں کو جو جہالت کے اندھیرے میں اپنی خواہشات کے پیچھے الل ٹپ شتر بے مہار کی طرح دوڑے چلے جارہے ہیں۔ نہ سمجھانے والوں کو سنتے ہیں نہ اپنے خیر خواہوں کی طرف نظر اٹھاتے ہیں انہیں کون ہدایت کرسکتا ہے۔ جو اللہ کے احکام کو نہ سنے نہ دیکھے وہ گمراہ نہ ہوتو کیا ہو۔ ایسی حالت میں مخاطبین کو سمجھایا گیا تھا کہ تم ایسے ہوا پرست ظالموں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور اپنا منہ سیدھا دین حنیف یعنی اسلام کی طرف پوری توجہ سے رکھو اور بغیر ادھر ادھر مائل ہوئے دین کے سیدھے راستہ پر چلو اور فطرت الٰہی کو نہ بدلو اسی پر قائم رہو۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں دین فطرت کے چند اصول کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

پہلی چیز اتقا فرمائی یعنی خدا سے ڈرتے رہنا۔ اللہ کے ڈر سے گناہوں سے اور اس کی نافرمانی سے بچنا۔ کسی کی جان پر ظلم و زیادتی نہ کرنا۔ کسی کو دکھ اور رنج نہ پہنچانا۔

دوسری چیز اقامت صلوٰۃ فرمائی یعنی نماز قائم رکھنا اس کی پابندی کرنا۔

پہلی چیز اتقا یعنی خدا سے ڈرنا یہ تو ایک ذہنی اور قلبی کیفیت ہے اس کے استحکام کے لئے جسمانی عمل یعنی اقامت الصلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ آدمی کے ذہن اور دل اور دماغ میں جب تک کوئی خیال محض خیال کی حد تک رہتا ہے تو اس کے بدل جانے اور ماند پڑ جانے کا بھی احتمال رہتا ہے لیکن جب وہ اس خیال کے مطابق کام کرنے لگتا ہے تو وہ خیال اس کے اندر جڑ پکڑ لیتا ہے اور جوں جوں وہ اس پر عمل کرتا جاتا ہے اس کا استحکام بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے خوف خدا کو مستحکم کرنے کے لئے ہر روز پانچ وقت پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ نماز ایک ایسا عمل ہے جو ہر چند گھنٹوں کے بعد ایک ہی متعین صورت میں آدمی کو دائما کرنا ہوتا ہے اور اس میں ایمان واسلام کا وہ پورا سبق جو قرآن نے اسے پڑھایا ہے بار بار دہرانا ہوتا ہے تاکہ وہ اسے بھولنے نہ پائے۔

تیسری چیز شرک سے بیزاری اور مشرکین سے علیحدہ رہنا فرمایا گیا۔ یوں تو شرک کی تفصیل اور توضیح میں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں مختصراً شرک کی تعریف یہ ہے کہ:

''خدا تعالیٰ کی ذات اس کی صفات۔ اس کی عبادت اور اس کی حدود عظمت میں کسی اور کو شریک بنالینا۔''

قرآن و حدیث نے صاف صاف اعلان فرمایا ہے کہ کفر وشرک کا جرم ہرگز قابل معافی نہیں ہوگا۔ اس کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی اور خدائے تعالیٰ کی پاک جنت میں مشرک وکافر کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ قرآن پاک میں کھلا ہوا اعلان ہے ان اللہ **لا یغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشآء** بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ ہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔ الغرض دین فطرت کے تین اہم اصول یعنی اتقا خدا سے ڈرنا۔ نماز قائم رکھنا۔ شرک جلی وخفی سے بیزاری اور مشرکین سے علیحدہ رہنا بتلا کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان مشرکین نے دین فطرت

کے اصول سے علیحدہ ہوکر اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی۔ بہت سے فرقہ بن گئے۔ ہرایک کا عقیدہ الگ مذہب اور مشرب جدا۔ جس کسی نے غلط کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کردیا یا کوئی طریقہ ایجاد کرلیا ایک جماعت اس کے پیچھے ہوگئی۔ تھوڑے دن بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول و قواعد پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ جیسے بھلے کام ہر انسان کی فطرت پہچانتی ہے۔ اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ہر ایک کی فطرت جانتی ہے چنانچہ خوف اور سختی کے وقت اس کا اظہار ہوجاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے۔ اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں وہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی تھی مگر افسوس کہ انسان اس حالت میں دیر تک قائم نہیں رہتا۔ جہاں خدائی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے گیت گانے لگا۔ گویا اس کے پاس سب کچھ ان ہی کا دیا ہوا ہے۔ خدا نے کچھ نہیں دیا (العیاذ باللہ تعالیٰ) آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا چند دن اور مزے اڑالو آگے جاکر معلوم ہوجائے گا کہ اس کفر وناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ عقل سلیم اور فطرت انسانی کی شہادت شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے تو کیا اس کے خلاف یہ مشرکین کوئی سند وحجت رکھتے ہیں جو بتلاتی ہو کہ خدا کی خدائی میں دوسرے بھی اس کے شریک ہیں (معاذ اللہ) اگر نہیں تو انہیں معبود بننے کا استحقاق کہاں سے ہوا۔ ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جب اللہ کی مہربانی اور احسان سے عیش میں ہوں تو پھولے نہ سمائیں۔ ایسے اترانے لگیں اور آپے سے باہر ہوجائیں کہ محسن حقیقی کو بھی یاد نہ رکھیں اور کسی وقت شامت اعمال کی بدولت مصیبت کا کوڑا آ پڑا تو بالکل آس توڑ کر اور ناامید ہوکر بیٹھ رہیں گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کے دور کرنے پر قادر ہو۔ مومن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ عیش وراحت میں محسن حقیقی کو یاد رکھتا ہے۔ اس کے فضل پر خوش ہوکر دل وزبان سے شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں پھنس جائے تو صبر وتحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ کیسی ہی مصیبت ہو اور ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اس کے فضل سے سب فضا بدل جائے گی۔ ایمان اور یقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا بڑھانا گھٹانا سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا جو حال آئے بندہ کو صبر وشکر سے رضا بقضا رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گزار رہے اور ڈرتا رہے کہ کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وعنایت سے سختیوں کو دور فرمادے گا۔

اب جب فطرت کی شہادت سے بھی ثابت ہوگیا کہ مالک حقیقی ایک ہی ہے تو اب آگے اس مالک حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو ہر طرح کے شرک سے بچا کر فطرت الٰہیہ کے اتباع کی توفیق کاملہ نصیب فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو وہ ڈر اور خوف عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے رک جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح معنوں میں نمازوں کا قائم کرنے والا بنائیں اور دین حنیف کا اتباع ہم سب کو نصیب فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں۔ ان کی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہر حال میں ہم کو صبر اور شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫

پس قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی یہ اُن لوگوں کیلئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا

اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہوجاوے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝

اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہوگے تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

فَاٰتِ پس دو تم	ذَا الْقُرْبٰى قرابت دار	حَقَّهٗ اس کا حق	وَالْمِسْكِيْنَ اور محتاج	وَابْنَ السَّبِيْلِ اور مسافر	ذٰلِكَ یہ	خَيْرٌ بہتر	لِلَّذِيْنَ ان لوگوں کیلئے جو		
يُرِيْدُوْنَ وہ چاہتے ہیں	وَجْهَ اللّٰهِ اللہ کی رضا	وَاُولٰٓئِكَ اور وہی لوگ	هُمُ وہ	الْمُفْلِحُوْنَ فلاح پانے والے	وَمَآ اور جو	اٰتَيْتُمْ تم دو			
مِّنْ سے	رِّبًا سود	لِّيَرْبُوَا تاکہ بڑھے	فِيْٓ میں	اَمْوَالِ مال	النَّاسِ لوگ	فَلَا يَرْبُوْا تو نہیں بڑھتا	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے ہاں	وَمَآ اٰتَيْتُمْ اور جو تم دو	
مِّنْ سے	زَكٰوةٍ زکوٰۃ	تُرِيْدُوْنَ چاہتے ہوئے	وَجْهَ اللّٰهِ اللہ کی رضا	فَاُولٰٓئِكَ تو وہی لوگ	هُمُ وہ	الْمُضْعِفُوْنَ چند در چند کرنے والے			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات سے شرک کی مذمت اور توحید باری تعالیٰ کے اثبات کا مضمون بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔اسی سلسلہ میں دین حنیف دینِ فطرت اور دینِ قیم یعنی اسلام کی اتباع پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ کرنے کی تلقین گذشتہ آیات میں فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ اس دینِ فطرت کو چھوڑ کر لوگوں نے اپنا اپنا طریقہ الگ بنالیا اور بہت سے فرقے اور ادیان پیدا ہوگئے اور یہ سب فطرت کے خلاف ہیں۔انسانی فطرت میں ایک اللہ کی طرف رجوع کرنا داخل ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی ایسی مصیبت آتی ہے کہ جس میں ظاہری اسباب و ذرائع سب سے امید منقطع ہوجاتی ہے تو پھر اس کو سوائے اس کے کچھ نہیں سوجھتا کہ خالص ایک قادر مطلق کی طرف متوجہ ہوکر اس کو پکارنا شروع کردے تو معلوم ہوا کہ ایک اللہ کو ماننا اور اس کی طرف رجوع کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے تو جو اس کے خلاف چل رہا ہے وہ خلاف فطرت کام کررہا ہے۔پھر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ دنیا کی سختی نرمی۔روزی کا گھٹنا بڑھنا یہ سب اسی ایک رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔تو جب فطرت کی شہادت سے ثابت ہوگیا کہ حقیقی مالک و رب وہی ایک اللہ ہے دنیا کی نعمتیں سب اسی کی عطا کی ہوئی ہیں تو اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اس کی خوشنودی اور رضامندی چاہتے ہیں۔اور آخرت میں اس کی لقاء اور دیدار کے آرزومند ہیں۔انہیں چاہئے کہ اس مالک کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کریں۔غریب رشتہ داروں کی خبر لیں۔اہل قرابت کے حقوق درجہ بدرجہ ادا کرتے رہیں۔مسکین۔محتاج اور ناداروں کی بھی خبر رکھیں۔اور ان کے ساتھ احسان وسلوک کریں۔اور وہ مسافر جس کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو اس کے ساتھ بھی امداد و اعانت کرکے بھلائی کریں۔ایسے ہی بندوں کو دنیا اور آخرت کی بھلائی اور فلاح نصیب ہوگی۔

یہاں آیت فاٰت ذالقربی حقه والمسکین وابن السبیل میں لفظ حقہ قابل غور ہے۔یعنی یہ فرمایا کہ قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔یہ نہیں فرمایا کہ رشتہ دار مسکین کو خیرات دو بلکہ یہ فرمایا کہ یہ اس کا حق ہے جو تمہیں دینا

چاہیئے تو معلوم ہوا کہ کسی قرابت دار، مسکین یا مسافر کو کچھ دیتے ہوئے یہ خیال دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو میں اس پر کررہا ہوں بلکہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ مال کے مالک حقیقی نے اگر مجھے زیادہ دیا ہے اور دوسرے بندوں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زائد مال ان دوسروں کا حق ہے جو میری آزمائش کے لئے میرے ہاتھ میں دیا گیا تاکہ میرا مالک دیکھے کہ میں ان کا حق پہچانتا اور پہنچاتا ہوں یا نہیں پھر آگے یہ فرمایا واولئک ھم المفلحون اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ فلاح صرف مسکین ومسافر اور رشتہ دار کا حق ادا کرنے سے حاصل ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز حصول فلاح کے لئے درکار نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو لوگ ان حقوق کو نہیں پہچانتے اور نہیں ادا کرتے وہ فلاح پانے والے نہیں ہیں بلکہ فلاح پانے والے وہ ہیں جو خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے یہ حقوق پہچانتے اور ادا کرتے ہیں۔

اس ارشادِ الٰہی کی حقیقت پر غور کرنے سے ایک بات یہ بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ قرآن کریم انسان کے لئے جو اخلاقی اور روحانی ترقی اور بلندی کا راستہ تجویز کرتا ہے اور یہاں جو تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے تو یہ قرآنی تعلیم اسی جگہ چل سکتی ہے جہاں افراد کچھ وسائل مال و دولت کے مالک ہوں۔ ان پر ان کا آزادانہ تصرف اور اختیار ہو اور پھر اپنی رضا و رغبت سے خدا اور اس کے بندوں کے حقوق اخلاص کے ساتھ ادا کریں۔ اور جہاں لوگوں کے حقوق ملکیت ہی ساقط کردیئے جائیں اور ریاست و حکومت تمام ذرائع کی مالک ہوجائے اور افراد کے درمیان تقسیم رزق کا پورا کاروبار حکومت خود سنبھال لے۔ حتیٰ کہ نہ کوئی فرد اپنے اوپر کسی کا کوئی حق جان کر دے سکے اور نہ کوئی دوسرا فرد کسی سے کچھ لے کر اپنے دل میں جذبۂ احسان مندی و شکر گزاری لا سکے تو اس طرح کا خالص کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظام تمدن و معیشت جسے بعض پاکستانی بھی بڑی للچائی ہوئی اور مستحسن نظروں سے دیکھتے ہیں قرآن کی تعلیم و ہدایات کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس میں انفرادی اخلاق اور سیرت کی تشکیل اور ترقی کا راستہ بالکل بند ہوجاتا ہے۔ قرآن کی یہ تعلیم تو اسی معاشرہ میں چل سکتی ہے کہ جہاں لوگ فرداً فرداً اپنے مال و دولت کے مالک ہوں۔ اور حق شناسی اور ادائے حقوق کے اوصاف اور ہمدردی رحم و شفقت اور ایثار و قربانی کے جذبہ کے ماتحت اپنے اختیار اور رضامندی و رغبت سے بندوں کے حقوق اخلاص کے ساتھ ادا کرنے پر مائل ہوں اور دوسری طرف جن لوگوں کے ساتھ بھلائی کی جائے ان کے دلوں میں بھلائی کرنے والوں کے لئے خیر خواہی احسان مندی اور شکر گزاری کے پاکیزہ جذبات نشو ونما ہوں مگر اب ہمارا یہ حال ہے کہ ہمیں اپنے گھر کی دولت کا تو پتہ نہیں اور نہ اس کی قدر۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ہر نئی چیز جو سات سمندر پار یا یورپ سے آجائے وہ ہمارے دین و ایمان کا امتحان لینے کو تیار ہوجاتی ہے۔ ہماری مثال تو اب اس بھٹکے ہوئے راہ گیر کی سی ہے جو ذرا ذرا شبہ پر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر دوڑتا ہے لیکن منزل مقصود کا پتہ نہیں لگتا۔ مسلمان کبھی روس کی تحریکوں کی اتباع اپنا فرض خیال کرتے ہیں تو کبھی یورپ کی تقلید میں ان کو اپنی نجات نظر آتی ہے۔ کبھی امریکہ اور جرمن کی حیرت انگیز ایجادو ترقیاں ان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتی ہے غرض کہ جس کو کچھ دیکھا اس کے پیچھے ہولئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون o

درمیان میں بات لفظ حق پر کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ الغرض ان آیات میں ہدایت دی جاتی ہے کہ اے مسلمانو! قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور اسی طرح مسکین و مسافر کو بھی ان کے حقوق دیا کرو۔ آگے بتلایا گیا کہ یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

یہاں آیت میں یریدون وجہ اللہ کی قید یعنی جو مال اس طرح دینے سے اللہ کی رضا کے طالب ہیں اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں قبولیت سے سرفرازی پانے کے لئے

یہ شرط لازمی ہے کہ دینے والا جو کچھ بھی خرچ کرے یہ سب صرف رضائے الٰہی کی نیت سے ہو۔ محض جبری اور نمائشی چندے اور نام و نمود کے لئے داد و دہش جو آج ہمارے معاشرہ کی جان بنی ہوئی ہے یہ سب اس قبولیت کی مد سے باہر ہیں۔ اور نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق ہیں۔ آگے اس مسئلہ کی اور وضاحت فرمائی جاتی ہے کہ محض دینا دلانا مطلقاً خواہ کسی خیال سے ہو یہ موجب فلاح اور عند اللہ مقبولیت کا باعث نہیں بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ جو چیز تم دنیا کی غرض سے خرچ کرو گے مثلاً کوئی عطیہ۔ یا ہدیہ یا تحفہ اس نیت سے دیا جائے کہ لینے والا بعد میں اس سے زیادہ واپس کرے۔ یا دینے والے کے لئے لینے والا کوئی مفید خدمات انجام دے۔ یا جیسے دنیوی رسوم میں نیوتہ وغیرہ دیا جاتا ہے کہ دینے والا یہ امید رکھتا ہے کہ ہمارے موقع پر یہ لینے والا کچھ اور شامل کر کے دے گا۔ تو ان جیسی اغراض اور نیت سے جو دیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں پہنچتا بلکہ خدا کے نزدیک پہنچنا اور بڑھنا اس مال کے ساتھ خاص ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کیا جائے ایسے دیئے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ اجر و ثواب میں بڑھاتے رہیں گے۔

صحیح احادیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ یعنی اس کو قبول فرمالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صرف پاک کمائی کو قبول کرتا ہے۔ پھر اس کو خیرات کرنے والے کے لئے پالتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ خیرات پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔

یہاں ان آیات میں اخلاص وللّٰہیت کی تعلیم دی گئی ہے اور روحانی اور اخلاقی بلندی کا آخری زینہ ہے وہ اگرچہ انفاق فی المال کے سلسلہ میں ہے مگر یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ تمام اچھے حسن و اخلاق کی روح اور جان یہی اخلاص وللّٰہیت ہے۔ اس لئے ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا رب کریم، خالق اور پروردگار ہم سے راضی ہو۔ ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضی اور غضب سے ہم محفوظ رہیں۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال و اخلاق اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بلکہ نام و نمود یا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ کے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں اور ان پر کوئی اجر و ثواب ملنے والا نہیں۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب جو اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا اصل صلہ اور نتیجہ ہے اور جو انسانوں کا اصل مطلوب اور مقصود ہونا چاہیئے وہ صرف اعمال و اخلاق پر نہیں ملتا بلکہ جب ملتا ہے جبکہ ان اعمال و اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ بھی کیا گیا ہو اور وہی ان کے لئے اصل محرک ہو اور جو لوگ اچھے اعمال و اخلاق کا مظاہرہ دنیا والوں کی داد و تحسین اور نیک نامی و شہرت طلبی یا ایسے ہی دوسرے اغراض و مقاصد کے لئے کرتے ہیں ان کو یہ دوسرے مقاصد چاہے دنیا میں حاصل ہو جائیں لیکن وہ اللہ کی رضا اور اجر آخرت سے محروم رہیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ اخلاص اور للّٰہیت سے قلب مزین کیسے ہو؟ تو برادران عزیز یہ دولت تو اہل اللہ کی صحبت۔ ان سے تعلق اور اپنے آپ کو ان سے وابستہ رکھنے اور تزکیۂ نفس سے نصیب ہوتی ہے۔

الغرض اصل مضمون شرک کی برائی اور مذمت اور اس کے بد انجامی کا اور توحید و دین فطرت اسلام کو قبول کرنے اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا اوپر سے بیان ہوتا چلا آرہا ہے اور یہی مضمون ابھی اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اخلاص کی دولت عطا فرمائیں تاکہ تمام اعمال و افعال سے ہمارا مطلوب و مقصود رضائے حق ہو۔ یااللہ نام نمود۔ ریا۔ نمائش۔ شہرت وغیرہ مہلک امراض سے ہم کو بچالیجئے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ؕ ھَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ

اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا، کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے

مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿٤٠﴾ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا

کچھ بھی کرسکے وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں

کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَھُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِیْرُوْا فِی

تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے بعضے اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے تاکہ وہ باز آجاویں۔آپ فرمادیجئے کہ ملک میں چلو پھرو

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّشْرِکِیْنَ ﴿٤٢﴾ فَاَقِمْ

پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے ہوگذرے ہیں ان کا اخیر کیسا ہوا ان میں اکثر مشرک ہی تھے۔ سو تم اپنا رُخ

وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ ﴿٤٣﴾

اس دین راست کی طرف رکھو قبل اس کے کہ ایسا دن آجاوے جس کے واسطے پھر خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا اُس دن سب لوگ جُدا جُدا ہوجاویں گے۔

مَنْ کَفَرَ فَعَلَیْہِ کُفْرُہٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِھِمْ یَمْھَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ لِیَجْزِیَ

جوشخص کفر کررہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا،اور نیک عمل کررہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کررہے ہیں۔جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ﴿٤٥﴾

جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے، واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ اللہ ہے جس نے	خَلَقَکُمْ پیدا کیا تمہیں	ثُمَّ رَزَقَکُمْ پھر اس نے تمہیں رزق دیا	ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے	ثُمَّ پھر				
یُحْیِیْکُمْ وہ تمہیں زندہ کرے گا	ھَلْ کیا	مِنْ سے	شُرَکَآئِکُمْ تمہارے شریک	مَنْ جو	یَّفْعَلُ کرے	مِنْ ذٰلِکُمْ ان (کاموں) میں سے		
مِنْ شَیْءٍ کچھ بھی	سُبْحٰنَہٗ وہ پاک ہے	وَتَعٰلٰی اور برتر	عَمَّا اس سے جو	یُشْرِکُوْنَ وہ شریک ٹھہراتے ہیں	ظَھَرَ ظاہر ہوگیا	الْفَسَادُ فساد		
فِی الْبَرِّ خشکی میں	وَالْبَحْرِ اور دریا (تری)	بِمَا اس سے جو	کَسَبَتْ کمایا	اَیْدِی النَّاسِ لوگوں کے ہاتھ	لِیُذِیْقَھُمْ تاکہ وہ انہیں (مزہ) چکھائے			
بَعْضَ بعض	الَّذِیْ عَمِلُوْا انہوں نے کیا (اعمال)	لَعَلَّھُمْ شاید وہ	یَرْجِعُوْنَ باز آجائیں وہ	قُلْ آپ فرمادیں	سِیْرُوْا تم چلو پھرو	فِی میں		
الْاَرْضِ زمین	فَانْظُرُوْا پھر تم دیکھو	کَیْفَ کیسا	کَانَ ہوا	عَاقِبَۃُ انجام	الَّذِیْنَ ان کا جو	مِنْ قَبْلُ پہلے (تھے)	کَانَ تھے	اَکْثَرُھُمْ ان کے اکثر
مُشْرِکِیْنَ شرک کرنے والے	فَاَقِمْ پس سیدھا رکھو	وَجْھَکَ اپنا چہرہ	لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ دین راست کیلئے (طرف)	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ کہ			
یَّاْتِیَ آجائے	یَوْمٌ وہ دن	لَّا مَرَدَّ ٹلنا نہیں	لَہٗ اس کے لئے وہ	مِنَ اللّٰہِ اللہ سے	یَوْمَئِذٍ اس دن	یَّصَّدَّعُوْنَ جدا جدا ہوجائیں گے		

مَنْ كَفَرَ جس نے کفر کیا	فَعَلَيْهِ تو اسی پر	كُفْرُهٗ اس کا کفر	وَمَنْ عَمِلَ اور جس نے کیے	صَالِحًا اچھے عمل	فَلِاَنْفُسِهِمْ تو وہ اپنے لئے
يَمْهَدُوْنَ سامان کر رہے ہیں	لِيَجْزِيَ تا کہ جزا دے وہ	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں کو جو ایمان لائے	وَ اور	عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے اچھے عمل کئے	
	مِنْ سے	فَضْلِهٖ اپنا فضل	اِنَّهٗ بیشک وہ	لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا	الْكٰفِرِيْنَ کافر

تفسیر وتشریح:۔ اصل مضمون گذشتہ آیات سے اثبات توحید اور ردشرک کا چل رہا ہے۔ درمیان میں تبعاً مضمون انفاق یعنی مال کو اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کا آ گیا تھا۔ اب پھر کفار ومشرکین کو سمجھانے کے لئے سلسلۂ کلام توحید وآخرت کی طرف پھر جاتا ہے اوران آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت روا نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تمہیں اللہ ہی نے پیدا کیا۔ اسی نے تمہارے رزق کا سامان کیا۔ پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے اور پھر وہی قیامت میں تم کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ہر ایک کے اعمال کی جزا وسزا دے گا۔ مشرکین کو خطاب فرما کر کہا جاتا ہے کہ اے مشرکین ذرا سوچو تو سہی کہ تمہارے بنائے ہوئے مصنوعی معبودوں میں سے کوئی ان میں سے یہ ایک کام بھی کرسکتا ہے؟ تو مارنا۔ جلانا۔ روزی دینا سب کام تو تنہا اللہ کے قبضہ میں ہوئے پھر دوسرے شریک کدھر سے الوہیت کے مستحق ہو گئے؟ جب نہیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ اللہ ہی قادر مطلق سب سے بلند و برتر ہے۔ پھر اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے کے کیا معنی؟ پس توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہو گیا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ شرک اور معصیت اور اللہ کی نافرمانی ایسی بری چیز ہے کہ خشکی وتری یعنی تمام دنیا میں لوگوں کے بداعمالیوں کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں۔ آیت میں فساد کا لفظ آیا ہے جس کی مثالیں علماء نے لکھی ہیں مثلاً بارش نہ ہونا۔ قحط پڑنا۔ باغ اور کھیتوں کے پھل پھولوں پر آفت آنا۔ آندھی کا آنا۔ اولوں کا گرنا۔ سیلاب کا پھیلنا پیداوار کم یا ناقص ہو جانا۔ مویشیوں میں بیماری اور موت پڑنا۔ ان کی نسل کم پھیلنا تجارت وکاروبار میں نفع کم ہونا۔ مصارف کا بڑھ جانا۔ ہر چیز کا گراں ہو جانا۔ حاکم کا ظالم اور طماع ہونا۔ قانون اور انصاف کے پیرایہ میں رعایا کو تباہ کر دینا۔ باہم بادشاہوں اور قوموں میں جنگ قائم ہو کر ہزاروں لاکھوں کا مارا جانا۔ بیماریوں کی کثرت۔ باہمی الفت ومحبت واتفاق کی جگہ عداوت وبغض ونفاق پھیلنا۔ حیا اور شرم کا اٹھ جانا۔ بے حیائی اور فحش کی ترقی ہونا۔ چھوٹوں کا بڑوں سے بے ادب اور گستاخ ہو جانا۔ باہم چوری اور زنا کاری اور خون ریزی اور بدامنی کا پھیلنا یہ سب فساد یعنی بلاؤں ہی کی قسمیں ہیں جو انسان کے کرتوت سے پیدا ہوتی ہیں۔ تو لوگوں کے دین فطرت پر قائم نہ رہنے سے کفر وشرک اور فسق وفجور دنیا میں پھیل پڑا اور اس کی شامت سے نہ خشکی میں امن سکون رہا۔ نہ تری میں۔ روئے زمین کو فتنہ فساد نے گھیر لیا۔ اور یہ سب اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ لوگوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جائے۔ پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلا دیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ ڈر کر راہ راست پر آ جائیں۔ غرض جب اعمال بد مطلقاً سبب وبال ہیں تو کفر وشرک تو سب سے بڑھ کر موجب وبال ہوگا اور اگر ان مشرکین کو اس کے ماننے میں کچھ تردد ہو تو روئے زمین پر چل پھر کر دیکھیں کہ جو کافر ومشرک نافرمان لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا۔ پچھلے نافرمانوں کے عبرتناک حالات ان کے سامنے ہیں اور دنیا میں ان کی تباہی کے آثار جابجا پھیلے پڑے ہیں۔ تو دیکھ لو کہ وہ عذاب آسمانی سے کس طرح ہلاک ہوئے جس سے صاف واضح ہوا کہ شرک وکفر ونافرمانی کا بڑا وبال ہے اور ان تمام خرابیوں کا ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ دین قیم جو دین فطرت ہے اس پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی یعنی جیسے دنیا میں خاص عذاب کے وقت کو اللہ تعالیٰ قیامت کے وعدہ پر ہٹاتا جاتا ہے لیکن جب وہ موعود دن آ جائے گا پھر نہ کوئی طاقت اسے پھیر سکتی ہے اور نہ خود اللہ تعالیٰ اس کو ملتوی کرے گا گویا وہ دن آنا اٹل ہے اور جب وہ دن ہوگا تو سب انسان باعتبار جزا کے جدا جدا ہو جاویں گے یعنی نیک جنت میں اور بد دوزخ میں بھیج دیئے جاویں گے۔ جو شخص آج کفر وشرک کر رہا ہے اس پر تو اس کا وبال کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے یعنی اللہ ورسول کی فرمانبرداری اور ہدایت کے موافق اپنی زندگی دنیا میں گزار رہا ہے تو یہ لوگ اپنے نفع کے لئے سامان

کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل صالحہ کئے ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نیک جزا یعنی جنت عطا فرمائے گا اور کفار اس سے محروم رہیں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا بلکہ ان کے کفر پر ان سے ناخوش ہے اس لئے یہ اس دولت سے محروم رہیں گے جو ایمان کے ساتھ عمل صالح کرنے والوں کو عطا کی جائے گی۔

یہاں ان آیات میں حوادث و آفات کا راز بتلایا گیا کہ یہ بلائیں اس لئے آتی ہیں کہ انسان ان سے اللہ کی طرف توجہ کرنا سیکھے اور اپنی بداعمالیوں سے باز آجائے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل کے زمانہ میں آگے پیچھے قریب قریب وہ سب ہی فسادات اور خرابیاں ظاہر ہورہی ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا لیکن بجائے توبہ واستغفار کے دن بدن بے دینی کا سمندر موجزن ہے اور فسق و فجور بڑھتا ہی جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور غیب سے امت مسلمہ کے اصلاح کی صورت ظاہر فرمائیں۔ تو گویا مقصود ان بلاؤں سے بھی اصلاح خلق ہی ہوئی اس لئے محقق مفسرین نے لکھا ہے کہ شر مقصود بالذات نہیں ہوتا اس کی حیثیت جراح کے نشتر کی سی ہے یعنی جس طرح نشتر کا زخم مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ مقصود ومطلوب تو صحت ہوتی ہے اور نشتر محض اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔

امام المفسرین امام رازیؒ نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ یہاں من کفر فعلیه کفره یعنی جو کافر رہا اس پر اس کا کفر پڑے گا۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کریم نے من امن نہیں کہا بلکہ کافر کے مقابلہ میں ومن عمل صالحاً فرمایا یعنی جو نیک عمل کررہا ہے تاکہ مومن کو ساتھ ہی عمل صالحہ کی بھی ترغیب ہوجائے کیونکہ ایمان کی تکمیل عمل صالح ہی سے ہوتی ہے۔

اب یہاں ''ایمان'' کے متعلق ایک غلط فہمی بھی رفع کرلی جائے تاکہ ایمان کی حقیقت ان پر بھی واضح ہوجائے جو ایمان کو صرف اقرار وتصدیق تک محدود رکھتے ہیں اور عمل اس سے ایک بالکل جدا چیز سمجھتے ہیں ایمان کی تعریف اور اس کی حقیقت پر حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ترجمان السنہ میں لکھتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق نہیں ہے بلکہ انقیاد قلبی اور التزام طاعت بھی اس کا جزو اہم ہے۔ اگر ایک شخص صرف تصدیق رکھتا ہے مگر عہد وفاداری نہیں کرتا وہ مومن نہیں کہلا سکتا اور اسی طرح اگر فرمانبرداری کے لئے تو آمادہ ہے مگر قلب وزبان سے تصدیق کے لئے آمادہ نہیں تو بھی وہ مومن نہیں ہے۔ ایمان صرف اس صورت کا نام ہے کہ قلب وزبان تصدیق سے مزین ہوں اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کا عزم بھی مصمم ہو گویا شرعی تصدیق اسی کا نام ہے۔

آگے مولاناؒ نے حافظ ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت نقل فرمائی ہے جس میں وہ یعنی امام تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ فرض کرو ایک شخص دربار نبوت میں حاضر ہوتا ہے اور تصدیق کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں نہ آپ کے احکام بجالاؤں گا۔ نہ جس چیز سے آپ منع فرمائیں گے باز رہوں گا۔ نہ فرائض خمسہ ادا کروں گا۔ ہاں شراب پیوں گا۔ چوری زنا۔ نکاح محارم کروں گا غرض جو نا کردنی ہے وہ سب کروں گا۔ کیا ایک لحہ کے لئے بھی کوئی شخص تصور کرسکتا ہے کہ محض لغوی تصدیق کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے ایمان کا پروانہ تحریر فرمادیں گے۔ اس کی شفاعت کا وعدہ فرمالیں گے۔ جہنم سے نجات ابدی کی بشارت سنادیں گے۔ یا یہی جواب دیں گے کہ تو صرف کافر نہیں بلکہ بدترین کافر ہے۔ تیرا یہ ایمان ایمان نہیں استہزا ہے یہ تصدیق نہیں بلکہ تکذیب کا بدترین مظاہرہ ہے۔ اگر یہ بھی ایمان ہے تو پھر ابلیس کے ایمان میں کیا کسر تھی جس نے صرف ایک ہی سجدہ کا انکار کیا تھا۔ پھر قرآن کریم نے کیوں اس کو کافروں میں شمار کرلیا۔ آگے مولانا موصوفؒ لکھتے ہیں حضرت استاد (یعنی حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ) فرماتے تھے کہ ایمان کا ترجمہ جاننا یا یقین کرنا یا تصدیق کرنا اچھا نہیں ہے۔ ان تراجم سے ایمان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوتی بلکہ صحیح ترجمہ ''ماننا'' ہے۔ جس سے التزام طاعت کا مفہوم بھی ادا ہوجاتا ہے۔

اردو دان حضرات کو حضرت استادؒ کا ایک یہ ترجمہ ہماری اس ساری تفصیل سے بے نیاز کرسکتا ہے۔ یہ ہے ایمان کا وجود ذہنی۔ یہی ایمان کا جزء اشرف ہے۔ نجات ابدی اسی پر دائر ہے اور آخرت کی ساری خوشیاں اسی کی ثمرات و برکات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو ایسا ہی ایمان نصیب فرمائے آگے اسی توحید کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کی مزید بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوشخبری دیتی ہیں اور تاکہ تم کو اپنی رحمت کا مزہ چکھادے اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۴۶ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ

اور تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر اُن کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ اُن کے پاس دلائل لے کر آئے

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷

سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم ہوئے تھے ، اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا

اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ

پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۴۸ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝۴۹

اور وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے خوش ہونے سے پہلے ان پر برسے ناامید تھے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ

سو رحمتِ الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے،

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۵۰

اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

وَ اور	مِنْ اٰيٰتِهٖ اس کی نشانیوں سے	اَنْ يُّرْسِلَ کہ وہ بھیجتا ہے	الرِّيَاحَ ہوائیں	مُبَشِّرٰتٍ خوشخبری دینے والی	وَّلِيُذِيْقَكُمْ اور تاکہ وہ تمہیں چکھائے	
مِنْ رَّحْمَتِهٖ سے (کا) اپنی رحمت	وَلِتَجْرِيَ اور تاکہ	الْفُلْكُ کشتیاں	بِاَمْرِهٖ اس کے حکم سے	وَلِتَبْتَغُوْا اور تاکہ تم تلاش کرو	مِنْ سے	
فَضْلِهٖ اسکا فضل	وَلَعَلَّكُمْ اور تاکہ تم	تَشْكُرُوْنَ تم شکر کرو	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اور تحقیق ہم نے بھیجے	مِنْ قَبْلِكَ آپؐ سے پہلے	رُسُلًا بہت سے رسول	
اِلٰى طرف	قَوْمِهِمْ ان کی قومیں	فَجَآءُوْهُمْ پس وہ انکے پاس آئے	بِالْبَيِّنٰتِ کھلی نشانیوں کے ساتھ	فَانْتَقَمْنَا پھر ہم نے انتقام لیا	مِنَ سے	
الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وہ جنہوں نے جرم کیا	وَكَانَ اور ہے	حَقًّا حق	عَلَيْنَا ہم پر (ہمارا)	نَصْرُ مدد	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن	اَللّٰهُ اللہ
الَّذِيْ يُرْسِلُ جو بھیجتا ہے	الرِّيٰحَ ہوائیں	فَتُثِيْرُ تو وہ ابھارتی ہیں	سَحَابًا بادل	فَيَبْسُطُهٗ پھر وہ (بادل) پھیلاتا ہے	فِي السَّمَآءِ آسمان میں	

كَيْفَ جیسے	يَشَآءُ وہ چاہتا ہے	وَيَجْعَلُهٗ اور وہ اسے کر دیتا ہے	كِسَفًا ٹکڑے ٹکڑے	فَتَرَى پھر تو دیکھے	الْوَدْقَ مینہ	يَخْرُجُ نکلتا ہے
مِنْ خِلٰلِهٖ اس کے درمیان سے	فَاِذَآ پھر جب	اَصَابَ بِهٖ وہ اسے پہنچا دیتا ہے	مَنْ يَّشَآءُ جسے وہ چاہتا ہے	مِنْ سے	عِبَادِهٖٓ اپنے بندوں	
اِذَا هُمْ اچانک وہ	يَسْتَبْشِرُوْنَ خوشیاں منانے لگتے ہیں	وَاِنْ اور اگرچہ	كَانُوْا تھے	مِنْ قَبْلِ اس سے قبل	اَنْ يُّنَزَّلَ کہ وہ نازل ہو	
عَلَيْهِمْ اُن پر	مِّنْ قَبْلِهٖ پہلے (ہی) سے	لَمُبْلِسِيْنَ البتہ مایوس	فَانْظُرْ پس دیکھو تو	اِلٰٓى طرف	اٰثٰرِ آثار	رَحْمَتِ اللّٰهِ اللہ کی رحمت
كَيْفَ يُحْيِ وہ کیسے زندہ کرتا ہے	الْاَرْضَ زمین	بَعْدَ مَوْتِهَا اسکے مرنے کے بعد	اِنَّ بیشک	ذٰلِكَ وہی	لَمُحْيِ البتہ زندہ کرنیوالا	
الْمَوْتٰى مُردے	وَ اور	هُوَ وہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرٌ قدرت رکھنے والا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ خشکی وتری میں انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے بلائیں آتی ہیں جس کی مثالیں گزشتہ درس میں یہ بتلائی گئی تھیں جیسے موقع پر بارش کا نہ ہونا۔ قحط پر قحط پڑنا۔ آندھی ہوا۔ بارش کا طوفان آنا۔ سیلاب کا پھیلنا۔ بیماریوں کی کثرت۔ وباؤں کا زور۔ موذی جانوروں کی کثرت۔ باہمی الفت ومحبت واتفاق کی جگہ عداوت بغض اور نفاق کا پھیلنا۔ حیا اور شرم کا اٹھ جانا۔ بے حیائی اور فحش کی ترقی ہونا۔ چھوٹوں کا بڑوں سے بے ادب اور گستاخ ہو جانا۔ باہم چوری۔ زنا کاری۔ خون ریزی۔ بدامنی کا پھیلنا۔ مصارف کا بڑھ جانا۔ ہر چیز کا گراں ہو جانا۔ یہ سب وہ بلائیں ہیں کہ جو انسانوں کے کرتوتوں سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ اس لئے آتی ہیں کہ انسانوں کو اپنی بدعملیوں سے تنبہ ہو اور اپنے افعال بد سے توبہ کریں اور باز آئیں۔ تو انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے خرابیاں ظاہر ہونے کا بیان فرما کر اب یہاں یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس پر بھی اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہیں اور نظام عالم کو باقی رکھتے ہیں۔ ہوائیں چلاتے ہیں جن پر بقائے انسانی موقوف ہے۔ پھر ہواؤں کے چند فوائد بیان فرمائے جاتے ہیں۔ ایک فائدہ مبشرات ہونا فرمایا یعنی وہ خوشی دیتی ہیں۔ انسان کے بدن پر جو ہوا لگتی ہے تو اس کو فرحت ہوتی ہے اور نیز بارش سے پہلے گرمی کی شدت کے بعد ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں تو گویا وہ مژدہ لاتی ہیں کہ اب باران رحمت کا نزول ہوگا۔ ایک فائدہ یہ بتلایا کہ ہواؤں کی وجہ سے انسان زندہ رہ کر دنیا میں اس کی رحمت اور نعمت کے مزے لیتا ہے اور انہیں سے پھول پھل کھیتی باڑی تیار ہوتی ہے۔ یہی ہوائیں ہیں جو تعفنات کو دور کرتی ہیں یہ باتیں تو بر یعنی خشکی کے متعلق ہیں۔ ایک فائدہ تری یعنی پانی سے متعلق بتلایا گیا کہ اسی ہوا سے دریا اور سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں قدیم زمانہ کی بادبانی کشتیوں اور جہازوں کا سفر زیادہ تر موافق ہوا ہی پر منحصر تھا۔ پھر بتلایا گیا کہ تم دریائی سفروں کی وجہ سے روزی تلاش کرتے ہو۔ یعنی کشتی اور جہازوں سے تجارتی مال دریا یا سمندر پار منتقل کر کے تجارت کرتے ہو۔ اس نعمت الٰہی کا تذکرہ کر کے کہا جاتا ہے کہ منکرین توحید کو چاہئے کہ شرارت۔ کفران نعمت اور شرک سے باز آجائیں۔ اور خدا کی مہربانیوں کو دیکھ کر شکر گزار بندے بنیں۔ یہاں ہواؤں کے چلانے میں جس پر مدار زندگی ہے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ اسی کی قدرت کاملہ کی نشانی ہے۔ مشرکین کے معبودوں میں سے کون ایسا کر سکتا ہے؟ یہ تو دلیل توحید وجود باری تعالیٰ ہے۔ آگے مسئلہ نبوت کو نہایت لطیف پیرائے میں ثابت کیا جاتا ہے۔ کہ جس طرح نظام عالم جسمانی کے لئے ہوائیں چلاتے ہیں۔ اسی طرح نظام عالم روحانی کے لئے اپنے فضل سے انبیاء بھیجتے چلے آتے ہیں۔ جو اپنی قوموں کے پاس نشانیاں و معجزات لے کر آئے تھے پھر جس نے ہمارے پیغمبروں کی نافرمانی کی ہم نے اس سے انتقام لیا اور نافرمانوں کو سزائیں ملیں۔ اور ایمانداروں کی مدد کی۔ کیونکہ ایمانداروں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ

ہے۔ یہاں ایک جملہ میں نہایت اختصار کے ساتھ رسولوں کو بھیجنا اوران کی امتوں پر سرکشی سے عذاب آنا ایمان والوں کا نجات پانا بیان فرمادیا۔آگے ایک دوسری نعمت کا اظہار فرمایا جاتا ہے جس پر نظام عالم منحصر ہے اور وہ ہے بارش کا برسانا۔ پھراس سے زمین کا شاداب کرنا۔چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ گرمی اور خشکی کی شدت کے بعد باران رحمت کے نزول پر غور کرو۔ گرمی کی شدت سے بوکھلائے جارہے تھے۔زمین جھلسی پڑی تھی کہ اللہ نے موسمی ہوائیں چلائیں اور وہ بادلوں کوادھرادھر سے گھیر کرلائیں۔ پھر وہ بادل ایک دوسرے پر تہ بہ تہ جم گئے۔اوران کے اندر سے مینہ برسنا شروع ہوا۔اس بارش سے تھوڑی ہی دیر پہلے اس بلا کی تپش تھی کہ ہوش وحواس گم تھے۔ کہ لوگ آس توڑے بیٹھے تھے۔ بارش آتے ہی چہروں پر رونق آ گئی اور لگے خوشیاں منانے۔ چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک بے رونق اور مردہ پڑی تھی۔ ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ یہی حال روحانی بارش کا سمجھو۔اس سے مردہ دلوں میں جان پڑے گی۔اور ہر طرف رحمت الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئیں گے۔ یہاں نبوت اور بارش کا ذکر یکے بعد دیگرے کرنے میں ایک لطیف اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ نبی کی آمد بھی انسان کی اخلاقی زندگی کے لئے ویسی ہی رحمت ہے جیسی بارش کی آمد اس کی مادی زندگی کے لئے رحمت ثابت ہوتی ہے۔جس طرح آسمانی بارش کے نزول سے مردہ پڑی ہوئی زمین یکایک جی اٹھتی ہے اوراس میں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔اسی طرح آسمانی وحی کا نزول اخلاق اور روحانیت کی ویران پڑی ہوئی دنیا کونئی زندگی بخشتا ہے اس میں علاوہ دلیل وحدت کے دلیل قدرت بھی ہے کہ جس خدا نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہی خدا مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

ابھی یہی سلسلۂ مضمون یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نشانیوں کا حال اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیوں کو دیکھنے کے لئے ہم کو بھی بصیرت عطا فرمائیں۔اوراپنی ان تمام نعمتوں کا جو ہم کو اس زندگی میں عطا فرما رکھی ہیں حقیقی شکر کی توفیق عطا فرمائیں۔اور کفار ومشرکین کے مقابلہ میں جیسے پہلے حق تعالیٰ نے اہل ایمان کو غالب اور منصور فرمایا۔اب بھی اہل ایمان کو غالب اور منصور فرمائیں۔اللہ تعالیٰ ہم کو آخرت و قیامت کا یقین کامل نصیب فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری کی فکر نصیب فرمائیں۔یا اللہ! اس وقت ہم بھی اپنی بداعمالیوں کے شامت اعمال میں گھرے ہوئے ہیں۔اور طرح طرح کی بلاؤں اور فسادات کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔یا اللہ! ہمیں اپنی بداعمالیوں پر تنبہ نصیب فرما۔اور سچی توبہ سے اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! آج قوم اور ملک مادیت کی طرف جھک پڑا ہے اور مادی ترقی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔روحانیت جو دین و دنیا دونوں کو سنوارنے والی ہے اس سے بیزاری بڑھتی جارہی ہے۔یا اللہ! ہمیں دین اسلام کی حقیقی عظمت پھر عطا فرمادے اور اپنے بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کر لینے کی توفیق مرحمت فرمادے۔یا اللہ! اطیعوا اللہ اور اطیعوا الرسول کی دولت سے پھر ہماری قوم اور امت مسلمہ کو نواز دے۔یا اللہ! آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ ہماری اصلاح اور اصلاح وفلاح دینی و دنیوی کے دروازہ ہم پر کھول دے اور آپ کی رحمت میں داخل ہو جانا ہمارے لئے مقدر اور آسان فرمادے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوا مِنْ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

اور اگر ہم ان پر اور ہوا چلادیں پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔ سو آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ

اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جبکہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لاسکتے، آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں

تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ

جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں پھر وہ مانتے ہیں۔ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا پھر

جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ

ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا عطا کیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝

اور وہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔

وَلَئِنْ اور اگر	اَرْسَلْنَا ہم بھیجیں	رِيحًا ہوا	فَرَاَوْهُ پھر وہ اسے دیکھیں	مُصْفَرًّا زرد شدہ	لَّظَلُّوا ضرور ہو جائیں	مِنْ بَعْدِهٖ اس کے بعد	
يَكْفُرُوْنَ ناشکری کرنے والے	فَاِنَّكَ پس بیشک آپ	لَا تُسْمِعُ نہیں سُنا سکتے	الْمَوْتٰى مُردوں	وَلَا اور نہیں	تُسْمِعُ سنا سکتے	الصُّمَّ بہروں	
الدُّعَآءَ آواز	اِذَا وَلَّوْا جب وہ پھر جائیں	مُدْبِرِيْنَ پیٹھ دے کر	وَمَآ اَنْتَ اور آپ نہیں	بِهٰدِ ہدایت دینے والے	الْعُمْيِ اندھا		
عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اس کی گمراہی سے	اِنْ تُسْمِعُ آپ نہیں سنا سکتے	اِلَّا مگر	مَنْ يُّؤْمِنُ جو ایمان لاتا ہے	بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں پر	فَهُمْ پس وہ		
مُّسْلِمُوْنَ فرمانبردار	اَللّٰهُ اللہ	الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وہ جس نے تمہیں پیدا کیا	مِّنْ سے	ضُعْفٍ کمزوری	ثُمَّ پھر	جَعَلَ اس نے بنایا۔ دی	
مِنْ بَعْدِ بعد	ضُعْفٍ کمزوری	قُوَّةً قوت	ثُمَّ جَعَلَ پھر اس نے کردیا	مِنْ بَعْدِ بعد	قُوَّةٍ قوت	ضُعْفًا کمزوری	وَّشَيْبَةً اور بڑھاپا
	يَخْلُقُ وہ پیدا کرتا ہے	مَا يَشَآءُ جو وہ چاہتا ہے	وَهُوَ اور وہ	الْعَلِيْمُ علم والا	الْقَدِيْرُ قدرت والا		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں باران رحمت کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جب زمین گرمی کی شدت سے خشک اور مردہ ہو جاتی ہے اور ہر طرف خاک اڑتی نظر آتی ہے تو اللہ تعالیٰ بارش کو بھیج کر اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں پھر جان ڈال دیتے ہیں اور خشک اور مرجھائی ہوئی زمین ہری بھری اور تروتازہ ہو جاتی ہے۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جو خدا مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے وہی خدا قیامت میں مردوں کو پھر زندہ کرنے والا ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ کوئی مشکل چیز نہیں۔

اب آگے انسان کی ناشکری کی عادت کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ یہ اہل غفلت ایسے ناحق شناس اور ناسپاس ہیں کہ اتنی بڑی بڑی نعمتوں کے بعد جن کا ذکر اوپر ہوا اگر کوئی آفت آپڑے تو ناشکری کرنے لگتے ہیں مثلاً باران رحمت کے بعد جب کھیتیاں اور باغات سرسبز ہو چکے ہوں اس وقت اگر کوئی ایسی سخت گرم یا سخت سرد ہوا چل پڑے کہ جو ہرے بھرے کھیتوں کو جھلس دے اور وہ سوکھ کر زرد پڑ جائیں اور ان کی سرسبزی اور شادابی جاتی رہے تو یہ لوگ پھر فوراً بدل جائیں اور اللہ کے سب احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں حالانکہ بندوں کو ہر حالت میں اپنے آقا کے حکم پر راضی اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے غضب سے خوفزدہ رہنا چاہئے۔ تو جب ان منکرین کی غفلت اور ناشکری اس درجہ پر ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ بالکل ہی بے حس ہیں

پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے کفرو ناسپاسی سے ملول و غمگین نہ ہوں آپ صرف دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار ہیں۔کوئی بد بخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے۔آپ کی بات وہی سنیں گے اور مانیں گے جو تسلیم اور انقیاد کی عادت رکھتے ہیں اور ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں اور جن کے ضمیر مر چکے ہیں اور ان کے اندر اخلاقی زندگی کی رمق بھی باقی نہیں رہی۔جن کی بندگی نفس۔ضد اور ہٹ دھرمی نے اس صلاحیت ہی کا خاتمہ کر دیا ہے جو آدمی کو حق بات سمجھنے اور قبول کرنے کے قابل بناتی ہے تو ایسے مردہ دلوں کو آپ نہیں سنا سکتے۔اور ایسے ہی بہروں کو بھی آپ آواز نہیں سنا سکتے۔خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں کہ اشارہ کو بھی نہ دیکھیں۔مراد اس سے وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے دل پر ایسے قفل چڑھا رکھے ہیں کہ سب کچھ سن کر بھی وہ کچھ نہیں سنتے۔پھر جب ایسے لوگ یہ کوشش بھی کریں کہ دعوت حق کی آواز سرے سے ان کے کان میں پڑنے ہی نہ پائے اور داعی حق کی شکل دیکھ کر ہی دور بھاگنا شروع کر دیں تو ظاہر ہے کہ کوئی انہیں کیا سنائے اور کیسے سنائے۔اور اسی طرح اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر آپ راہ راست پر نہیں لا سکتے یعنی جن لوگوں کی باطنی آنکھیں پھوٹ چکی ہوں اور جنہیں وہ راستہ نظر ہی نہ آتا ہو جو نبی انہیں دکھانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسے لوگ رہنمائی کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔یعنی جب یہ منکرین مردہ۔اور بہرے اور اندھے کے مشابہ ہیں پھر ان سے کیا توقع ایمان کی رکھی جائے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو بس ان کو ہی سنا سکتے ہیں اور راستہ دکھا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں اور پھر وہ مانتے بھی ہیں یعنی جنہوں نے اسلام قبول کیا اور مسلم کہلائے آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور تصرف کا اظہار فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ پیدائش کے وقت انسان کس قدر کمزور و ناتواں ہوتا ہے کہ ایک جگہ پڑے رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔پھر رفتہ رفتہ اس میں قوت آنی شروع ہوتی ہے اور بچپن سے گزر کر جوانی کے دور میں آ جاتا ہے تو رگ رگ میں زور اور قوت بھرا ہوتا ہے اس کے بعد پھر قوت گھٹنا شروع ہوتی ہے۔بڑھاپا آ جاتا ہے۔دانت گر جاتے ہیں بال سفید ہو جاتے ہیں۔اعضا کمزور ہو جاتے ہیں۔تو بچپن۔جوانی بڑھاپا یہ ساری حالتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں اور یہ اسی کی مشیت پر موقوف ہے کہ جسے چاہے ضعف سے قوت دے اور جسے چاہے قوت سے ضعف دے۔انسان اپنی جگہ جس گھمنڈ میں چاہے مبتلا رہے مگر وہ خدا کے قبضۂ قدرت میں اسی طرح بے بس ہے کہ جو حالت بھی خدا اس پر طاری کر دے اسے وہ اپنی کسی تدبیر سے نہیں بدل سکتا۔گویا اثبات توحید کے سلسلہ میں یہاں دلائل انفس بیان فرمائے کہ جو انسان کی ذات اور اس کی حالت سے متعلق ہیں کہ انسان خود اپنے احوال مختلفہ پر غور کرے کہ اس کی کیسی مختلف صورتیں بنائیں اور پھر اس کو قوت اور ضعف کے میدان میں کیسی الٹی پلٹیاں دیں۔پھر اس کے علیم وقدیر ہونے میں کیا شک ہے۔تو ایسے علیم وقدیر کے نزدیک قیامت قائم کر کے مردوں کو زندہ کرنا اور ان سے حساب کتاب لینا اور ان کو جزا سزا دینا کیا بعید ہے؟

یہاں اس سورۃ میں **فانک لاتسمع الموتی** جیسی دو آیتیں سورۂ نمل بیسویں پارہ میں بھی گزر چکی ہیں۔ان آیات کے تحت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''یہاں تینوں جملے یعنی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہوں اور آپ اندھوں کو بھی ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے اس پر دال ہیں کہ ہدایت نہ کسی نبی کے قبضہ میں ہے اور نہ کسی ولی کے۔پھر لوگ یہ کیسے گمان کر لیتے ہیں کہ کامل بنا دینا شیوخ کے اختیار میں ہے۔'' الغرض مقصود اس تشبیہ سے اس کا اظہار ہے کہ جب کوئی نفع حاصل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اس کے برعکس کا ارادہ کر لے تو کوئی اسے نفع نہیں پہنچا سکتا۔اور یہ سنانے اور نفع پہنچانے کی نفی جب سید الرسل علیہ الصلوٰۃ سے کی جا رہی ہے تو کسی بزرگ یا شیخ یا مرشد کے اختیار میں کب ہدایت کا دل میں اتار دینا ممکن ہے۔پھر اس کے ساتھ ہی دونوں جگہ یعنی سورۂ نمل میں بھی اور یہاں سورۂ روم میں بھی یہ تصریح فرما دی کہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہی ہو سکتے ہیں جو اللہ کی باتوں پر ایمان و یقین رکھتے ہوں اور ساتھ ہی حکم بردار بھی ہوں تو معلوم ہوا کہ نصیحت کا سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے اس کے فرمانبردار بنیں۔

آگے خاتمہ کی آیات میں وقوع قیامت اور کفار ومشرکین کی اس دن حیرانی و پریشانی اور اخیر میں اہل ایمان کو بشارت دی گئی جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے کہ وہ لوگ ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے اسی طرح یہ لوگ اُلٹے چلا کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ تم تو نوشتہ خداوندی کے موافق قیامت کے دن تک رہے ہو سو

يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ

قیامت کا دن یہی ہے ولیکن تم یقین نہ کرتے تھے۔ غرض اس روز ظالموں کو ان کا عذر کرنا نفع نہ دے گا

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ

اور نہ اُن سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جاوے گا۔ اور ہم نے لوگوں کے واسطے اس قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں اور اگر

جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ

آپ انکے پاس کوئی نشانی لے آویں تب بھی یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب نرے اہل باطل ہو۔ جو لوگ یقین نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

یوں ہی مُہر کر دیا کرتا ہے۔ سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بدیقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پاویں۔

وَيَوْمَ اور جس دن	تَقُوْمُ قائم ہوگی	السَّاعَةُ قیامت	يُقْسِمُ قسم کھائیں گے	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم	مَا لَبِثُوْا وہ نہیں رہے	
غَيْرَ سَاعَةٍ ایک گھڑی سے زیادہ	كَذٰلِكَ اسی طرح	كَانُوْا وہ تھے	يُؤْفَكُوْنَ اوندھے جاتے	وَقَالَ اور کہا۔ کہیں گے	الَّذِيْنَ وہ لوگ جنہیں	
اُوْتُوا الْعِلْمَ علم دیا گیا	وَالْاِيْمَانَ اور ایمان	لَقَدْ لَبِثْتُمْ یقیناً تم رہے ہو	فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ میں (مطابق) نوشتۂ الٰہی	اِلٰى تک		
يَوْمِ الْبَعْثِ جی اٹھنے کا دن	فَهٰذَا پس یہ ہے	يَوْمُ الْبَعْثِ جی اُٹھنے کا دن	وَلٰكِنَّكُمْ اور لیکن تم	كُنْتُمْ تم	لَا تَعْلَمُوْنَ نہ جانتے تھے	
فَيَوْمَئِذٍ پس اس دن	لَا يَنْفَعُ نفع نہ دے گی	الَّذِيْنَ وہ لوگ جو	ظَلَمُوْا جنہوں نے ظلم کیا	مَعْذِرَتُهُمْ ان کی معذرت	وَلَا هُمْ اور نہ وہ	
يُسْتَعْتَبُوْنَ راضی کرنا چاہا جائیگا	وَ اور	لَقَدْ ضَرَبْنَا تحقیق ہم نے بیان کیں	لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے	فِيْ میں	هٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن	مِنْ كُلِّ ہر قسم
مَثَلٍ مثالیں	وَلَىِٕنْ اور اگر	جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ تم لاؤ انکے پاس کوئی نشانی	لَيَقُوْلَنَّ تو ضرور کہیں گے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا جن لوگوں نے کفر کیا	اِنْ اَنْتُمْ تم (نہیں) ہو	
اِلَّا مُبْطِلُوْنَ مگر جھوٹ بناتے ہو	كَذٰلِكَ اسی طرح	يَطْبَعُ اللّٰهُ اللہ مہر لگا دیتا ہے	عَلٰى پر	قُلُوْبِ دل	الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يَعْلَمُوْنَ سمجھ نہیں رکھتے
فَاصْبِرْ پس آپ صبر کریں	اِنَّ بیشک	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	حَقٌّ سچا	وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ اور وہ ہرگز (کسی طور) سُبک نہ کردیں گے آپکو		
	الَّذِيْنَ جو لوگ	لَا يُوْقِنُوْنَ یقین نہیں رکھتے				

تفسیر وتشریح:۔ یہ سورۂ روم کی آخری آیات ہیں گذشتہ آیات میں دور سے اثبات توحید ونبوت وقیامت وآخرت وابطال شرک وغیرہ کے مضامین بیان ہوتے چلے آ رہے ہیں اسی سلسلہ میں گذشتہ آیات میں منکرین توحید کو جتلایا گیا تھا کہ اے منکرو جس خدا کی اطاعت اور عبادت کے لئے تم سے کہا جاتا ہے وہ وہی تو ہے جس نے تم کو ابتدائے خلقت میں بالکل کمزور اور نادان بچہ بنا کر پیدا کیا پھر اس کے بعد جوانی میں تم کو قوت دی اور مضبوط بنادیا اور پھر کچھ عرصہ بعد وہ جوانی کا نشہ ہرن ہوا تو بڑھاپا آ گیا کہ نہ وہ جوانی کی سی قوت رہی۔ نہ وہ تندرستی رہی۔ نہ وہ کھانا پینا رہا۔ دانتوں نے الگ جواب دے دیا۔ نگاہ جدا ضعیف ہوگئی ہاتھ پیروں میں سکت باقی نہ رہی۔ یہ سب کچھ ہو کر ایک سانس باقی تھا تھوڑے دنوں میں وہ بھی ندارد۔ تو اے منکرو اگر تم اپنے ہی احوال مختلفہ میں غور کرلو تو اس کے علیم وقدیر ہونے میں کیا شک رہتا ہے؟ تم سوچو کہ ایسے کامل العلم۔ کامل القدرت اور کامل الاختیار خدا کی مخالفت کر کے تم کس نتیجہ پر پہنچو گے جبکہ ایک روز قیامت ضرور آنے والی ہے۔ اب یہاں ان آیات میں وقوع قیامت کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ جس روز قیامت قائم ہوگی تو مجرمین کے ہوش اڑ جائیں گے اور وہاں کی ہول وہیبت و پریشانی کو دیکھ کر قیامت کی آمد کو غایت درجہ ناگوار سمجھ کر قسم کھا کر کہیں گے کہ قیامت بہت جلدی آ گئی کہ وہ اس سے پہلے ایک ساعت سے زیادہ دنیا میں نہیں ٹھہرے۔ افسوس کہ بڑی جلدی دنیا کی زندگی ختم ہوگئی۔ کچھ بھی مہلت نہ ملی جو دنیا میں زیادہ مدت ٹھہرنے کا موقع ملتا تو اس دن کے لئے تیاری کرتے۔ یہ تو ایک دم مصیبت کی گھڑی سامنے آ گئی۔ یہاں دنیا میں بھی ایسا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اگر پھانسی کے مجرم کی میعاد ایک ماہ مقرر کی جاوے تو جب مہینہ گزر چکے گا اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا مہینہ نہیں گزرا اور مصیبت جلدی ہی آ گئی۔ اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جیسے اس وقت یہ کہنا جھوٹ اور غلط ہوگا اسی طرح دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور الٹی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور حکم لگاتے تھے کہ قیامت ویامت کچھ نہیں آنی۔ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں اور کسی خدا کے سامنے حاضر ہو کر ہمیں حساب نہیں دینا۔

الغرض ان منکرین کا تو یہ بیان ہوگا کہ وہ ایک ساعت سے زیادہ دنیا میں نہیں ٹھہرے۔ لیکن جن کو علم صحیح اور ایمان دیا گیا ہے وہ مومنین اس وقت ان کی تردید کریں گے۔ کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا تم ٹھیک اللہ کے علم اور اس کے خبر اور لوح محفوظ کے موافق قیامت کے دن تک ٹھہرے۔ ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آ پہنچا جسے تم جانتے یا مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے اور ایمان لے آتے تو تیار ہو کر آتے۔ اور اس کے وقوع کو جلدی نہ سمجھتے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس وقت یہ مجرمین نہ کوئی معقول عذر پیش کرسکیں گے جو کہ کچھ کام آئے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اپنے پروردگار کو راضی کرلو۔ کیونکہ اس کا وقت گزر چکا۔ اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔ تو یہ منکرین اس وقت پچھتائیں گے اور آج اس دنیا میں جبکہ خدا کی خوشنودی کے حاصل کرنے کا موقع ہے اور قرآن کریم کیسی عجیب عجیب مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح ان کو سمجھاتا ہے تو ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی۔ کیسی ہی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں یا صاف سے صاف معجزے دکھلائے جائیں یہ منکرین سن کر اور دیکھ کر یہی کہہ دیتے ہیں کہ سب مل کر جھوٹ بنالائے ہو۔ ایک نے چند آیتیں بنالیں۔ دوسروں نے تصدیق کرلیں۔ ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اس پر ایمان لانے کو تیار ہو گئے اس طرح ملی بھگت کر کے اپنا دین پھیلانا چاہتے ہو۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو آدمی نہ سمجھے نہ سمجھنے کی کوشش کرے اور ضد اور عناد سے حق کا انکار کرتا رہے تو اس طرح شدہ شدہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی

ہے۔اور آخرکار ضد اور عناد سے دل اتنا سخت ہوجاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔سورۃ کے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جب ان بدبختوں کا حال ضد اور عناد کے اس درجہ تک پہنچ گیا ہے تو آپ ان کی مخالفت اور شرارت اور ایذا رسانی اور بدکلامی وغیرہ پر صبر کیجئے اور پیغمبرانہ صبر اور تحمل کے ساتھ اپنی دعوت اور اصلاح کے کام میں لگے رہئے۔اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔اور یہ منکرین آخر میں ناکام اور اہل حق کامیاب ہوں گے۔پس آپ اپنے کام پر جمے رہئے۔یہ بدعقیدہ اور بے یقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔ 4

اسی بشارت اور تلقین پر سورت کو ختم فرمایا گیا۔علماء نے لکھا ہے کہ ان آیات سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ روز حشر کا ہول اور انتشار کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا کہ جو ان کو یوم حشر کی انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی میں محسوس ہوگا کہ جیسے قیامت اپنے وقت سے بہت پہلے آگئی اور ان لوگوں کو کچھ مہلت ہی نہ ملی۔نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت پر عمل کرنے والے اہل ایمان انشاء اللہ اس وقت تمامتر محفوظ اور باحواس رہیں گے اور وہ ان کفار کو ان کے غلط احساس پر متنبہ کریں گے۔سورۃ کے اخیر میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی کہ حالات کیسے ہی سخت اور صبر آزما ہوں آپ کے ہاتھ سے دامن صبر و متانت و استقامت کسی حال میں بھی نہ چھوٹنے پائے۔اس میں تعلیم ہے ساری امت کیلئے عموماً اور اکابر امت کو خصوصاً کہ اپنے حال کا بڑا رکھ رکھاؤ چاہئے۔کہ حتیٰ الامکان بے عقیدہ اور بے ایمان لوگوں کو کوئی موقع ہنسی یا طنز کا نہ ملنے پائے۔اور کافروں اور فاجروں کو کوئی موقع اعتراض کا ہاتھ نہ لگنے پائے۔یہی وہ قرآن حکیم کی تعلیم تھی کہ اس وقت وہ مٹھی بھر مسلمان جو مکہ کے کافروں اور مشرکوں کے ہاتھ سے بڑی بڑی جسمانی اور روحانی اذیتیں جھیلتے رہے لیکن ایسا صبر و استقلال شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔قرآن کریم کے وعدوں پر پورا بھروسہ کرنے کے طفیل انہیں یہ اطمینان تھا کہ انجام کار وہ غالب اور منصور اور یہ کفار مغلوب اور مردود ہو کر رہیں گے۔آج ہم بھی انہی آیتوں کو پڑھتے اور سنتے ہیں مگر یقین کی کمی کے باعث اس کے وہ اثرات ہمارے قلوب پر ظاہر نہیں ہوتے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں اس قرآن پاک کے الفاظ و معنی پیوست ہوجاتے تھے۔اور اسی بنا پر دنیا نے دیکھا کہ وہ کیا تھے اور کیا ہوگئے۔مولائے کریم صحابہ کرام کے ایمان و یقین کے طفیل میں ہم کو بھی کوئی حصہ ان کے کامل ایمان و یقین کا نصیب فرمائیں۔آمین۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ صحابہ کرام کے ذوق و شوق قرآنی کے طفیل میں ہم کو اور ہماری نسلوں کو بھی قرآن پاک سے محبت و لگاؤ نصیب فرمائیں۔اور اس کے علم و عمل اور اتباع کا شوق عطا فرمائیں۔اور ہمارے ایمان و یقین کو اس قرآن پاک کی بدولت مضبوط و لازوال بنائیں۔اور آخرت کا فکر نصیب فرمائیں۔اور قیامت کے ہول و ہیبت سے ہم کو اس دن مامون فرمائیں اور اپنے ایماندار مخلص بندوں میں ہم کو شامل فرما کر ان ہی کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائیں اور انہی کے ساتھ ہم پر اپنی مغفرت و رحمت فرما کر اپنی جنت میں ابدالآباد کے لئے داخلہ نصیب فرمائیں۔آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

الم یہ آیتیں ہیں ایک پُر حکمت کتاب کی۔ جو کہ ہدایت اور رحمت ہے نیک کاروں کیلئے۔ جو نماز کی پابندی کرتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے سیدھے راستہ پر ہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

الٓمّٓ الٓمّ	تِلْكَ یہ	اٰيٰتُ آیتیں	الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ پُر حکمت کتاب	هُدًى ہدایت	وَرَحْمَةً اور رحمت	لِلْمُحْسِنِيْنَ نیکوکاروں کیلئے
الَّذِيْنَ جو لوگ	يُقِيْمُوْنَ قائم کرتے ہیں	الصَّلٰوةَ نماز	وَيُؤْتُوْنَ اور ادا کرتے ہیں	الزَّكٰوةَ زکوۃ	وَهُمْ اور وہ	بِالْاٰخِرَةِ آخرت پر
هُمْ يُوْقِنُوْنَ وہ یقین رکھتے ہیں	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ	عَلٰى پر	هُدًى ہدایت	مِنْ رَّبِّهِمْ اپنے رب سے	وَاُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ	هُمْ وہ
الْمُفْلِحُوْنَ فلاح پانے والے						

تفسیر وتشریح:۔ الحمدللہ اب اکیسویں پارہ کی سورۂ لقمان کا بیان شروع ہو رہا ہے اس وقت اس سورۃ کی جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصۂ مضامین تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں وہ نصیحتیں نقل کی گئی ہیں جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام لقمان مقرر ہوا۔ حضرت لقمان کے متعلق انشاءاللہ تفصیلی ذکر دوسرے رکوع کے شروع میں جہاں آپ کی نصیحتیں منقول ہیں وہاں کیا جائے گا۔ یہاں اتنا ذکر کردینا کافی ہے کہ اکثر علمائے مفسرین کی رائے یہی ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ہاں ایک صالح پاکباز متقی انسان تھے جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل وفہم اور دانائی عطا فرمائی تھی اور آپ کی عاقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی تھیں جن کا تذکرہ اہل عرب میں بھی تھا۔ الغرض چونکہ اس سورۃ میں حضرت لقمان کی نصیحتوں کا ذکر آ گیا اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام لقمان معین کردیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے۔ اور مکہ کے درمیانی زمانہ میں سورۂ عنکبوت جو بیسویں پارہ میں گزر چکی اس کے بعد نازل ہوئی۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی ۳۱ ویں سورت ہے۔ لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۸۲ لکھا ہے یعنی ۸۱ سورتیں مکہ معظمہ میں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں۔ اور ۳۲ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورت میں ۳۴ آیات۔ ۴ رکوعات۔ ۵۵۴ کلمات

اور ۲۲۱۷ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔ مثل دوسری کی سورتوں کے اس سورت میں بھی عقائد کی تعلیم یعنی توحید و رسالت کا اثبات۔ شرک کی مذمت۔ قیامت وآخرت کا وقوع۔ حشر ونشر۔ جزاوسزا اور جنت وجہنم کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس سورۃ میں پہلے اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ قرآن کریم کی باتیں حکمت سے موافق ہیں یعنی اس کی ہر بات میں اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر کام کا آخری نتیجہ بہتر ودرست ہو خواہ اس کی خاطر تھوڑا سا بظاہر ذاتی فائدہ شروع میں چھوڑنا پڑے اسی بنا پر اس قرآن کریم کی باتوں سے اصل فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جن کی طبیعت نیک کاموں کی طرف جھکی ہوئی ہے اور جو انجام پر نظر رکھتے ہیں اور جن کا یہ یقین ہے کہ یہ دنیا عارضی قیام کی جگہ ہے اور انسان کی عمر محدود ہے اور اس دنیا کے بعد آخری لازمی نتیجہ آخرت ہے۔ پھر کچھ ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کا انجام اچھا نہیں اور آخرت میں ان کی وجہ سے بڑے مصائب اور آفات میں مبتلا ہونا لازمی ہے۔ ان میں اکثر چیزیں وہی ہیں جن میں فقط دنیا کی کھیل تفریح مقصود ہوتی ہے اور یہ وہی باتیں ہیں جن میں دنیا کے اکثر لوگ آج بھی مبتلا نظر آتے ہیں۔ مثلاً فضول قصے کہانیاں ناول۔ من گھڑت خیالی افسانے۔ ناچ رنگ۔ گانا بجانا۔ تھیٹر سینما بائیسکوپ۔ عالی شان مکانات۔ تصویر کشی۔ لچر پوچ شاعری۔ اور وہ تمام کام جن کو فنون لطیفہ اور ثقافتی تہذیب جیسے نام دے کر اچھا بتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ سب وہی باتیں ہیں جن کا انجام آخرت میں اچھا نہ ہوگا۔ بلکہ دنیا ہی میں بہت سی برائیاں پھیلنے کا باعث بن رہی ہیں۔ پھر ان باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی جن کا انجام ہر جگہ اچھا ہوگا مثلاً اللہ کی پہچان۔ توحید کا اعتقاد۔ شرک سے نفرت۔ بری عادتوں اور بری باتوں سے اجتناب۔ نیکی اور اچھائی کی پندونصیحتوں پر عمل۔ اس سورۃ میں حضرت لقمان کی نصیحتیں بیان کر کے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ دنیائے عقلمند ان باتوں کی اچھائی پر متفق ہیں جنہیں قرآن میں اچھا کہا گیا ہے اور ان باتوں کو برا جانتے ہیں جن کو قرآن میں برا بتایا گیا ہے۔ پھر جتلایا گیا کہ آنکھیں کھول کر انسان دیکھے تو اللہ کی قدرت کی نشانیاں تمام عالم میں ظاہر ہیں جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اخیر میں قیامت کی باز پرس سے ڈرایا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ یہ ہے خلاصہ اس پوری سورۃ کے مضامین کا جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں آئیں گی۔

اس تمہیدی تشریح کے بعد ان آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات الٓمٓ سے فرمائی گئی۔ حروف مقطعات کے متعلق پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ان کے حقیقی مطلب اور معنی حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یا حق تعالیٰ کے بتلانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا حروف مقطعات پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے کہ یہ بھید ہے اللہ اور رسول کے درمیان جو بوجہ مصلحت وحکمت ظاہر نہیں فرمایا گیا۔ آگے قرآن کی مدح وفوائد کے بیان سے مضمون سورۃ شروع کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ آیتیں جو تم کو سنائی جاتی ہیں یہ ایک پرحکمت کتاب یعنی قرآن کریم کی آیتیں ہیں۔ جو کچھ اس میں ہے وہ بندوں کے لئے عین حکمت ہے۔ نیک بختوں کے لئے ہدایت ہے۔ ان کو مقاصد دینی و دنیوی میں راہ راست دکھاتی ہے اور نیز رحمت بھی ہے کہ بہ نسبت امم سابقہ کے اس امت کے لئے اس میں نہایت سہل احکام ہیں۔ نیز یہ بھی کہ اس کے ماننے والے پر اور تلاوت کرنے والے پر اور اس پر عمل کرنے والے پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ تو اگرچہ یہ کتاب نفس نصیحت و فہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت ورحمت بن کر آئی ہے مگر فائدہ اس سے وہی اٹھاتے ہیں جو محسنین ہیں یعنی نیکوکار ہیں۔ نیکی اختیار کرنے والے ہیں۔ قرآن کریم کے ابتدا ہی میں یعنی سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی ایسی ہی آیت آئی ہے جہاں ھدی للمتقین فرمایا ہے یعنی یہ کتاب ہدایت نازل اگرچہ ساری دنیا کے لئے ہوئی ہے۔ خطاب سارے عالم سے کررہی ہے لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر خوف خدا موجود ہو اور جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ لاکھ عالمتاب سہی لیکن جن کی بصیرت ہی ضائع ہوچکی ان کے لئے

تیز سے تیز شعاع بیکار ہے۔ زمین اگر مردہ ہے تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے۔ غذا بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ ہو مگر ہیضہ کے مریض کے لئے لاحاصل بلکہ مضر ہے۔ سی طرح قرآن مجید سے استفادہ کے لئے اولین شرط دل کے اندر کا تقویٰ اور خوف خداوندی ہے۔ اسی طرح یہاں فرمایا **ھُدًی و رحمۃ للمحسنین** یعنی یہ کتاب ہدایت ورحمت ہے محسنین کے لئے۔ اب محسنین کون ہیں اور ان کی کیا صفات ہوتی ہیں یہ آگے بتایا جاتا ہے۔

پہلی صفت بتائی گئی۔ **یقیمون الصلوٰۃ** قائم اور درست رکھتے ہیں نماز کو یعنی خشوع وخضوع اور تمام آداب وشرائط ظاہری و باطنی کے ساتھ نماز کو ٹھیک ادا کرتے ہیں۔ بدنی عبادات میں نماز سب سے اہم ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔

دوسری صفت **ویؤتون الزکوٰۃ** فرمائی یعنی جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ مالی عبادت میں اہم ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔

تیسری صفت فرمائی **وھم بالاخرۃ ھم یوقنون**۔ اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ صفت جمیع اجزاء کو شامل ہے اس لئے کہ جو دار آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات بھی ایمان رکھتا ہے جو دار آخرت میں جزا وسزا کا دینے والا ہے اور اسی طرح ملائکہ اور انبیاء اور کتب الٰہیہ پر بھی ایمان رکھتا ہے جو دار آخرت کے لئے سعادت کے ہادی ہیں اور شقاوت سے مانع ہیں۔ یہاں دار آخرت کا ذکر اس لئے ہوا کہ یہی مسئلہ اہم تھا مخالف زیادہ تر اسی کے منکر تھے۔

اور دین اسلام میں توحید کے بعد آخرت کا مسئلہ ہی بنیادی حیثیت کا ہے۔ اللہ کے سارے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی ساری کتابوں نے آخرت کو ماننے اور اس پر ایمان لانے اور یقین رکھنے کی دعوت دی اور قرآن کریم نے تو آخرت کے مسئلہ پر اتنا زور دیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس پر اتنی روشنی ڈالی گئی ہے کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کا بہت زیادہ حصہ آخرت ہی کے بیان سے متعلق ہے۔ اور آخرت پر ایمان ویقین کا مطلب یہی ہے کہ اس حقیقت کا یقین کیا جائے کہ یہ دنیا ایک دن قطعی طور پر فنا کر دی جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت سے پھر سارے ازابتدا تا انتہا دنیا میں مرنے والوں کو جلائے گا۔ اور ان کا حساب کتاب ہوگا اور یہاں دنیا میں جس نے جیسا کچھ کیا ہے اسی کے مطابق جزا یا سزا اس کو دی جائے گی اور اسی جزا وسزا کے نتیجہ میں تمام انسانوں کا آخری۔ اور ابدی ٹھکانا جنت یا دوزخ ہوگا۔ جنت اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت ورافت اور فضل وکرم اور انعام واکرام کا انتہائی مظہر ہے اور اس کی خوشنودی کا مقام ہے جہاں اس کی صفات جمالیہ کا پورا پورا ظہور ہوگا اور اسی طرح دوزخ اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا انتہائی مظہر ہے اور اسکی ناراضی اور غصہ وغضب کا مقام ہے جہاں اس کی صفات جلالیہ کا پورا پورا ظہور ہوگا۔ یہی عقیدہ آخرت کی جزا وسزا کا ہے کہ اگر آدمی اس کا قائل نہ ہو تو پھر وہ کسی دین ومذہب اور اس کی تعلیمات وہدایات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت کا قائل نہ ہوگا۔ تو محسنین یعنی نیکوکاروں کی تیسری اہم صفت بتلائی گئی کہ وہ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں یعنی انہیں اس دنیا کی زندگی میں ہر حال میں اس کا احساس رہتا ہے کہ میں آزاد اور خود مختار نہیں ہوں بلکہ کسی آقا کا بندہ اور غلام ہوں اور اس کے احکام کا پابند ہوں اور اپنی ساری کارگزاریوں پر اپنے آقا کے سامنے مجھے جواب دہی کرنی ہے۔

آگے ان محسنین کیلئے دو باتیں انعام میں عطا کرنے کا اظہار فرمایا گیا ایک **اولٰئک علی ھدی من ربھم** یعنی یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ہدایت پر قائم ہیں۔ نہ کہ وہ لوگ جو کہ دیگر اعمال بد کر کے ان کو سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں گویا ان کے ہدایت پر ہونے کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دے دی اور پورا اطمینان دلا دیا۔ دوسری بات **و اولٰئک ھم المفلحون**۔ فرمائی کہ یہی فلاح پانے والے ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ نہ کہ برخلاف لوگ۔ اس طرح نجات آخرت کا بھی پورا اطمینان دلا دیا۔

یہاں تو محسنین یعنی نیک کاروں اور نیک بختوں کا بیان ہوا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے ہیں۔ اب آگے ان کے برخلاف ان بدبختوں کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے اللہ کے دین اور اس کی کتاب سے خود برگشتہ ہیں اور دوسروں کو بھی برگشتہ رکھنا چاہتے ہیں۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ

اور بعضا آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے

وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا

اور اس کی ہنسی اڑاوے ایسے لوگوں کیلئے ذلت کا عذاب ہے۔ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جیسے اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ثقل ہے سو اس کو ایک درد ناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹

اور انہوں نے نیک کام کیے اُن کیلئے عیش کی جنتیں ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

وَمِنَ اور سے	النَّاسِ لوگ	مَنْ جو	يَّشْتَرِيْ خریدتا ہے	لَهْوَ الْحَدِيْثِ کھیل کی (بیہودہ) باتیں	لِيُضِلَّ تاکہ وہ گمراہ کرے
عَنْ سے	سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کا راستہ	بِغَيْرِ عِلْمٍ بے سمجھے	وَيَتَّخِذَهَا اور وہ اُسے ٹھہراتے ہیں	هُزُوًا ہنسی مذاق	اُولٰٓئِكَ یہی لوگ
لَهُمْ ان کیلئے	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ذلت کا عذاب	وَاِذَا اور جب	تُتْلٰى عَلَيْهِ پڑھی جاتی ہیں اس پر	اٰيٰتُنَا ہماری آیتیں	وَلّٰى وہ منہ موڑ لیتا ہے
مُسْتَكْبِرًا تکبر کرتے ہوئے	كَاَنْ گویا	لَّمْ يَسْمَعْهَا اُس نے اُسے سنا نہیں	كَاَنَّ گویا	فِيْۤ اُذُنَيْهِ اس کے کانوں میں	وَقْرًا گرانی
فَبَشِّرْهُ پس اسے خوشخبری دو	بِعَذَابٍ عذاب کی	اَلِيْمٍ دردناک	اِنَّ الَّذِيْنَ بے شک جو لوگ	اٰمَنُوْا ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے
الصّٰلِحٰتِ اچھے	لَهُمْ ان کے لئے	جَنّٰتُ النَّعِيْمِ نعمتوں کے باغات	خٰلِدِيْنَ ہمیشہ رہیں گے	فِيْهَا اس میں	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ
	حَقًّا سچا	وَهُوَ اور وہ	الْعَزِيْزُ غالب	الْحَكِيْمُ حکمت والا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں محسنین یعنی نیک کاروں اور نیک بختوں کا ذکر ہوا تھا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے ہیں اور اسے پڑھ کر یا سن کر نفع اٹھاتے ہیں۔ اب ان کے مقابلہ میں ان بدبختوں کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر۔ ناچ رنگ۔ گانا بجانا۔ کھیل تماشے یا دوسری واہیات وخرافات میں مستغرق ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل اور تفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے برگشتہ کردیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات کا ایک خاص شان نزول ہے نضر بن حارث جو کفار مکہ میں ایک رئیس تھا بغرض تجارت وسوداگری فارس جاتا تو وہاں سے شاہانِ عجم کے قصے وکہانیاں خرید کر لاتا اور قریش مکہ سے کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں۔ ان میں عاد وثمود وغیرہ کی بربادی کیا سنتے ہو جس سے سوائے رنج وغم کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لو یہ ایرانی بادشاہوں اور پہلوانوں اور سورماؤں کے قصے اور ان کی عشق ومحبت کی داستانیں سنو جن میں تمہارا جی لگے اور لطف حاصل ہو اور زندگی کے اصل مشغلے تمہارے سامنے آئیں۔ تو بعض اہل مکہ ان کو دلچسپ سمجھ کر ادھر متوجہ ہوجاتے۔ علاوہ ازیں اس نضر بن حارث نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی جس کو دیکھتا کہ اس کا دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکنے لگا تو

اس کے پاس اس لونڈی کو لے جاتا اور دل بہلانے کے لئے شراب کباب بھی ساتھ رہتا۔ اس لونڈی سے کہہ دیتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سنا۔ پھر اس شخص سے کہتا کہ دیکھ یہ بہتر ہے یا وہ جس طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ اور جان مارو۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

پس شان نزول گو خاص ہو مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ برخلاف محسنین کے بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ جو قرآن سے اعراض کر کے ایسی باتیں اختیار کرتے ہیں کہ جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں۔ یہاں آیت میں **لھو الحدیث** کے الفاظ آئے ہیں جس سے مفسرین نے کئی معنی مراد لئے ہیں۔ یعنی غنا۔ موسیقی۔ گانا بجانا۔ بیہودہ فضول جھوٹے قصے لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ اس میں گانے کا حصر اور تعین نہیں بلکہ اس کے مشابہ چیزیں گو یا ہر بیکار۔ غیر مفید مشغلہ اس کے تحت میں داخل ہے جو حق کی طرف سے غفلت اور بے رغبتی پیدا کرنے والا ہو۔ اس طرح وہ سارے کھیل تماشہ جو جدید تہذیب اور تمدن نے خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرنے کے لئے گھڑ لئے ہیں جیسے سینما۔ تھیٹر۔ پکچر۔ ٹیلیویژن۔ ناول قصے۔ ڈرامے۔ غزل و افسانے وغیرہ وغیرہ یہ سب ممنوع اور ناجائز اور لہو الحدیث کے تحت میں آجاتے ہیں۔ علمائے محققین نے یہاں لکھا ہے کہ جو لہو یا مشغلہ دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو وہ حرام بلکہ کفر ہے۔ اور جو احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا سبب معصیت بنے وہ معصیت ہے ہاں جو لہو کسی امر واجب کا فوت کرنے والا نہ ہو اور کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی اس میں نہ ہو وہ مباح ہے لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ گھوڑ دوڑ۔ تیر اندازی۔ یا نشانہ بازی یا زوجین کی ملاعبت جو حد شریعت میں ہو چونکہ معتدبہ اغراض اور مصالح شرعیہ پر مشتمل ہیں اس لئے لہو باطل سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں۔ الغرض ان آیات میں یہاں بتلایا گیا کہ بعض لوگ اللہ اور رسول اور دین و اسلام کی باتوں سے روک کر کھیل تماشہ۔ گانے بجانے اور دیگر خرافات مشاغل و تفریحات میں لگاتے ہیں جس سے مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی بتائی ہوئی باتوں سے روکیں اور جس راہ پر دین اور قرآن انہیں چلانا چاہتا ہے اس کی ہنسی اڑائیں اور کہیں کہ اس دین نے تو انسان کی تفریح اور دل لگی کی ساری باتیں بند کر دیں۔ ہر وقت قرآن سنو۔ نماز پڑھو۔ مستحقین کی مالی امداد کرو۔ اللہ کی اطاعت و بندگی کرو۔ بس یہی چرچا رہتا ہے یہ بھی کوئی زندگی میں زندگی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ سن لیں کہ جس زندگی کی طرف وہ بلا رہے ہیں اس کا نتیجہ سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں اور عذاب بھی ایسا جس میں سوائے ذلت کے کچھ نصیب نہ ہو۔ جو لوگ خدا کی راہ کو ہنسی بنا لیتے ہیں اور آیات خدا کو بھی مذاق میں اڑا دیتے ہیں اور زندگی بھر جنہوں نے دین حق کی تحقیر اور بے وقعتی کی وہ نالائق اسی قابل ہیں کہ کل یوم آخرت میں ان کی بھی ہر طرح ذلت و رسوائی ہو۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ بدنصیب جو کھیل تماشوں۔ باجوں گاجوں اور راگ راگنیوں پر ریجھے ہوئے ہیں اور قرآن کی آیتوں سے بھاگتے ہیں۔ ان سے کان بہرے کر لیتے ہیں۔ یہ انہیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں اور سن بھی لیا تو بے سنی کر کے ٹال دیتے ہیں چونکہ ان کی کوئی اہمیت اور عزت ان کے دل میں نہیں۔ ایسے لوگ سن لیں کہ یہاں آج دنیا میں وہ خدا کی آیتوں سے اکتاتے ہیں تو کل قیامت کے دن عذاب بھی وہ ہوں گے کہ جو یہ اکتا اکتا اٹھیں گے۔ یہاں آیات قرآنیہ سن کر انہیں دکھ ہوتا ہے۔ وہاں دکھ دینے والے عذاب اسے بھگتنے پڑیں گے۔ تو اگر چہ ان آیات میں کفار مکہ کی طرف روئے سخن ہے مگر اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلام اور کار خیر سے روکنے کی سینکڑوں تدبیریں کیا کرتے ہیں۔ کہیں اسلام پر جھوٹے اعتراضات کرتے ہیں کبھی اہل اسلام کے نماز روزہ پر تمسخر کیا جاتا ہے۔ کہیں ناچ رنگ کی مجلسیں کر کے صدہا بندگان خدا کو آلودہ کیا جاتا ہے کہیں علوم اسلام اور علمائے کرام کی توہین کر کے

علم دین سے روکا جاتا ہے اور کفار کے لایعنی علوم کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے۔ تو اس میں کفار مکہ ہی کی خصوصیت نہیں جو کوئی بھی ان جیسا ہو ان سب کے لئے عذاب الیم کا مژدہ ہے۔

آگے قرآن کریم کی جیسے عادت ہے کہ جب اہل شقاوت کا ذکر اور ان کی سزا کا بیان ہوتا ہے تو اہل سعادت اور ان کے انعام و اکرام کا ذکر بھی آتا ہے اس لئے آگے اہل سعادت کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ جو لوگ قرآن کا اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کا یقین کریں گے اور وہ اچھے کام جو اس نے بتائے ہیں اختیار کریں گے۔ ان کو آخرت میں نعمتوں سے بھرے ہوئے آرام و راحت کے باغ رہنے کو ملیں گے اور عارضی طور پر نہیں بلکہ ہمیشہ رہنے کے لئے اور وہ سدا انہیں میں رہا کریں گے یہ اللہ کا وعدہ ہے اور بالکل سچا ہے یہ پورا ہو کر رہے گا اور وہ زبردست حکمت والا ہے پس کمال قدرت سے وعدہ اور وعید کو واقع کر سکتا ہے اور حکمت سے اس کو حسب وعدہ واقع کرے گا۔

ان آیات میں ایک تعلیم تو یہ ملتی ہے کہ انسان کو چاہئے کہ فضول باتوں اور تضیع اوقات سے بچے اور ان باتوں کو سنے جن میں اس کا سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے اور یہ باتیں وہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ انہیں چھوڑ کر بے کار قصہ کہانیوں۔ ناچ گانوں اور واہ واہ کے شور وغل اور تفریح اور دل لگی کے کاموں میں لگنا عذاب آخرت کو دعوت دینا ہے جس کی سختی ناقابل برداشت ہوگی۔ اگر ہمارا دل قرآن مجید کے سننے سنانے۔ اللہ کی عبادت اور دین کے کاموں میں نہیں لگتا اس کے برخلاف ناول۔ قصے۔ ڈرامے۔ غزل افسانے۔ ناچ گانے اور تفریح کے سامان میں ہمیں دلچسپی ہے تو یہ آثار اچھے نہیں یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے اور صرف آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا کی بھی تباہی مول لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالات پر رحم فرمائیں۔

دوسری تعلیم یہ ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جو انعام و اکرام کا وعدہ فرمایا ہے اور سچا وعدہ فرمایا ہے ان کی امید رکھنا اور ایمان اور عمل صالحہ سے غافل رہنا یہ اول درجہ کی حماقت ہے۔ یہ جنت نعیم کا وعدہ تو حق تعالیٰ کا مومنین مخلصین اور عاملین صالحین ہی کے لئے ہے نہ کہ صرف نام کے اور گوشت کھانے کے مسلمانوں کے لئے جن کا مسلک یہ ہو کہ۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

الغرض یہ آیات **وھو العزیز الحکیم** کے جملہ پر ختم فرمائی گئیں یعنی وہ بڑی قوت اور حکمت والا ہے اسی نسبت سے آگے اللہ کی قوت اور بعض حکمتوں کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جہاں ہم کو یہ توفیق اور سعادت اپنے قرآن پاک کے پڑھنے اور سننے سنانے کی نصیب فرمائی ہے وہیں حق تعالیٰ ہم کو قرآن پاک کے اتباع کا ذوق شوق بھی نصیب فرمادیں۔ اور ہمارے قلوب کو ہدایات قرآنی سے منور فرمائیں۔ اور دین سے غفلت پیدا کرنے والی ہر چیز سے بچائیں۔ اس وقت جو ممنوعات شرعیہ کا طوفان امڈا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس وقت میں ہمیں دین کو مقدم رکھنے اور ہر چھوٹی بڑی معصیت و نافرمانی سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائیں۔

اے اللہ ہمارے لئے ان باتوں اور کاموں کو جو کہ آپ کے اور آپ کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے ہوں سہل اور آسان فرما دیجئے۔ اور ان باتوں اور کاموں کو جو آپ کی ناراضی کا باعث ہوں ان کو ہمارے لئے محال اور ناممکن بنا دیجئے۔

اے اللہ آخرت میں اپنے فضل و کرم سے ہم کو اور ہمارے والدین کو اور ہماری اولادوں اور نسلوں کو مومنین مخلصین اور عاملین صالحین کے گروہ میں شامل فرما کر جنت نعیم میں رہنا نصیب فرمائیں۔ آمین۔ وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلاستون کے بنایا تم اُن کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانوا ڈول نہ ہونے لگے اور اس میں

فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾

ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اُگائے۔ یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾

اب تم لوگ مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں بلکہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

اور ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو، اور جو شخص شکر کرے گا وہ اپنے ذاتی نفع کیلئے شکر کرتا ہے اور ناشکری کرے گا تو

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

اللہ تعالیٰ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔

خَلَقَ اس نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمان (جمع)	بِغَيْرِ عَمَدٍ بغیر ستون	تَرَوْنَهَا تم انہیں دیکھتے ہو	وَاَلْقٰى اور اسنے ڈالے	فِى الْاَرْضِ زمین میں		
رَوَاسِىَ پہاڑ (جمع)	اَنْ کہ	تَمِيْدَ بِكُمْ جھک (نہ) جائے تمہارے ساتھ	وَبَثَّ اور پھیلائے	فِيْهَا اس میں	مِنْ كُلِّ ہر قسم	دَآبَّةٍ جانور	
وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے اتارا	مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے	مَآءً پانی	فَاَنْۢبَتْنَا پھر ہم نے اگائے	فِيْهَا اس میں	مِنْ كُلِّ ہر قسم	زَوْجٍ جوڑے	
كَرِيْمٍ عمدہ	هٰذَا یہ	خَلْقُ اللّٰهِ خلقت (بنایا ہوا) اللہ کا	فَاَرُوْنِىْ پس تم مجھے دکھاؤ	مَاذَا کیا	خَلَقَ پیدا کیا	الَّذِيْنَ وہ جو	مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا
بَلْ بلکہ	الظّٰلِمُوْنَ ظالم (جمع)	فِىْ میں	ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کھلی گمراہی	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور البتہ ہم نے دی	لُقْمٰنَ لقمان	الْحِكْمَةَ حکمت	اَنِ کہ
اشْكُرْ تم شکر کرو	لِلّٰهِ اللہ کا	وَمَنْ اور جو	يَّشْكُرْ شکر کرتا ہے	فَاِنَّمَا تو اسکے سوا نہیں (صرف)	يَشْكُرُ وہ شکر کرتا ہے	لِنَفْسِهٖ اپنے لئے	
	وَمَنْ كَفَرَ اور جس نے ناشکری کی	فَاِنَّ اللّٰهَ تو بیشک اللہ	غَنِىٌّ بے نیاز	حَمِيْدٌ تعریفوں کے ساتھ			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مومنین وصالحین اور انکا آخرت میں انجام اور منکرین ومخالفین قرآن کا انجام دونوں بیان فرمائے گئے تھے۔ مومنین وصالحین کے لئے انعام واکرام کا وعدہ اور دائمی جنت کی بشارت سنائی گئی تھی اسی طرح منکرین ومخالفین قرآن کو عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی تھی۔ اور یہ وعدہ اور وعید بیان فرما کر آگاہ کیا گیا تھا کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا اور اٹل ہے اور ساتھ ہی بتلایا گیا تھا کہ وہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔ اس لئے اس کا وعدہ پورا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جھوٹ وہ بولتا ہے جو عاجز ہو یا احمق اور خدا ان دونوں سے پاک ہے پھر وہ جھوٹا وعدہ کیوں کرے گا۔

گذشتہ آیات کا مضمون وھو العزیز الحکیم کے جملہ پر ختم فرمایا تھا یعنی وہ بڑی قوت اور حکمت والا ہے۔ اس کی قوت کے آگے کسی کی قوت نہیں چلتی اور اس کا کوئی کام یا حکم حکمت سے خالی نہیں۔ اب ان آیات میں اس کی قوت وحکمت کو ظاہر کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ تم اس کی قوت اور حکمت کا اندازہ اس سے کر سکتے ہو کہ نظر اٹھا کر آسمان کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان بلاستون کے بنائے یعنی اس دنیا کی ایسی عظیم الشان بلند اور

مضبوط چھت خدا نے بنائی جسے تم دیکھتے ہو اور لطف یہ ہے کہ کوئی ستون اور کھمبا دکھائی نہیں دیتا جس پر اتنی بڑی ڈاٹ کھڑی کی گئی ہو۔ بجز اس کے اور کیا کہا جاوے کہ محض اس کی قدرت کے سہارے اس کا قیام ہے۔ دوسری مثال اس کی قدرت کی یہ بیان فرمائی کہ زمین کو مضبوط کرنے اور ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری بھاری پہاڑ رکھ دیئے تا کہ زمین اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لے کر بیٹھ نہ جائے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ابتدائے آفرینش میں مضطربانہ طور پر ہلتی اور کانپتی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کئے جن سے زمین کی کپکپی بند ہوئی۔ آج کی جدید سائنس نے بھی اقرار کیا ہے کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے باقی پہاڑوں کے پیدا کرنے کی حکمت کچھ اسی میں منحصر نہیں دوسرے فوائد اور حکمتیں ہوں گی جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ تیسری مثال قدرت الٰہیہ کی یہ بیان فرمائی کہ زمین پر قسم قسم کے جانور اس خالق حقیقی نے پیدا کئے کہ آج تک کوئی ان کا حصر و شمار نہ کر سکا۔ کوئی پاؤں سے چلنے والے کوئی بغیر پاؤں کے چلنے والے۔ کوئی دو پاؤں پر چلنے والے کوئی چار پاؤں پر اور کوئی اس سے بھی زیادہ چوتھی مثال بیان فرمائی کہ آسمان سے بارش اتار کر زمین میں سے طرح طرح کی پیداوار اگا دی۔ قسم قسم کی جڑی بوٹیاں۔ پودے اور خوش منظر نفیس اور کار آمد درخت۔ ترکاریاں میوے۔ غلہ وغیرہ پیدا کئے۔ قدرت خداوندی کی مثالیں بیان فرما کر مسئلہ توحید جو قرآن کریم کی اہم تعلیم ہے بیان کرنے کا قرینہ نکل آیا اس لئے اہل شرک کو چیلنج دیا جاتا ہے کہ اللہ کی قدرت۔ صفت و حکمت پر تو آسمان زمین میں ایسے ایسے روشن دلائل اور نشانیاں موجود ہیں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اب تم ذرا بتاؤ کہ تمہارے دیوی دیوتاؤں اور جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان کے کون سے مخلوقات اور مصنوعات ہیں؟ دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے کیا کیا بنایا ہے؟ جب نہیں دکھلا سکتے تو کس منہ سے ان کو خدائی کا شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جس کے دست قدرت میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو۔ تمہارے معبودوں کو تو ایک ذرہ پیدا کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ تو باوجود اس قدر صاف اور واضح دلیل کے یہ بے انصاف لوگ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہیں ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں۔ صریح گمراہی اور جہالت کے اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ سبحان اللہ رد شرک کے لئے کیا عمدہ دلیل و برہان ہے جس کو کہ ایک اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ اور ایک حکیم و دانا سے لے کر ایک جاہل گنوار تک برابر سمجھ سکتا ہے اس موقع پر حضرت علامہ عبدالحق محدث و مفسر دہلویؒ مؤلف تفسیر حقانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک پادری صاحب بڑے زور شور سے دعوے کر رہے تھے کہ عیسیٰ مسیح خدا ہے اور خدا کا بیٹا ہے۔ اتفاقاً وہاں ایک دیہاتی گنوار بھی موجود تھا۔ اس نے کہا پادری صاحب اگر عیسیٰ خدا کا سپوت یعنی لائق بیٹا ہے تو کوئی آسمان و زمین اس کا بنایا ہوا بھی دکھاؤ اور جو اس نے باپ کی طرح کوئی چیز نہیں بنائی تو کپوت یعنی نالائق بیٹے کا ذکر کیا ہے۔ پادری صاحب بغلیں جھانکنے لگے اور کچھ جواب نہ بن پڑا۔

آگے شرک و عصیان کی مذمت اور برائی ظاہر کرنے کے لئے حضرت لقمان اور ان کی نصیحتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان کے لئے جو مفید اور اچھی باتیں ہیں ان کی عقلمند انسانوں نے اپنی فطری سوچ و سمجھ سے ہمیشہ تصدیق اور تائید کی ہے اور خدائے تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا اعتقاد ان حکما کا بھی قول ہے کہ جن کی حکمت کے اہل عرب بھی قائل ہیں اور جن کے اقوال دلائل عقلیہ پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے یہاں آگے لقمان حکیم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک وضاحت یہ سمجھ لی جائے کہ حضرت لقمان کے ساتھ حکیم کا لفظ جو لگایا جاتا ہے تو یہ طبیب کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ ہمارے ہاں حکیم کو طبیب کا ہم معنی غلطی سے سمجھ لیا گیا ہے حکیم عقل اور دانش رکھنے والے کو کہتے ہیں اور اسی لئے حضرت لقمان کو حکیم کہا جاتا ہے۔

یہ حضرت لقمان کون تھے؟ کہاں کے رہنے والے تھے؟ کس زمانہ میں ہوئے؟ مفسرین میں ان کی شخصیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اتنا تو بہر حال ظاہر ہے کہ کوئی مقبول اور صالح و برگزیدہ بندہ تھے اور ایسے کہ اہل عرب قرآن کے مخاطبین اول ان کے نام سے مانوس تھے اور انکی عاقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی تھیں۔ یہاں رب العزت نے انکی نصائح کا ایک حصہ نقل فرما کر ان کا مرتبہ اور زیادہ بڑھا دیا۔ تو اہل عرب کے یہاں ان کی شخصیت مشہور ہونے کے باوجود انکے حالات۔ خاندان و نسب سے متعلق مختلف اقوال اور متضاد رائیں

پائی جاتی ہیں اور یہ اس لئے کہ قدیم تاریخ اور کلام جاہلیت میں ایک نہیں اس نام کے تین تین شخصوں کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت لقمان کے متعلق یہ اختلاف سلف سے چلا آرہا ہے کہ آیا آپ نبی تھے یا محض ولی اور بندۂ صالح۔ دونوں قول منقول ہیں لیکن جمہور علمائے مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے کہ آپ نبی نہ تھے صرف حکیم تھے۔ آپ کے زمانہ کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔ ملک حبشہ کے رہنے والے تھے اور ایک آزاد شدہ غلام تھے لیکن علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جو تحقیق اپنی کتاب ارض القرآن اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے جو اپنی تحقیق قصص القرآن میں لکھی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا زمانہ 3000ء ق۔م۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی بہت پہلے کا ہے اور آپ قوم عاد ثانیہ کے ایک نیک نفس بادشاہ تھے اور حضرت ہود علیہ السلام کے پیرو تھے اور عربی النسل تھے۔ بہرحال حضرت لقمان عرب میں نزول قرآن کے وقت تک اپنی فہم و فراست اور عقل و دانش کی بنا پر "حکیم" کے لقب سے مشہور تھے اسلئے مشرکین مکہ کو یاد دلایا جاتا ہے کہ جن کی حکمت کے تم بھی قائل ہو وہ بھی توحید کے قائل تھے اور شرک سے بیزار تھے چنانچہ انہی حضرت لقمان کی بعض نصیحتوں کو حق تعالیٰ نے یہاں اس سورۃ میں بیان فرمایا ہے۔ اب یہاں ایک تنبیہ مفسرین نے لکھی ہے کہ اگر کوئی معترض اشکال کرے کہ کتاب الٰہی میں کسی حکیم کی یونہی نصیحتیں نقل کردی جاویں تو کتاب الٰہی پر دھبہ لگتا ہے کہ گویا خدا حکیموں سے نصیحتیں سیکھ کر بیان فرماتا ہے اس لئے اس رفع اعتراض کے لئے اس جگہ یہ اسلوب بدل دیا اور کلام اللہ ہونے کی اس میں بھی شان دکھلادی اس لئے اول فرمایا ولقد اتینا لقمٰن الحکمۃ۔ اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت و دانائی عطا کی تاکہ ناظرین کو معلوم ہوجائے کہ حضرت لقمان کی یہ نصیحتیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہام یا تعلیم کی ہوئی ہیں۔ تو یہاں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی اور ساتھ ہی ان کو یہ حکم دیا کہ میری سب نعمتوں پر عموماً اور نعمت حکمت پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرنا اور اس کا حق ماننا ضروری ہے لیکن واضح رہے کہ اس حق شناسی اور شکر گزاری سے خدائے قدوس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ جو کچھ فائدہ ہے خود شاکر کا ہے کہ دنیا میں شکر گزاری کی بدولت مزید انعام اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگر کوئی ناشکری کرے گا تو خود اپنا نقصان کرے گا۔ کیونکہ اللہ کی ذات تو بے نیاز ہے اس کو کسی کے شکر کی کیا حاجت اور پرواہ ہوسکتی ہے۔ اس کی حمد و ثنا تو ساری مخلوق زبان حال سے کررہی ہے اور بفرض محال کوئی تعریف کرنے والا نہ ہو تب بھی وہ جامع الصفات اور منبع کمالات ہونے کی بنا پر وہ بذات خود محمود ہے کسی کے حمد و شکر کرنے یا نہ کرنے سے اس کے کمالات میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوتی۔

یہاں دلائل توحید کے ساتھ یہ تعلیم دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر واجب ہے۔ اب شکر ادا کرنے کے لئے شکر کی ماہیت معلوم ہونی ضروری ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ شکر کے دو رکن ہیں۔ علم و عمل۔ اول علم "یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا نیز یہ سمجھنا کہ تمام نعمتیں حق تعالیٰ ہی مرحمت فرماتا ہے اور جس قدر اسباب اور واسطے اس نعمت کے ہم تک پہنچنے میں پیش آئے ہیں وہ سب اللہ پاک ہی کے قبضہ میں ہیں کہ اس کے حکم بغیر نہ کوئی ذرہ حرکت کرسکتا ہے نہ کوئی چیز کسی کو مل سکتی۔ دوسرا رکن عمل یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضامندی میں استعمال کرنا اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب یہ معلوم ہو کہ کیا چیز کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے مثلاً آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے دیکھنے اور آسمان و زمین کی مخلوقات کو اس غرض سے دیکھنے میں صرف کرے کہ عبرت و نصیحت حاصل ہو اور خالق برتر کی معرفت و عظمت اور کبریائی سے آگاہی حاصل ہو اور ستر دیکھنے اور نامحرم پر نظر ڈالنے سے اسے روکے۔ اسی طرح کان ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ذکر الٰہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دیں اور لغو اور فضول اور گناہ کی باتیں سننے سے روکے۔ اسی طرح زبان کو یاد خدا اور حمد و ثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور بے جا شکوہ و شکایت اور فضول گناہ کی باتوں سے سے باز رکھے۔ غرض کہ تمام اعضاء و جوارح و مال و متاع اور عزت و جاہ سب کا شکر یہی ہے کہ ان کو حق تعالیٰ کی طاعت میں مشغول رکھا جائے کیونکہ انسان پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے اور ان کو ان باتوں اور کاموں سے روکا جائے جن سے منع کیا گیا ہے۔

اب آگے حضرت لقمان نے جو اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا وہ اگلی آیات میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝۱۳

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔

وَإِذْ اور جب	قَالَ کہا	لُقْمٰنُ لقمان	لِابْنِهٖ اپنے بیٹے کو	وَهُوَ اور وہ	يَعِظُهٗ اسے نصیحت کر رہا تھا	يٰبُنَيَّ اے میرے بیٹے	
	لَا تُشْرِكْ تو نہ شریک ٹھہرا	بِاللّٰهِ اللہ کے ساتھ	اِنَّ الشِّرْكَ بیشک شرک	لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ البتہ ظلم عظیم			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اثبات توحید اور مذمت شرک کے سلسلہ میں حضرت لقمان کا ذکر ہوا تھا جو بوقت نزول قرآن عرب میں اپنی فہم وفراست اور عقل ودانش کی بنا پر ''حکیم'' کے لقب سے مشہور تھے۔قرآن کریم نے آپ کی عقل وفہم اور متانت و دانائی کی تعریف فرمائی۔آپ نے عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں جو پیغمبروں کے احکام و ہدایات کے موافق تھیں۔ یہاں حضرت لقمان کے ذکر سے مشرکین کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ شرک کا قبیح ہونا جس طرح فطرت انسانی کی شہادت اور انبیاء کی وحی سے ثابت ہے اسی طرح دنیا کے منتخب عقلمند بھی اپنی عقل سے شرک کی برائی کی تائید اور تصدیق کرتے رہے ہیں۔پس توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا کھلی ہوئی گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ چنانچہ اب حضرت لقمان کی وہ نصیحتیں بیان کی جاتی ہیں جو انہوں نے بوقت فہمائش اپنے فرزند کو کی تھیں۔ یہ معلوم نہیں کہ بیٹا مشرک تھا اور سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا اور اسے مضبوط جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیتیں فرمائی تھیں۔حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو سب سے پہلی نصیحت جس کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا ہے وہ شرک باللہ سے اجتناب اور توحید کے التزام کی ہے کیونکہ ''دین حق'' میں یہی وہ حقیقت ہے جو حنیف کو مشرک سے ممتاز کرتی ہے اور شرک ہی سب سے بڑا گناہ ہے کہ جو کسی حالت میں بھی قابل بخشش نہیں مگر یہ کہ اس سے صحیح اور سچی توبہ دنیا ہی میں کرلی جائے۔اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا۔ بیشک شرک کرنا ظلم عظیم یعنی بڑا بھاری ظلم ہے۔حضرت لقمان نے شرک کو ''ظلم عظیم'' فرمایا۔ اس سلسلہ میں بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ جب ساتویں پارہ سورۂ انعام کی یہ آیت نازل ہوئی۔ **الذین امنوا ولم یلبسوآ ایمانهم بظلم اولئک لهم الامن وهم مهتدون** ۝ (وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو۔ ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی سیدھی راہ پر چل رہے ہیں) یعنی خدا کی مغفرت اور رحمت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بات بہت شاق گزری اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا تو کوئی شخص بھی نہ ہوگا جس نے خدائے تعالیٰ کے احکام کے پیش نظر کچھ نہ کچھ ظلم نہ کیا ہو تب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کیا تم نے لقمان کا یہ قول نہیں سنا **یبنی لاتشرک بالله ان الشرک لظلم عظیم** ۝ (اے بیٹے اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے) تو مطلب یہ ہوا کہ آیت **لم یلبسوا ایمانهم بظلم** میں **ظلم** سے مراد شرک ہے نہ کہ معصیت۔اسی بنا پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے آیت مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں

کرتے ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں۔تو یہاں سے معلوم ہوا کہ آدمی ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی شرک میں گرفتار ہوسکتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ مسلمان کہلانے والے بھی شرک میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔لیکن آیت مذکورہ میں ایمان وہی مطلوب ہے جس میں شرک کی ملاوٹ نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت کے تحت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا تو وہ نہ ایمان شرعی ہے نہ اس کے ذریعہ سے امن وہدایت نصیب ہوسکتی ہے۔سورۂ یوسف تیرہویں پارہ میں ایک جگہ ارشاد ہے وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔اس آیت پر حضرت علامہ عثمانی نے لکھا ہے کہ زبان سے سب کہتے ہیں کہ خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بنا رہا ہے۔کوئی اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرتا ہے۔کوئی اسے روح و مادہ کا محتاج بتاتا ہے۔کسی نے احبار و رہبان کو خدائی اختیارات دے دیئے ہیں۔ بہت سے تعزیہ پرستی۔قبر پرستی کے خس و خاشاک سے توحید کے صاف چشمہ کو مکدر کررہے ہیں۔ریا۔نام ونمود اور ہوا پرستی سے تو کتنے موحدین ہیں جو پاک ہوں گے۔غرض ایمان کا زبانی دعویٰ کرکے بہت کم ہیں جو عقیدہ یا عمل کے درجہ میں شرک جلی یا خفی کا ارتکاب نہیں کرتے۔'' اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے ہمیں اور آپ کو محفوظ فرمائیں۔

بہرحال یہاں معلوم ہوا کہ اخروی فلاح ونجات کے لئے خالص توحید الٰہی کو پکڑنا اور شرک سے بچنا کتنا اہم اور ضروری ہے۔اور اس اہمیت کی بنا پر مسئلہ توحید قرآن پاک کا خاص الخاص موضوع دعوت ہے اور قرآن کریم نے دوسرے تمام مسئلوں سے زیادہ زور اسی پر دیا ہے۔اور قرآن سے پہلے آنے والی تمام اللہ کی کتابوں اور تمام اللہ کے رسولوں کی تعلیم ودعوت کا مرکزی نقطہ بھی توحید ہی کا مسئلہ رہا ہے۔

قرآن مجید میں توحید کی تعلیم اتنی وضاحت اور ایسی تفصیل سے دی گئی ہے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا ہے جو پوری طرح روشنی میں نہ آگیا ہو کیونکہ اور امتوں قوموں نے توحید ہی کے بارے میں ہمیشہ سخت ٹھوکریں کھائیں ہیں حالانکہ اللہ کے تمام پیغمبروں اور سچے داعیوں نے اپنی اپنی قوموں کو ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی تھی بلکہ قرآن مجید کا تو بیان ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کو اللہ کے پیغمبروں اور ہادیوں نے توحید کا پیغام نہ پہنچایا ہو۔ الغرض شرک ہمیشہ سے انسانوں کی بڑی خطرناک اور بڑی عام بیماری رہی ہے اسی لئے قرآن مجید میں جو اللہ کی طرف سے آخری کتاب ہدایت ہے اور جس کے بعد انسانوں کے لئے کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں توحید کے مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ واضح اور روشن کیا گیا ہے بلکہ ان تمام دروازوں کو بھی بند کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے جس سے اگلی امتوں میں شرک آیا۔قرآن مجید نے صرف یہ کہہ کر توحید کا درس ختم نہیں کردیا کہ خدا ایک ہے اس کے سوا کسی کی بندگی اور عبادت نہ کی جائے بلکہ توحید فی الذات کے علاوہ قرآن پاک نے ایک ایک خدائی صفت کا ذکر کرکے بتلایا کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی میں ہے اور وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی وحدہ لاشریک ہے اسی طرح اپنے افعال واختیارات میں بھی وہ وحدہ لاشریک ہے اور پھر اپنے خدائی حقوق میں بھی وہ اسی طرح وحدہ لاشریک ہے۔قرآن پاک نے توحید کے ان سب پہلوؤں کو اتنا واضح کیا کہ کسی قسم کے اعتقادی یا عملی۔جلی یا خفی شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ پھر علاوہ اس درس توحید کے جو قرآن عزیز نے پیش کیا ہے اگر ذخیرۂ حدیث پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا کہ خدا کے آخری پیغمبر۔اور توحید الٰہی کے آخری ناشر اور ملت آسمانی کے آخری معلم۔ نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کتنی شدومد کے ساتھ توحید کی تعلیم دی ہے اور شرک کے استیصال میں کسی قدر جدوجہد فرمائی ہے۔ مگر اب جب کہ ہماری اکثریت قرآن و حدیث میں سے دست برداری اختیار کر لے تو ان کی تعلیمات کا علم کیسے حاصل ہو؟ اور اب تو سائنس اور ٹیکنالوجی کا وقت بتلایا جاتا ہے علم قرآن و حدیث حاصل کرنا تو درکنار اب تو کوئی سرے سے حدیث ہی کا منکر ہے تو کوئی قرآن کا مخالف و محرف انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور پھر بھی دعوئے اسلام وایمان۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک صحیح حدیث میں اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جبکہ آدمی کی تعریف صرف اس پر ہوا کرے گی کہ وہ کتنا بڑا عاقل۔ کیسا خوش مزاج اور کتنا قوی و بہادر ہے لیکن اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا پتہ نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

الغرض قرآن وحدیث کی روشنی میں اخروی فلاح ونجات کا مدار دو ہی چیزیں ہیں۔

(۱) ایک ایمان یعنی عقائد۔

(۲) دوسرے اعمال صالحہ۔ اور اعمال کو ایمان سے وہی رشتہ اور تعلق ہے جو شاخوں کو جڑ سے اور مکان کی دیواروں کو بنیادوں سے ہوتا ہے۔ شاخوں کی تروتازگی اور شادابی جڑ کی تروتازگی اور مضبوطی پر موقوف ہے اور دیواروں کی پائیداری اور چھت کا قیام بنیادوں کی مضبوطی اور استواری پر موقوف ہے اگر درخت کی جڑیں تندرست اور مضبوط ہوں گی تو اس کی شاخیں خوب پھولیں پھلیں گی اور اگر بنیادیں مضبوط ہوں گی تو دیواریں پائیدار اور چھت دیرپا ہوں گی لیکن اگر درخت کی جڑیں کرم خوردہ ہوں گی تو شاخیں مرجھا جائیں گی اور پھول پھل نہیں سکیں گی اور اگر مکان کی بنیادیں کمزور اور کھوکھلی ہوں تو دیواروں اور چھت کا بھی یہی حال ہوگا اور ایسا کمزور بنیادوں والا مکان رہائش کے قابل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی کا ایمان شرک کی ناپاکی سے ملوث ہوگا تو اس کے اعمال بھی بیکار اور بے نتیجہ ثابت ہوں گے۔ تو جب شرک ایسی لعنت اور بری بلا ہے اور ایسا سنگین جرم ہے جس سے دنیا میں اگر توبہ نہ کر لی جائے تو آخرت میں ہرگز معاف نہ ہوگا تو اس سے بچنا کس قدر ضروری ہوا۔ اور صحیح توحیدی عقائد کا حاصل کرنا کتنا لازم ہوا۔ اس لئے اسی درس کے سلسلہ میں توحید ذاتی۔ توحید الوہیت۔ توحید صفات و افعال و اختیارات اور توحید حقوق اور توحید فی الدعا اور توحید فی العبادہ کی تعلیم جو قرآن وحدیث نے پیش کی ہے اس کو آئندہ درس میں عرض کیا جائے گا تا کہ شرک کی تمام اقسام مثلاً شرک فی الذات شرک فی العلم شرک فی التصرف شرک فی الدعا اور شرک فی العبادہ وغیرہ کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔ اس لئے آئندہ درس بھی اسی آیت پر ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں توحید خالص کی دولت عطا فرمائیں اور ہر طرح کے خفی اور جلی شرک سے ہمارے اعمال وعقائد کو محفوظ رکھیں۔ اور ہم کو قرآن وحدیث سے تا زندگی وابستہ رکھیں۔ اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق حسن عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ

اور ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اُس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اُس کا دودھ چھوٹتا ہے

اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ

تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے

عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ

جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں اُن کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو، پھر تم سب کو

مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾

میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو جو کچھ تم کرتے تھے۔

وَوَصَّيْنَا اور ہم نے تاکید کردی	الْإِنْسَانَ انسان	بِوَالِدَيْهِ اسکے ماں باپ کے بارہ میں	حَمَلَتْهُ اسے پیٹ میں رکھا	أُمُّهُ اسکی ماں	وَهْنًا کمزوری			
عَلَىٰ وَهْنٍ پر کمزوری	وَفِصَالُهُ اور اس کا دودھ چھڑانا	فِي عَامَيْنِ دو سال میں	أَنِ اشْكُرْ لِي کہ تو میرا شکر کر	وَلِوَالِدَيْكَ اور اپنے ماں باپ کا				
إِلَيَّ میری طرف	الْمَصِيرُ لوٹ کر آنا	وَإِنْ اور اگر	جَاهَدَاكَ وہ تیرے ساتھ کوشش کریں	عَلَىٰ پر (کی)	أَنْ تُشْرِكَ کہ تو شریک ٹھہرائے	بِي میرا		
مَا لَيْسَ جس کا نہیں	لَكَ تجھے	بِهِ اس کا	عِلْمٌ کوئی علم	فَلَا تُطِعْهُمَا تو ان دونوں کا کہنا نہ ماننا	وَصَاحِبْهُمَا اور انکے ساتھ بسر کر	فِي الدُّنْيَا دنیا میں		
مَعْرُوفًا اچھے طریقہ سے	وَاتَّبِعْ اور تو پیروی کر	سَبِيلَ راستہ	مَنْ جو	أَنَابَ رجوع کرے	إِلَيَّ میری طرف	ثُمَّ پھر	إِلَيَّ میری طرف	
	مَرْجِعُكُمْ تمہیں لوٹ کر آنا ہے	فَأُنَبِّئُكُمْ سو میں تمہیں آگاہ کروں گا	بِمَا جو کچھ	كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ تم کرتے تھے				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت ذکر فرمائی گئی تھی جو توحید باری تعالیٰ کے اختیار کرنے اور شرک کے نہ کرنے کے متعلق تھی۔ حضرت لقمان کی مزید نصیحتیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں وہ ان آیات کے بعد پھر آگے بیان کی گئی ہیں۔ درمیان میں توحید کی تاکید کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو ان آیات میں بطور جملہ معترضہ کے ہے جس میں ماں باپ کی اطاعت و شکر گزاری کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمائی گئی کہ شرک اتنی سخت قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب مفسر و محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت لقمان نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت کے بعد اور آئندہ آنے والی دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق بیان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد ماں باپ کا حق ہے گویا باپ نے یعنی حضرت لقمان نے اللہ کا حق بتلایا اور اللہ تعالیٰ نے باپ کا حق بتایا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے طبرانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات میرے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گزار تھا۔ جب مجھے خدا نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں

اور کہنے لگیں کہ بیٹا یہ نیا دین تو کہاں سے نکال لایا۔ سنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھوکی پیاسی مرجاؤں گی۔ میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور چہار طرف سے مجھ پر آوازہ کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی دل تنگ ہوا۔ اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا۔ خوشامدیں کیں سمجھایا کہ خدا کے لئے اپنی ضد سے باز آجاؤ۔ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی حیص بیص میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور ان کی حالت بہت ہی خراب ہوگئی تو میں ان کے پاس گیا اور میں نے کہا سنو اماں جان تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو مگر دین سے زیادہ عزیز نہیں ہو واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں ہوں اور اسی بھوک پیاس میں ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تب بھی میں آخری لمحہ تک اپنے سچے دین اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہوگئی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

مخالفین اسلام کہا کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ کوئی ان کم بختوں سے پوچھے کہ یہاں کون سی تلوار تھی جس کا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضرات صحابہ کو خوف وخطر تھا۔

اس روایت سے ''بھوک ہڑتال'' کی بھی حقیقت معلوم ہوگئی کہ یہ جاہلیت کی رسم تھی جس کو ہندوستان میں گاندھی نے انگریزوں کے خلاف بطور حربہ کے استعمال کیا اور اب دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی یہ چیز رائج ہوگئی چنانچہ آئے دن بھوک ہڑتالیں منائی جاتی ہیں جو شرعاً قطعاً ناجائز ہے۔

ان آیات کی تشریح سے پہلے ایک دلچسپ بات ملاحظہ ہو کہ روافض یعنی شیعوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کے چالیس پارے تھے دس سنیوں نے حذف کر لئے (تاریخ قرآن اور موجودہ قرآن نعوذ باللہ بقول ان کے محرف ہے اور آیتیں الٹ پلٹ کر دی گئی ہیں کہیں کی آیتیں کہیں رکھ دی گئیں۔ جس سے مطلب خبط اور بے ربط ہوگیا۔ چنانچہ آیتوں کے الٹ پلٹ کے ثبوت میں وہ ایک مثال ان آیات زیر تفسیر کی پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تذکرہ تو ہو رہا تھا لقمان کی نصیحتوں کا اپنے بیٹے کو اور بیچ میں ماں باپ کی اطاعت گزاری کا حکم آ گیا اور پھر لقمان کی نصیحتیں جاری ہوگئیں۔ تو شیعوں کے نزدیک موجودہ قرآن کی آیتوں کے بے ربط کر دینے کی ایک یہ مثال ہے۔ جس کو وہ پیش کرتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اب یہ ہے تو دوسرا موضوع مگر چونکہ ان آیات کے سلسلہ میں ذکر آ گیا اس لئے مختصراً کچھ اس الزام کے متعلق بھی سن لیجئے۔

مخالفین و معاندین جو موجودہ قرآن کریم پر اس قسم کے الزامات لگاتے ہیں تو ہمارے علمائے محققین نے ماشاء اللہ بڑے دندان شکن اور مفصل اور طول طویل جوابات ایسے الزامات کے دیئے ہیں۔ ابھی بالکل قریب ہی زمانہ میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مجددی لکھنویؒ گزرے ہیں انہوں نے ''حفاظت قرآن'' کے عنوان سے قرآن کریم کی آیات ہی سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف لفظی و معنوی سے بالکل پاک ہے اور یہ کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی تحریف ناممکن ہے جو قرآن کا ایک زندہ معجزہ ہے خیر ہمارا تو بحمد للہ یہ ایمان ہی ہے ہمیں تو اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔ مگر مولانا موصوفؒ نے اس سلسلہ میں مخالفین کے الزام کے متعلق جو لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو۔ مولاناؒ لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہور مخالفین (یعنی شیعہ صاحبان) کے عقیدہ میں یہ قرآن مجید جو آج مسلمانوں کے پاس ہے اور ہر زمانہ میں یہی قرآن مجید مسلمانوں کے پاس رہا محرف ہے اور تحریف کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں سب بقول ان کے اس قرآن میں ہوئی ہیں۔ جا بجا سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئیں اور اس میں زیادتی بھی ہوئی ہے۔ جا بجا انسانی کلام اس میں شامل کر دیا گیا اور اس میں الفاظ و حروف کی تبدیلی بھی

ہوئی ہے اوراس کی ترتیب بھی خراب کردی گئی ہے ترتیب کی چار قسمیں ہیں اول ترتیب سورتوں کی۔ دوم ترتیب آیتوں کی۔ سوم ترتیب کلمات کی۔ چہارم ترتیب حروف کی۔ کتب شیعہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ چاروں قسم کی ترتیب بگاڑ دی گئی ہے۔ اگر صرف سورتوں کی ترتیب میں کلام کیا جاتا تو چنداں خرابی نہ تھی کیونکہ ہر سورت بجائے خود مستقل چیز ہے اس کے تقدم و تاخر سے مقصود کلام پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ بخلاف باقی تین ترتیبوں کے کہ ان سے مقصود کلام کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ مخالفین کی کتابوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے محرف ثابت کرنے کے لئے انہوں نے کس قدر اہتمام کیا ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی کسی اور مسئلہ میں نہیں کیا اس اہتمام کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آج ان کی معتبر کتابوں میں ائمہ معصومین سے زائد از دو ہزار روایت تحریف قرآن کی منقول ہیں اور تحریف کی نفی میں ایک روایت بھی ان کے کسی امام سے ان کی کسی کتاب میں نہیں۔ (بحوالہ تفسیر آیات قرآنی صفحہ ۶۴۶ از مولانا لکھنویؒ)

اب قرآن پر تو مخالفین نے یوں ہاتھ صاف کیا۔ اب اس ضمن میں حدیث کا حال بھی سن لیجئے۔ ائمہ محدثین حنفیہ میں ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت مشہور و معروف ہے۔ احادیث کے پرکھنے۔ جرح اور تعدیل میں آپ کے کارنامے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علم حدیث کی تاریخ سے جو واقف ہیں ان سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ بدخواہاں ملت نے وضع احادیث کا فتنہ کھڑا کیا تھا یعنی بہت سے اقوال وافعال کا انتساب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کردیا کہ آپ نے یہ کیا یا آپ نے یہ فرمایا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس دین حق کو قیامت تک باقی رکھنا تھا اس لئے اس فتنہ کا مقابلہ کرنے والے علمائے محدثین بھی ہمیشہ موجود رہے جنہوں نے کھرا کھوٹا الگ کر دکھایا۔ ''موضوعات کبیر'' ملا علی قاریؒ کی کتاب اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے جس میں احادیث موضوعہ کو جمع کر کے امت کو ان کے فتنہ اور ضرر رساں اثرات سے محفوظ و مامون فرمایا۔ اسی کتاب ''موضوعات کبیر'' میں آپ نے دیگر محدثین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ روافض نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت کے فضائل میں ۳ لاکھ احادیث وضع کی ہیں یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑی ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اب یہاں جب معاندین کی طرف سے تحریف قرآن کا ذکر آ گیا تو مختصراً یہ بھی سن لیجئے کہ قرآن کیسے جمع ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے پورا قرآن شریف نازل کیا گیا۔ کیونکہ آپ امی تھے جو کچھ نازل ہوتا آپ زبانی یاد فرما لیتے اور اپنے صحابہ کو یاد کرا دیتے اور حکم دیتے کہ لکھ لیا جائے چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کاغذ کے ٹکڑوں۔ کھجوروں کے پتوں۔ لکڑی کے تختوں پتھر کے ٹکڑوں چمڑے کے غلافوں اور کپڑے کے تھیلوں وغیرہ پر لکھ لیا کرتے تھے۔ یہ تو عام صحابہ کا حال تھا لیکن چند صحابہ رضوان اللہ علیہم یہ مخصوص تھے جو کتاب وحی کے نام سے پکارے جاتے تھے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے وحی لکھنے کے لئے مامور فرمایا تھا۔ ان کو آپ لکھنے کا حکم دیتے اور یہ بھی حکم دیتے کہ فلاں آیت کو فلاں سورۃ میں لکھو۔ یہ سب متفرق لکھے جاتے رہے مگر جب قرآن حکیم کا ایک معتدبہ حصہ آ چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اور بہ اشارۂ جبرئیل امین۔ اسی ترتیب سے حفظ کروانا شروع کیا جو ترتیب لوح محفوظ میں ہے اور جو آج تک موجود ہے۔ جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری رمضان ۱۰ھ میں تو دو بار پورا قرآن شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سنایا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت ایک خاصی بڑی جماعت حفاظ قرآن کی موجود تھی جن کو پورے کا پورا

قران شریف اسی موجودہ ترتیب الحمد سے والناس تک حفظ تھا۔ 5
لیکن اس موجودہ صورت میں صرف اس کی تحریر عمل میں نہیں آئی تھی ۱۱ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے آپ کے زمانہ خلافت میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی جنگ ہوئی اس میں ۷۰ سے زیادہ حفاظ قرآن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم شہید ہوگئے۔تب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ قرآن شریف مطابق لوح محفوظ اور مطابق حفظ تحریر میں بھی لے آنا چاہئے۔مبادا کہیں حفاظت قرآن کی شہادتوں سے قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہ ہوجائے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے تو عذر کرتے رہے کہ جس کام کو حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو میں کیسے کروں۔آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ کو اس کام کے لئے کھول دیا آپ نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جوان خوش نصیب بزرگوں میں سے ایک ہیں جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد ان سے قرآن حاصل کرنا تحریر و تسوید کے لئے مقرر فرمایا۔آپ نے حفاظ صحابہ کی ایک جماعت کی مدد سے بڑی ہی احتیاط سے یعنی ہر نماز کے بعد مسجد نبوی میں دو دو گواہوں کی موجودگی میں آیات کی بموجب حفظ و بموجب ترتیب لوح محفوظ نقل کروانا شروع کر دیا۔یہاں تک کہ سارا قرآن شریف یکجا جمع ہوگیا۔اور اس طرح سارا قرآن شریف تحریر کے احاطہ میں آ گیا۔جب یہ سب کچھ ہوگیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو محفوظ فرمادیا جو پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔آپ کو کثرت مشاغل و کثرت جہاد کی وجہ سے اس کی نقلیں کرانے کا موقع نہیں ملا البتہ اس کی تعلیم و تعلم اور اس کی نشر و اشاعت و تبلیغ کا اس قدر اہتمام فرمایا جس کی مثال کہیں اور نہ ملے گی۔جب ۲۳ھ میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا تو آپ کی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس امانت میں آیا۔حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے اُس وقت اسلام دور دراز ممالک تک پہنچ چکا تھا۔اور نو مسلموں کی آمیزش سے گمان ہونے لگا تھا کہ قرآن شریف کی قرأت اور تلاوت میں گڑبڑ نہ ہوجائے اور مسلمانوں میں قرأت کا اختلاف نہ پڑ جائے۔حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ جو صحیفے آپ کے پاس امانتاً رکھے ہیں۔انہیں بھیج دیجئے تاکہ میں ان کو نقل کرانے کے بعد پھر آپ کے پاس واپس بھیج دوں چنانچہ حضرت حفصہؓ نے وہ صحائف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیئے۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قرآن کے ماہر اور عالم تھے۔ان سب کو بلایا اور فرمایا کہ قرآن کریم قریش کی قرأت پر لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا تاکہ قرأت کے اختلافات نہ رہیں۔ان بزرگوں نے اس کام کو نہایت احتیاط سے مکمل فرمادیا۔تب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی سات نقلیں کروائیں۔ایک مدینہ منورہ میں روک لی۔بقیہ چھ کو مکہ معظمہ،بصرہ،کوفہ،شام،یمن اور بحرین میں بھجوادیں۔اور حکم دیا کہ ان کی متابعت کی جائے اور یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف سے بچایا جائے۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف پر تمام صحابہ نے اجماع کرلیا اور امت متفق ہوگئی۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مصاحف نقل کروائے تھے ان میں سے بعض اب تک موجود ہیں۔اور ان کے آخر میں یہ عبارت بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے یہ نقل ہوئے۔۱۹۰۴ء میں ماسکو میں مسلمانوں نے ایک کتب خانہ قائم کیا جس میں وہ مصحفِ عثمانی بھی موجود ہے جس کو پڑھتے ہوئے آپ شہید ہوئے تھے۔اور اس پر آپ کے خون کے نشانات بھی ہیں (تاریخ قرآن) الغرض آج جس صورت میں ہمارے پاس قرآن موجود ہے بالکل یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔اور یہی لوح محفوظ میں ہے اور قرآن حکیم میں ایک شوشے اور ایک حرف کا بھی اضافہ یا کمی یا تبدیلی نہیں کی گئی۔نہ اس کا امکان ہی تھا اور نہ ہے کیونکہ حق جل علیٰ سبحانہ نے ارشاد فرمایا ہے۔انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔(سورۂ حجر)۔بالتحقیق ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

الغرض یہ حفاظت قرآن کا ذکر اس بات پر آ گیا تھا کہ روافض نے ان آیات زیر تفسیر کو اس مقام سے غیر متعلق قرار دے کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ قرآن میں صحابہ رضوان اللہ علیہم نے تحریف کی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیات اس مقام سے قطعاً غیر متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کو اس مقام سے گہرا تعلق ہے جیسا کہ شروع درس میں عرض کیا گیا۔اوپر حضرت لقمان نے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا۔اب اس امر توحید کی تاکید کے لئے حق تعالیٰ ان آیات میں ہدایت فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے کہ ان کی اطاعت اور خدمت کرے کیونکہ انہوں نے اس کے لئے بڑی مشقتیں جھیلی ہیں۔باپ کے احسانات تو ہوش وحواس کے زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں کہ اولاد کو کھلاتا پہناتا ہے لیکن ماں کے احسانات اس کی عالم بے خبری میں اس سے بھی بڑھ کر تھے اس لئے حق تعالیٰ ان کو یاد دلاتے ہیں کہ اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا۔مہینوں تک اس کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے اٹھائے پھری۔ضعف پر ضعف اٹھائے اس لئے کہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے عورت کو ضعف زیادہ ہوتا جاتا ہے۔پھر وضع حمل کی تکلیف برداشت کی۔پھر دو برس تک دودھ پلایا۔اس درمیان میں نہ معلوم کیسی کیسی سختیاں جھیل کر بچہ کی تربیت کی۔اپنے آرام کو بچہ کے آرام پر قربان کیا لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی اولاً خدا تعالیٰ کا اور ثانیاً اپنے ماں باپ کا خصوصاً ماں کا حق پہچانے یعنی اللہ کی عبادت کرے۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور ماں باپ کی خدمت واطاعت میں مشغول رہے جہاں تک کہ اللہ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ حق تعالیٰ کا حق سب سے مقدم ہے اور اسی کے سامنے سب کو حاضر ہونا ہے۔

یہاں آیت میں الی المصیر میری ہی طرف پھیر کر آنا ہے فرما کر یہ تنبیہ کر دی کہ نہایت سرگرمی اور تن دہی سے حقوق اللہ اور حقوق الوالدین ادا کیا کرے اور یہ نہ سمجھے کہ اب خدا سے کیا کام پڑے گا۔نہیں پھر مجھ ہی سے کام پڑنا ہے اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو اس اطاعت کے حکم پر یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ماں باپ خواہ بری بات کا حکم دیں خواہ بھلی بات کا ان کی اطاعت فرض ہے حالانکہ ان سے زیادہ ایک اور بھی قابل ادب واطاعت موجود ہے یعنی خدا تعالیٰ۔تو اگر ماں باپ دین کے خلاف کرنے کو کہیں اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ تو اس کا بھی حکم فرما دیا کہ ایسی صورت میں ان کی اطاعت نہ کرنی چاہئے وہ ہزار زور ڈالیں اور کیسا ہی اصرار کریں کہ تو خدا کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کر، تو اس بات کو نہ ماننا چاہئے ہاں دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ نیکی اور سلوک کرتا رہے اور دین کے معاملہ میں پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چلے دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا اطاعت نہ کرے۔اخیر میں ارشاد ہوا کہ تم سب کو میرے ہی پاس واپس آنا ہے اولاد اور والدین سب کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کی زیادتی یا تقصیر تھی اس لئے کسی امر میں میرے حکم کے خلاف مت کرو۔تو گویا یہاں ضروری تنبیہ فرما دی کہ

شرک اتنی سخت اور قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

ان آیات میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے ان کی اطاعت اور خدمت کی۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور پھر دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے اس لئے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر کیونکہ میری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے اس وقت میں اعمال کی جزا و سزا دوں گا اس لئے احکام کی بجا آوری ضروری ہے اور باوجودیکہ ماں باپ کا اتنا بڑا حق ہے لیکن امر توحید ایسا عظیم الشان ہے کہ اگر تجھ پر وہ دونوں بھی اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل اور سند نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور ہاں یہ ضرور ہے کہ دنیا کے معاملات میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور دین کے بارہ میں صرف اس شخص کی راہ چلنا جو میری طرف رجوع ہو یعنی میرے احکام کا معتقد اور عامل ہو۔ پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر آنے کے وقت میں تم کو بتلا دوں گا جو جو کچھ تم کرتے تھے۔''

یہاں آیت میں جو دو سال میں دودھ چھڑانے کا ذکر ہے تو اس آیت سے امام شافعیؒ اور حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے استدلال کر کے یہ فتویٰ دیا ہے کہ دودھ پینے کی مدت جس کو مدت رضاعت کہتے ہیں دو برس تک ہے اور اسی پر جمہور علماء کا فتویٰ ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ مدت رضاعت اڑھائی برس تک ہے کیونکہ ۲۶ ویں پارہ سورۂ احقاف میں فرمایا گیا ہے **وحمله وفصاله ثلثون شهرا** اس کا حمل اور اس کی دودھ بڑھائی تیس مہینوں میں ہوتی ہے۔

یہاں آیت میں والدین کے حقوق کا ذکر آ گیا اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ خدمت اور سلوک کا زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا پھر کون۔ فرمایا تیری ماں۔ پھر عرض کیا پھر کون۔ پھر ارشاد فرمایا تیرا باپ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کی خوشنودی میں خدا کی خوشنودی ہے اور ان کی ناراضی میں خدا کی ناراضگی ہے۔

اب اگلی آیات میں حضرت لقمان کی بقیہ نصیحتیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھیں ذکر کی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق نصیب فرمائیں اور جن کے ماں باپ حیاۃ ہیں ان کی خدمت و اطاعت پوری طرح کرنے کا عزم و ہمت نصیب فرمائیں اور جن کے ماں باپ گزر چکے ہیں ان کے ساتھ ایصال ثواب کر کے ان کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں احکام خداوندی کو ہر حال میں مقدم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور حقوق العباد کے ساتھ حقوق اللہ بھی ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ

بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو

اَوْ فِي الْاَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⁽¹⁶⁾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ

تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کردے گا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین ہے باخبر ہے۔ بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ⁽¹⁷⁾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ

اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر، یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر

لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ⁽¹⁸⁾ وَاقْصِدْ

اور زمین پر اترا کر مت چل، بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر

فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⁽¹⁹⁾

اور اپنی آواز کو پست کر بیشک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

يٰبُنَيَّ اے میرے بیٹے	اِنَّهَا بیشک وہ	اِنْ تَكُ اگر ہو	مِثْقَالَ حَبَّةٍ وزن (برابر) دانہ	مِنْ سے (کے)	خَرْدَلٍ رائی	فَتَكُنْ پھر وہ ہو	فِيْ میں	
صَخْرَةٍ سخت پتھر	اَوْ یا	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	اَوْ یا	فِي الْاَرْضِ زمین میں	يَأْتِ بِهَا لے آئیگا اسے	اللّٰهُ اللہ	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَطِيْفٌ باریک بین
خَبِيْرٌ خبردار	يٰبُنَيَّ اے میرے بیٹے	اَقِمِ الصَّلٰوةَ قائم کر نماز	وَاْمُرْ اور حکم دے	بِالْمَعْرُوْفِ اچھے کام	وَانْهَ اور روک تو	عَنِ سے	الْمُنْكَرِ بری بات	
وَاصْبِرْ اور صبر کر	عَلٰى پر	مَآ اَصَابَكَ جو تجھ پر پہنچے	اِنَّ ذٰلِكَ بیشک یہ	مِنْ سے	عَزْمِ الْاُمُوْرِ بڑی ہمت کے کام	وَلَا تُصَعِّرْ اور تو مت ٹیڑھا کر		
خَدَّكَ اپنا رخسار	لِلنَّاسِ لوگوں سے	وَلَا تَمْشِ اور نہ چل تو	فِي الْاَرْضِ زمین میں	مَرَحًا اتراتا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	لَا يُحِبُّ پسند نہیں کرتا		
كُلَّ ہر کسی	مُخْتَالٍ اترانے والا	فَخُوْرٍ خود پسند	وَاقْصِدْ اور میانہ روی کر	فِيْ مَشْيِكَ اپنی رفتار میں	وَ اور	اغْضُضْ پست کر	مِنْ صَوْتِكَ اپنی آواز کو	
اِنَّ بیشک	اَنْكَرَ سب سے ناپسندیدہ	الْاَصْوَاتِ آوازیں	لَصَوْتُ آواز	الْحَمِيْرِ گدھا				

تفسیر وتشریح:۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں اور وصیتیں کی تھیں ان کا بیان ہو رہا ہے۔ سب سے پہلی نصیحت جو گذشتہ درس میں بیان ہوئی یہ تھی کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرنا۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ شرک سے زیادہ برا کام اور کوئی نہیں۔

حضرت لقمان نے مزید نصیحتیں اور وصیتیں جو اپنے بیٹے کو فرمائیں وہ ان آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ یہ سب نصیحتیں حکمتوں سے پر ہیں اس لئے قرآن پاک ان کو نقل فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ پہلی نصیحت توحید کے متعلق تھی۔ اب دوسری نصیحت عقائد کے متعلق ہے اور حق تعالیٰ کے علم وقدرت کے متعلق وہ اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں کہ کوئی چیز ہو یا کوئی عمل ہو یا کوئی بات ہو اچھی یا بری۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور فرض کرو کہ پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا اس لئے آدمی کو چاہئے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھے کہ ہزار

پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا وہ اللہ کے سامنے ہے۔ وہ باریک سے باریک شے کو دیکھ لیتا ہے اور جانتا ہے اور ہر چیز سے پوری طرح خبردار ہے اور ہر جگہ موجود ہے اس لئے انسان کو اس مغالطہ میں نہ رہنا چاہئے کہ جیسے آدمیوں کو چھپی باتوں اور پردے کے اندر کے کاموں سے واقفیت نہیں ہوتی اسی طرح چھپ کر کوئی گناہ کر لیا جائے تو اللہ کو خبر نہ ہوگی۔ ایسا سمجھنا نادانی ہے کوئی جگہ ایسی نہیں جو اللہ سے چھپی ہو اور صرف یہی نہیں کہ اللہ کو اس کا علم ہے بلکہ وہ اپنی قدرت سے اس کو حاضر کر دینے پر بھی قادر ہے۔ وہ اس کو ہر جگہ سے نکال لاوے گا اور قیامت میں سامنے کر دے گا۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ جو کام کرے اللہ کے علم وقدرت کو خیال رکھے۔

اب تصحیح عقائد کے بعد تیسری نصیحت اعمال کے متعلق ہے۔ چنانچہ انہوں نے نصیحت کی کہ بیٹا نماز ادا کرتا رہ۔ یہ معلوم نہیں کہ حضرت لقمان کے عہد میں نماز کا کیا طریقہ تھا۔ رکوع، سجود قیام وسلام کے ساتھ تھی یا کسی اور طرح سے۔ نماز درحقیقت اپنے خالق ومالک کے آگے عجز ونیاز کا نام ہے اور اس کے طریقے ہر نبی اور ہر زمانہ کے موافق مختلف رہے ہیں کہیں صرف دعا وگریہ زاری تھا کہیں سجدہ کرنا۔ کہیں اس کی تسبیح وتقدیس اور استغفار کرنا۔ امت محمدیہ کے عہد میں نماز کا وہ طریقہ قائم ہوا کہ جس میں سب باتیں آ گئیں۔ آگے بیٹے کو تکمیل نفس کے بعد تکمیل غیر کی بھی نصیحت کرتے ہیں اس لئے دونوں باتیں ضروری ہیں خود بھی اچھا ہونا اللہ کی توحید وبندگی پر قائم رہنا اور دوسروں کو بھی راستی کی طرف لانا اس لئے نصیحت کی کہ نیک باتوں کی تعلیم کیا کر اور بری باتوں سے منع کیا کر۔ یہ تو اعمال کے متعلق نصیحت تھی آگے حسن معاشرت کی تعلیم دی اور کہا کہ تجھ پر اگر خدا کی طرف سے یا لوگوں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے اور دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں ان کو تحمل اور اولوالعزمی سے برداشت کرنا شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا یہ حوصلہ مندوں کا کام نہیں اس کے بعد تین باتیں اور تعلیم کیں اول یہ کہ لوگوں سے تکبر سے پیش نہ آنا یعنی لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح ان سے بات نہ کرنا اور غرور سے ان کی طرف مت دیکھنا بلکہ خندہ پیشانی سے ملنا۔ دوسرے یہ کہ زمین پر اترا کر مت چلنا۔ اترانے والے اور بڑائیاں مارنے والے کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ تیسرے یہ کہ تواضع۔ متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کرنا۔ بے ضرورت مت بولنا۔ کلام کرتے وقت حد سے زیادہ نہ چلانا۔ چیخ چلا کر بات نہ کرنا۔ اگر اونچی آواز سے بولنا ہی کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کر وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے مگر کس قدر کریہہ اور کرخت ہوتی ہے۔ تو چیخ چلا کر بات کرنا گویا گدھے کی آواز کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

حضرت لقمان کے متعلق جن کی نصیحتیں یہاں منقول ہوئیں جمہور مفسرین اسلام کا مشہور قول یہی ہے کہ حضرت لقمان اللہ تعالیٰ کے ولی۔ حکیم دانا تھے۔ نبی نہیں تھے تو انسان اگر نبی معصوم اور پیغمبر خدا بھی نہ ہو مگر حکمت ودانائی سے مشرف ہو تب بھی خدا کے نزدیک اس کا مرتبہ عظیم الشان ہے۔ اسی لئے حضرت لقمان کو یہ عزت ملی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی ثنا اور توصیف فرمائی اور امت مسلمہ کے لئے ان کی بعض ان نصائح اور وصایا کو نقل فرمایا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ حتیٰ کہ قرآن کی ایک سورۃ ان کے نام سے منسوب ہوئی۔

۱- گذشتہ اور ان آیات میں حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے جو اہم نصیحت کی وہ شرک باللہ سے اجتناب اور توحید کا التزام ہے۔ حضرت لقمان نے شرک کو ظلم عظیم فرمایا اور شرک ایسا گناہ ہے جو کسی حالت میں بھی قابل بخشش نہیں۔ مگر یہ کہ اس سے سچی توبہ دنیا میں کر لی جائے اور شرک جلی کی طرح شرک خفی بھی اعمال انسانی کو برباد کر دیتا ہے اور اس طرح کھا لیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے۔ اور شرک خفی میں ریا۔ نمائش۔ شہرت پسندی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۲- حضرت لقمان کی بحیثیت شفیق باپ کے بیٹے کو نصیحت کی مناسبت سے حق تعالیٰ نے امت مرحومہ کو یہ نصیحت وہدایت فرمائی کہ جب باپ اور ماں کی محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ دنیوی اور اخروی کسی معاملہ میں بھی اولاد کو بے راہ دیکھنا نہیں چاہتے تا کہ انجام کار اولاد کو دکھ جھیلنا نہ

پڑے تو اولاد کے لئے بھی از بس ضروری ہے کہ وہ خدا کی صحیح اور حقیقی معرفت کے بعد سب سے زیادہ والدین کی خدمت اوران کی رضا جوئی کو مقدم سمجھے حتیٰ کہ اگر والدین کافرومشرک بھی ہوں تب بھی اولاد کا فرض ہے کہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک۔ تواضع اور نیازمندی کو ہاتھ سے نہ دے البتہ اگر وہ دین حق سے اعراض اورشرک کے اختیار پر اصرار کریں تو اس کو قبول نہ کرے اس لئے کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت درست نہیں۔ لیکن اپنے اس انکار کے وقت بھی نرمی اور حسن خطابت کو نہ چھوڑے اور درشت کلامی نہ اختیار کرے۔

اسی اہمیت کے پیش نظر حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ اپنے حقوق یعنی توحید باللہ کے ساتھ ساتھ حقوق والدین کا ذکر کیا اوران کو تمام حقوق پر مقدم رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

۳- حضرت لقمان کی جو دوسری نصیحتیں مذکور ہوئیں ان میں اطاعت خداوندی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حسن خلق اور تواضع کی ترغیب اور کبر۔ شیخی اور بدخلقی کی مذمت کی گئی۔ حضرت لقمان نے امرونہی میں ان باتوں کو خصوصیت کے ساتھ انتخاب فرمایا اس لئے کہ کائنات میں جس قدر بھی بھلائی اور برائی پیش آتی ہے ان سب کی جڑ و بنیاد یہی امور ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت مرحومہ کو ان امور کی اہمیت پر بہت زیادہ توجہ دلائی ہے۔

۴- حضرت لقمان نے درشت اور کرخت آواز سے بات چیت کرنے کو بھی منع فرمایا اس لئے کہ نرم گفتاری حسن خلق کا شعبہ اور درشت اور کرخت لہجہ بدخلقی کا جزو ہے۔ اور اسی بنا پر اس طرز گفتگو کو "صوتِ حمار" یعنی گدھے کی آواز سے مشابہ بتایا گیا ہے۔ اور گدھے کی آواز کے متعلق یہ حدیث مشہور ومعروف ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے فضل طلب کرو اور گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو اس لئے کہ وہ شیطان کو دیکھ کر آواز کرتا ہے۔ یعنی مرغ کی آواز ملائکۃ اللہ کے نزول کی دلیل ہے کیونکہ وہ سحر میں تسبیح کا عادی ہے اور گدھے کی آواز نزول شیاطین کا پتہ دیتی ہے۔

۵- حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصائح کیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "زمین پر اکڑ کر نہ چلو" اس مضمون کو قرآن کریم نے سورۂ بنی اسرائیل پندرہویں پارہ میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ **ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولاً** اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل تو اپنے اس انداز رفتار سے نہ زمین کو پھاڑ سکے گا نہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک طویل ہو جائے گا۔" یعنی مغرور انسان کے انداز رفتار کی مذمت فرمائی گئی کہ وہ قدم کو زمین پر اس طرح رکھتا ہے کہ گویا اس کو پھاڑ ڈالے گا اور اپنی اکڑی ہوئی بلند گردن کے ذریعہ گویا پہاڑوں کی بلندی سے بھی اونچا ہو جانا چاہتا ہے مگر یہ نہیں سمجھتا کہ وہ ان میں سے کوئی بات بھی نہ کر سکے گا پھر بلاوجہ اکڑ کر چلنے کے کیا معنیٰ؟ اس کے برعکس متواضع اور بااخلاق انسانوں کی سورۂ فرقان انیسویں پارہ میں یہ کیفیت بیان کی گئی۔ **وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماًo** اور جو رحمان کے بندے (یعنی حکم بردار فرمانبردار بندے) ہیں وہ زمین پر وقار۔ اور تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو وہ جہالت سے بچنے کے لئے سلام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔

الغرض عرب میں نزول قرآن کے وقت حکمت لقمان کا کافی چرچا تھا اور وہ اکثر مجالس میں ان کے حکیمانہ اقوال کو نقل کرتے رہتے تھے ان کو ایمان اور عمل صالح سے متعلق حضرت لقمان کے یہ پندونصائح سنائے گئے کہ اگر حضرت لقمان ہی کے معتقد ہو تو ان کی یہ نصیحتیں سن کر توحید اختیار کرو اور شرک وکفر سے باز آؤ۔

اسی سلسلہ میں آگے پھر اصل مضمون توحید یعنی حق تعالیٰ کی عظمت وجلال اور احسان وانعام یاد دلا کر توحید باری تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً

کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری

وَّبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيرٍ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا

اور باطنی پوری کر رکھی ہیں اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں بدوں واقفیت اور بدوں کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور جب

قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ

اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم اسی کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے کیا اگر شیطان

يَدْعُوهُمْ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

اُن کے بڑوں کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا ہو تب بھی (انہی کا اتباع کریں گے)۔ اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۲۲﴾

تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے گا۔

أَلَمْ تَرَوْا کیا تم نے نہیں دیکھا	أَنَّ اللَّهَ کہ اللہ	سَخَّرَ مسخر کیا	لَكُمْ تمہارے لئے	مَا جو کچھ	فِي السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں	وَمَا اور جو کچھ	فِي الْأَرْضِ زمین میں	
وَأَسْبَغَ اور بھرپور دیں	عَلَيْكُمْ تم پر (تمہیں)	نِعَمَهٗ اپنی نعمتیں	ظَاهِرَةً ظاہر	وَبَاطِنَةً اور پوشیدہ	وَ اور	مِنَ بعض	النَّاسِ لوگ	مَنْ جو
يُجَادِلُ جھگڑتا ہے	فِي اللَّهِ اللہ (کے بارہ میں)	بِغَيْرِ بغیر	عِلْمٍ علم	وَلَا هُدًى اور بغیر ہدایت	وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيرٍ اور بغیر کتاب روشن	وَإِذَا اور جب		
قِيلَ کہا جائے	لَهُمُ اُن سے	اتَّبِعُوا تم پیروی کرو	مَا أَنْزَلَ جو نازل کیا	اللَّهُ اللہ	قَالُوا وہ کہتے ہیں	بَلْ نَتَّبِعُ بلکہ ہم پیروی کریں گے	مَا وَجَدْنَا جو ہم نے پایا	
عَلَيْهِ اس پر	اٰبَآءَنَا اپنے باپ دادا	أَوَلَوْ کیا اگر	كَانَ ہو	الشَّيْطٰنُ شیطان	يَدْعُوهُمْ ان کو بلاتا	إِلٰى طرف	عَذَابِ عذاب	السَّعِيرِ دوزخ
وَمَنْ اور جو	يُّسْلِمْ جھکا دے	وَجْهَهٗ اپنا چہرہ	إِلَى اللَّهِ اللہ کی طرف	وَهُوَ اور وہ	مُحْسِنٌ نیکوکار	فَقَدِ اسْتَمْسَكَ تو بیشک اس نے تھام لیا		
	بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى حلقہ مضبوط	وَ اور	إِلَى اللَّهِ اللہ کی طرف	عَاقِبَةُ انجام	الْأُمُورِ تمام کام (جمع)			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں شروع سورۃ سے توحید کا مضمون بیان ہوتا آ رہا تھا اور اسی کی مناسبت سے درمیان میں حضرت لقمان کی نصیحتوں اور وصیتوں کا ذکر آ گیا تھا اب آگے پھر مضمون توحید ہی کے متعلق ہے اور ان آیات میں حق تعالیٰ کی عظمت وجلال اور احسان و انعام یاد دلا کر توحید کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے چنانچہ ان آیات میں تمام انسانوں کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ تمہیں یہ نہیں سوجھتا کہ آسمان اور زمین کی ساری مخلوق تمہارے کام میں لگی ہوئی ہے دیکھو آسمان کے ستارے تمہارے کام میں مشغول ہیں۔ چمک چمک کر تمہیں روشنی پہنچا رہے ہیں۔ بادل بارش گرمی سردی تمہارے نفع کی چیزیں ہیں۔ زمین کی نہریں۔ چشمے۔ دریا۔ سمندر۔ درخت۔ کھیتی پھول پھل یہ سب نعمتیں اسی نے دے رکھی ہیں۔ ہوا۔ روشنی۔ آگ۔ پانی غذا مکان لباس یہ سب نعمتیں ساری مخلوق بشری کے لئے عام ہیں ہاتھ پاؤں کان آنکھ ناک صحت تندرستی یہ تم سب کو دے رکھی ہیں پھر ان ظاہری بے شمار نعمتوں کے علاوہ باطنی بے شمار نعمتیں بھی اس نے دے

رکھی ہیں جیسے عقل فہم فراست سوچ سمجھ وغیرہ وغیرہ۔ تو جس نے اتنی لاتعداد نعمتیں دے رکھی ہیں حق تو یہ تھا کہ اس کی ذات پر سب کے سب ایمان لاتے مگر ایسے کھلے ہوئے انعامات واحسانات کے باوجود بعض لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کی وحدانیت میں یا اس کی صفات میں یا اس کے احکام وشرائع میں جھگڑتے ہیں اور محض بے سند جھگڑتے ہیں نہ کوئی علمی اور عقلی اصول ان کے پاس ہے۔ نہ کسی ہادیٔ برحق کی ہدایت۔ نہ کسی مستند اور روشن کتاب کا حوالہ۔ محض جہالت و ضلالت سے بغیر کسی سند اور دلیل کے اپنے کفروشرک پر اڑے ہوئے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی نازل کردہ وحی کا اتباع کرو اور اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس پر چلو تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ کو کیسے چھوڑ دیں ہم تو اپنے باپ دادا کے ہی طریقہ پر چلیں گے۔ قرآن پاک نے محض باپ دادا کی اندھی تقلید کی بیسوں جگہ مذمت کی ہے۔ آج ہمارے بہت سے کلمہ گو بھائی بھی اپنے افعال واعمال کی دلیل اسی باپ دادا کی ریت کو بتاتے ہیں اور خلاف شرع رسوم اور بدعات وغیرہ کی حمایت میں ایک یہی ان کا جواب ہے کہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے آئے ہیں۔ ہم اپنے باپ دادا سے ایسا ہی سنتے آئے ہیں ہم تو ان ہی کے راستہ پر چلیں گے۔ تو اسلام اور ایمان کے مقابلہ میں کفار ومشرکین بھی یہی کہتے تھے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کی لکیر کے فقیر ہیں۔ تو ان منکرین کو حق تعالیٰ کی طرف سے کیا خوب جواب عنایت فرمایا جاتا ہے کہ اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لے جارہا ہو۔ تب بھی تم ان ہی کے پیچھے چلو گے؟ اور جہاں وہ گریں گے وہیں جاکر گرو گے؟ آگے ان کجرووں کے مقابلہ میں سلامت روی کا نتیجہ ظاہر فرمایا جاتا ہے کہ جس نے اخلاص کے ساتھ نیکی کا راستہ اختیار کیا اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیا اور اس کی فرمانبرداری صدق دل سے اختیار کی تو سمجھ لو کہ اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ ہاتھ میں تھام لیا۔ جب تک یہ کڑا پکڑے رہے گا گرنے یا چوٹ کھانے کا کوئی اندیشہ نہیں یعنی جس طرح کوئی پستی سے بلندی کی طرف چڑھنے والا کسی مستحکم اور مضبوط رسی کو تھام کر مطمئن ہوجاتا ہے یہی حال اس شخص کا ہے کہ جو دلی ارادت کے ساتھ اللہ کا فرمانبردار ہوجائے۔ تو جس نے یہ کڑا مضبوط تھامے رکھا وہ آخر اسکے سہارے سے اللہ تک پہنچ جائے گا اور نجات کا بڑا قوی ذریعہ اس کے ہاتھ آجائے گا اور خدا اس کا انجام درست کردیگا۔

اب یہاں آیت میں اس جملہ پر غور کیجئے **واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله** اور جب ان سے یعنی منکرین سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو یعنی قرآن کریم کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ تو وہ منکرین اس کا جواب دیتے تھے **بل نتبع ما وجدنا علیه اٰبآء نا**۔ نہیں ہم اسی کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے یہ تو تھا منکرین قرآن کا جواب لیکن اگر آپ آج یہی مطالبہ اور یہی سوال اپنے ہم وطنوں سے کریں کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو معلوم ہے یورپی تہذیب کے دلدادہ اور مغربیت کے شیدائیوں کی طرف سے آپ کو کیا کیا جواب ملیں گے؟ پہلا جواب یہ ہوگا کہ یہ چودہ سو سال کا پرانا قانون اس ترقی کے زمانہ میں کیسے چل سکتا ہے؟ دوسرا جواب یہ ملے گا کہ قرآن نے جو سزائیں اور حدود مقرر کیے ہیں وہ یورپ کی نظر میں وحشیانہ سزائیں ہیں۔ چور کے ہاتھ کاٹ دینا اور زانی کو کوڑے مارنا یا سنگسار کردینا۔ تو یہ سزائیں جاری کر کے ہم یورپ کی نظر میں غیر مہذب اور وحشی کیسے بنیں؟ تیسرا جواب یہ ملے گا کہ قرآنی اتباع میں شراب بند کردی جائے اور شرابی کے کوڑے لگائے جائیں تو غیر ملکی مہمانوں کی شراب وکباب سے ضیافت کیسے ہوسکے گی جو ان کی مہمانداری کے لوازم میں سے ہے؟ چوتھا جواب یہ ملے گا کہ قرآنی اتباع میں سود کا لین دین ختم کردیا جائے تو ساری غیر ملکی تجارت کاروبار اور لین دین سب ہی ٹھپ ہوجائے گا۔ پانچواں جواب یہ ملے گا کہ قرآنی شرم وحیا اور پردہ ہماری مستورات کی ترقی اور جدید تہذیب میں رکاوٹ بنے گا۔ ہم اپنی بہو۔ بیٹیوں

کو غیروں کے بغل میں بٹھائے بغیر اور غیروں کی بہو بیٹیوں کو اپنے بغل میں بٹھائے بغیر اور یورپ کی تہذیب جدید کا مظاہرہ کئے بغیر یورپ والوں سے مہذب اور ترقی یافتہ کیسے کہلائیں گے؟ تو اس چیز کا اتباع کیسے کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ کفار و منکرین کو تو ایک ہی عذر تھا کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ کے خلاف کیسے دوسرا طریقہ اختیار کریں اور یہاں بیسوں اور پچاسوں عذر ہیں اتباع قرآن کے لئے اور ساتھ ہی اسلام اور ایمان کے بلند دعوے بھی ہیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

دیکھئے سورۂ مائدہ چھٹے پارہ میں صاف فرمایا گیا ہے **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الکفرون۔** اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ کافر ہیں۔

(۲) پھر آگے اسی سورۂ مائدہ پ ۶ میں فرمایا گیا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الفسقون۔** جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ فاسق ہیں یعنی بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں۔

(۳) پھر اسی سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الظلمون۔** اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ظالم ہیں۔

سورۂ مائدہ کی ان آیات کے تحت علمائے محققین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص حکم خداوندی کو حقیر یا غلط یا خلاف مصلحت یا خلاف تہذیب سمجھ کر اس کا انکار کردے اور قانون شریعت اسلامیہ میں تغیر و تبدل کر کے اپنی طرف سے نیا حکم تجویز کردے تو ایسا شخص بلاشبہ کافر ہے۔ اور اگر دل میں حکم خداوندی کی تصدیق اور اس کی عظمت اور اس کی حقانیت کا اعتراف موجود ہے اور محض غلبۂ نفس یا کسی دنیاوی مجبوری اور معذوری کی بنا پر بادل ناخواستہ حکم خداوندی کے خلاف فیصلہ کردے تو شریعت اسلامیہ میں وہ کافر نہ ہوگا بلکہ فقط گناہ گار ہوگا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتقاد کی غلطی عملی غلطی سے زیادہ سخت اور تباہ کن ہوتی ہے۔

تو جہاں حق تعالیٰ نے اس اندھی تقلید کی مذمت اور اس کی قباحت میں منکرین کے جواب پر ان کی ضلالت ظاہر کرنے کے لئے یہ فرمایا **اولو کان الشیطن یدعوھم الی عذاب السعیر ٥** یعنی کوئی ان سے پوچھے کہ کیا وہ ہر حالت میں اپنے بڑوں ہی کی پیروی کریں گے اگرچہ ان کو شیطان عذاب جہنم کی طرف بلاتا رہا ہو۔ وہیں حق تعالیٰ نے اگلی ہی آیت میں اس سچے اسلام اور ایمان کی حقیقت کو بھی ظاہر فرمادیا کہ جو اسلام اور ایمان مطلوب ہے اور جو حقیقت میں کام آنے والا ہے۔ فرمایا **ومن یسلم وجهه الی اللہ وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقٰی۔** اور جو شخص حق کا اتباع کر کے اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی اعمال میں بھی اور اس کے ساتھ وہ محسن یعنی مخلص بھی ہو یعنی محض ظاہری اسلام نہ ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور یہ شخص ہلاکت و خسران سے محفوظ ہوگیا۔ تو معلوم ہوا کہ ہلاکت اور خسران آخرت سے بچنے کے لئے محض زبانی اور ظاہری اسلام کا دعویٰ کافی نہیں بلکہ حقیقی اسلام اور خالص ایمان پر یہ بشارت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ جو خدا کا سچا فرمانبردار بن جائے اور جو شریعت کا تابعدار ہو جائے خدا کے حکموں پر عمل کرے اور اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے۔ خدا کے منع کردہ کاموں سے باز آجائے اس نے مضبوط دستاویز لے لیا گویا خدا کا وعدہ لے لیا کہ وہ عذاب آخرت سے نجات یافتہ ہے۔ ابھی آگے بھی انہی منکرین کے متعلق مضمون جاری ہے کہ یہ جو حق کو نہیں سمجھتے اور اپنے انکار حق پر جمے ہوئے ہیں تو ابھی یہ چند روز مزے دنیا میں اڑالیں پھر ان کو ایک سخت عذاب کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا یعنی آخرت میں عذاب جہنم سے واسطہ پڑنا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۗ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

اور جو شخص کفر کرے سو آپ کیلئے اس کا کفر باعث غم نہ ہونا چاہیے اس سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے سو ہم ان کو جتلادیں گے جو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں

الصُّدُوْرِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٢٤﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

خوب معلوم ہیں۔ ہم ان کو چندروزہ عیش دیئے ہوئے ہیں پھر ان کو کشاں کشاں ایک سخت عذاب کی طرف لے آدیں گے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۗ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِى

آسمانوں و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے، آپ کہیئے کہ الحمدللہ۔ بلکہ ان میں اکثر نہیں جانتے۔ جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

آسمانوں اور زمین میں موجود ہے سب اللہ ہی کا ہے اور بیشک اللہ بے نیاز سب خوبیوں والا ہے۔ اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٧﴾ مَا خَلْقُكُمْ

اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اس میں اور شامل ہو جائیں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں، بیشک خدا تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ تم سب کا پیدا کرنا

وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٨﴾

اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔

وَ اور	مَنْ كَفَرَ جس نے کفر کیا	فَلَا يَحْزُنْكَ تو آپ کو غمگین نہ کردے	كُفْرُهٗ اس کا کفر	اِلَيْنَا ہماری طرف	مَرْجِعُهُمْ ان کا لوٹنا			
فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا پھر ہم انہیں ضرور جتلائیں گے وہ جو	عَمِلُوْا وہ کرتے تھے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلِيْمٌ جاننے والا	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سینوں (دلوں) کے بھید				
نُمَتِّعُهُمْ ہم انہیں فائدہ دینگے	قَلِيْلًا تھوڑا	ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ پھر ہم انہیں کھینچ لائینگے	اِلٰى طرف	عَذَابٍ عذاب	غَلِيْظٍ سخت	وَلَئِنْ اور اگر		
سَاَلْتَهُمْ تم ان سے پوچھو	مَنْ خَلَقَ کس نے پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں کو	وَالْاَرْضَ اور زمین	لَيَقُوْلُنَّ تو وہ یقیناً کہیں گے	اللّٰهُ اللہ	قُلِ فرمادیں		
الْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ کے لئے	بَلْ اَكْثَرُهُمْ بلکہ ان کے اکثر	لَا يَعْلَمُوْنَ جانتے نہیں	لِلّٰهِ اللہ کے لئے	مَا جو کچھ	فِى السَّمٰوٰتِ آسمانوں میں			
وَالْاَرْضِ اور زمین	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	هُوَ وہ	الْغَنِىُّ بے نیاز	الْحَمِيْدُ تعریفوں کے ساتھ	وَلَوْ اور اگر	اَنَّ یہ ہو کہ	مَا جو	فِى الْاَرْضِ زمین میں
مِنْ سے کوئی	شَجَرَةٍ درخت	اَقْلَامٌ قلمیں	وَالْبَحْرُ اور سمندر	يَمُدُّهٗ اسکی سیاہی	مِنْۢ بَعْدِهٖ اس کے بعد	سَبْعَةُ سات	اَبْحُرٍ سمندر (جمع)	
مَا نَفِدَتْ تو بھی ختم نہ ہوں	كَلِمٰتُ اللّٰهِ اللہ کی باتیں	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَزِيْزٌ غالب	حَكِيْمٌ حکمت والا	مَا خَلْقُكُمْ نہیں تم سب کا پیدا کرنا			
وَلَا بَعْثُكُمْ اور نہیں تمہارا جی اٹھانا	اِلَّا مگر	كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ جیسے ایک شخص	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	سَمِيْعٌ سننے والا	بَصِيْرٌ دیکھنے والا			

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے یعنی پوری طرح اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں دے دے اور اس کی فرمانبرداری صدق دل سے اختیار کر لے اور اپنے سارے معاملات کو اس کے سپرد کر دے اور اس کی دی

ہوئی ہدایات کو اپنی پوری زندگی کا قانون بنالے تو سمجھ لو کہ اس نے ایک مضبوط حلقہ تھام لیا اور اس شخص کے مشابہ ہوگیا جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں تھام کر بلندی پر چڑھنے میں گرنے سے مامون اور محفوظ ہوجاتا ہے اسی طرح یہ شخص ہلاکت اور خسران آخرت سے محفوظ و مامون ہوگیا۔ تو اس میں مومنین کو ترغیب و تعلیم تھی کہ تم اپنا علاقہ خدا سے اخلاص کے ساتھ جوڑے رکھو۔ اب آگے منکرین کے متعلق مضمون ہے اور ان آیات میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو منکرین کو سمجھانے کا حق ادا کر چکے قرآن کریم کی آیات انہیں سناویں اب بھی جو شخص آپ کی بات ماننے سے انکار کرتا ہے تو آپ غم نہ کریں۔ ان منکرین کو بالآخر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ اس وقت سب کیا دھرا سامنے آجائے گا۔ کسی جرم کو اللہ سے چھپا نہ سکیں گے کیونکہ وہ تو دلوں تک کے راز جانتا ہے۔ سب کھول کر رکھ دے گا۔ اور ان کے اعمال کا نتیجہ سامنے آجائے گا اور اگر یہ لوگ محض چند روزہ عیش پر بھول رہے ہیں تو ان کی بڑی غلطی ہے کیونکہ یہ دائمی نہیں بلکہ تھوڑے دن کا عیش و بےفکری ہے مہلت ختم ہوجانے پر سخت سزا کے نیچے کھنچے چلے آئیں گے۔ مجال ہے کہ پھر چھوٹ کر کہیں بھاگ جائیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ گو یہ منکرین دلائل پر غور فکر نہیں کرتے۔ محض باپ دادا کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں لیکن بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور خالق ہونے کا و نیز قادر و مالک ہونے کا فطری طور پر ایسا علم ہے کہ اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو شکر ہے کہ اتنی بات تو جانتے اور مانتے ہیں اور اس کا زبان سے اعتراف کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا بجز اللہ کے کسی اور کا کام نہیں تو پھر اب کونسی خوبی رہ گئی جو اس کی ذات میں نہ ہو۔ لامحالہ خالق السموٰت والارض میں تمام کمالات تسلیم کرنے پڑیں گے۔ جب یہ حقیقت ہے کہ خالق تنہا وہ ہے اور تخلیق کائنات میں کسی اور کا حصہ نہیں تو کوئی دوسری ہستی معبود ہونے کی کیسے مستحق ہوسکتی ہے اور دوسرے معبود کیونکر بن گئے۔ بات تو صاف ہے پر بہت سے لوگ نہیں سمجھتے اور یہاں آکر اٹک جاتے ہیں۔ جب ایک شخص یہ مانتا ہے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق صرف اللہ ہے تو لازماً اس کو یہ بھی ماننا چاہئے کہ اِلٰہ اور رب بھی صرف اللہ ہی ہے۔ عبادت و طاعت و بندگی کا مستحق بھی تنہا وہی ہے۔ خالق ایک ہو اور معبود دوسرا یہ بالکل عقل کے خلاف ہے اور سراسر متضاد بات ہے جس کا قائل وہی ہوسکتا ہے جو جہالت ولاعلمی میں ڈوبا ہوا ہو اور پھر حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے بلکہ درحقیقت وہی ان سب چیزوں کا مالک بھی ہے جو زمین اور آسمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ نے اپنی یہ کائنات بنا کر یونہی نہیں چھوڑ دی کہ جو چاہے اس کا یا اس کے کسی حصہ کا مالک بن بیٹھے بلکہ سب اس کی مخلوق اور مملوک ہیں اور سب اسی کے محتاج ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ تو جو شخص کفر کرتا ہے اس کا کفر اسی کے لئے نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کا اس سے کوئی نقصان نہیں کیونکہ اس کی ذات جملہ صفات کمالیہ کا مخزن و منبع ہے اور وہ بالذات سب خوبیوں اور عزتوں کا مالک ہے پھر اسے کسی کی کیا پروا ہوسکتی ہے۔ پس سزاوار الوہیت وہی ہے۔ اور اس کی خوبیاں اور کمالات تو اس کثرت سے ہیں کہ فرض کرو کہ تمام دنیا کے درختوں کو تراش کر قلم بنالیں اور موجودہ سمندروں کی روشنائی تیار کی جائے اور پھر مزید سات سمندر روشنائی بن کر اس میں شامل ہوجائیں اور تمام مخلوق اپنی اپنی بساط کے موافق لکھنا شروع کرے تب بھی حق تعالیٰ کے کمالات اور عظمت وجلال کی باتیں ختم نہ ہوں اور لکھنے والوں کی عمریں ختم ہوجائیں قلم گھس گھس کر ٹوٹ جائیں۔ روشنائی ختم ہوجائے گی پر اللہ کی

تعریفیں۔ اس کی خوبیاں اور کمالات ختم نہ ہوں گے۔ بھلا محدود اور متناہی قوتوں سے لامحدود اور غیر متناہی کا سرانجام کیونکر ہوسکتا ہے۔ بظاہر ایک شخص یہ گمان کرسکتا ہے کہ شاید اس قول میں مبالغہ کیا گیا ہے لیکن درحقیقت اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں جتنے قلم اس زمین کے درختوں سے بن سکتے ہیں اور جتنی روشنائی زمین کے موجودہ سمندر اور ویسے ہی سات مزید سمندر فراہم کرسکتے ہیں ان سے اللہ کی قدرت وحکمت اور اس کے سارے کمالات تو درکنار شاید موجودات عالم کی مکمل فہرست بھی نہیں لکھی جاسکتی۔ تو یہاں اس بیان سے دراصل یہ تصور دلانا مقصود ہے کہ جو خدا ایسی قدرت اور ایسے کمالات والا ہے اور جو اتنی بڑی کائنات کو وجود میں لایا ہے اور جو ازل سے ابد تک اس کا سارا نظم ونسق چلا رہا ہے اس کی خدائی میں ان ہستیوں کی حیثیت ہی کیا ہے جنہیں یہ مشرکین معبود بنائے بیٹھے ہیں۔ آگے مسئلہ بعث یعنی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ یہ منکرین بدفہم اس کو دشوار اور محال سمجھ رہے ہیں حالانکہ وہ ایسا قادر ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا اور تم سب کو زندہ کرکے قیامت میں اٹھانا صرف ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا اور ظاہر ہے کہ ایک جان کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ پس تم سب کا بھی زندہ کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا کیونکہ اسے کسی کام کے لئے کوئی سامان نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہاں تو صرف حکم کی دیر ہے۔ بس ادھر حکم ہوا ادھر وہ چیز موجود۔ اخیر میں ارشاد ہوا **ان اللہ سمیع بصیر** یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے اس لئے اس سے ان منکرین کا کوئی قول وفعل مخفی نہیں۔ پس جو لوگ باوجود ان دلائل کے بعث بعدالموت کا انکار کررہے ہیں اور اس جرأت پر کفروشرک فسق وفجور پر جمے ہوئے ہیں وہ ان سب کو سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے اور ہٹ دھرموں کو سخت سزا دے گا جو خواہ مخواہ اس کے کمالات کا انکار کررہے ہیں۔

ابھی آگے بھی یہی مضمون توحید جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکرواحسان ہے کہ اس نے کفروشرک سے بچا کر ہم کو اسلام وایمان کی دولت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر استقامت عطا فرماویں اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائیں۔ اور اس زندگی میں ہم کو آخرت کا فکر اور وہاں کی ہمہ وقت کی تیاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ دنیا کا چندروزہ عیش وبہار ہم کو آخرت سے غفلت میں نہ ڈالنے پائے۔ یا اللہ! آپ کی عظمت اور کمالات کی باتیں لامحدود اور غیر متناہی ہیں ان کا حصر مخلوق سے کہاں ممکن ہے بیشک آپ سمیع بصیر ہیں سب کچھ آپ سنتے اور سب کچھ آپ دیکھتے ہیں موجودات کا کوئی ذرہ آپ کے عالم محیط سے غائب نہیں ہے۔

یا اللہ! بیشک ایک دن ہم کو آپ کے سامنے کھڑا ہونا اور اپنے اعمال دنیا کی جواب دہی دینا ہے۔ یا اللہ ہمیں اس دن کی فکر دائمی نصیب فرما اور دنیا ہی میں موت سے پہلے اپنی کوتاہیوں کی سچی توبہ اور استغفار سے تدارک کرلینے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقرر وقت تک

إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ

چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں

مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ

بالکل ہی لچر ہیں اور اللہ ہی عالی شان اور بڑا ہے۔ اے مخاطب کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے

اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا

تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلا دے اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے شخص کیلئے جو صابر شاکر ہو۔ اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے

اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿٣٢﴾

اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے سو بعضے تو ان میں اعتدال پر رہتے ہیں، اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکر ہیں۔

أَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	أَنَّ اللَّهَ کہ اللہ	يُولِجُ داخل کرتا ہے	اللَّيْلَ رات	فِي النَّهَارِ دن میں	وَيُولِجُ اور داخل کرتا ہے	النَّهَارَ دن	فِي اللَّيْلِ رات میں	
وَسَخَّرَ اور اس نے مسخر کیا	الشَّمْسَ سورج	وَالْقَمَرَ اور چاند	كُلٌّ ہر ایک	يَجْرِي چلتا رہے گا	إِلَىٰ طرف	أَجَلٍ مدت	مُسَمًّى مقررہ	وَأَنَّ اور یہ کہ
اللَّهَ اللہ	بِمَا تَعْمَلُونَ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو	خَبِيرٌ خبردار	ذَٰلِكَ یہ	بِأَنَّ اللَّهَ اس لئے کہ اللہ	هُوَ الْحَقُّ وہی برحق	وَأَنَّ اور یہ کہ	مَا جو جس	
يَدْعُونَ وہ پرستش کرتے ہیں	مِنْ دُونِهِ اس کے سوا	الْبَاطِلُ باطل	وَأَنَّ اور یہ کہ	اللَّهَ اللہ	هُوَ وہی	الْعَلِيُّ بلند مرتبہ	الْكَبِيرُ بڑائی والا	
أَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا	أَنَّ کہ	الْفُلْكَ کشتی	تَجْرِي چلتی ہے	فِي الْبَحْرِ دریا میں	بِنِعْمَتِ اللَّهِ اللہ کی نعمتوں کیساتھ	لِيُرِيَكُمْ تاکہ وہ تمہیں دکھادے		
مِنْ آيَاتِهِ اسکی نشانیاں	إِنَّ بیشک	فِي ذَٰلِكَ اس میں	لَآيَاتٍ البتہ نشانیاں	لِكُلِّ واسطے ہر	صَبَّارٍ بڑے صبر والے	شَكُورٍ بڑے شکرگزار	وَإِذَا اور جب	
غَشِيَهُمْ اُن پر چھا جاتی ہے	مَوْجٌ موج	كَالظُّلَلِ سائبانوں کی طرح	دَعَوُا اللَّهَ وہ اللہ کو پکارتے ہیں	مُخْلِصِينَ خالص کر کے	لَهُ الدِّينَ اس کیلئے دین عبادت			
فَلَمَّا پھر جب	نَجَّاهُمْ اس نے انہیں بچالیا	إِلَى الْبَرِّ خشکی کی طرف	فَمِنْهُمْ تو ان میں کوئی	مُقْتَصِدٌ میانہ رو	وَمَا يَجْحَدُ اور انکار نہیں کرتا			
بِآيَاتِنَا ہماری آیتوں کا	إِلَّا سوائے	كُلُّ ہر	خَتَّارٍ عہد شکن	كَفُورٍ ناشکرا				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے کمالات کا ذکر ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان سب کے قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور پھر سات مزید سمندر روشنائی بن کر اس میں شامل ہو جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے کمالات کی باتیں لکھنے سے ختم نہ ہوں۔ اسی سلسلہ میں آگے مزید توحید کا مضمون بیان فرمایا جاتا ہے اور تمام انسانوں کو خطاب کر کے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ ہر شخص پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا ہے اور چاند سورج جیسے عظیم کرات کو ایک مزدور کی طرح کام میں لگا رکھا ہے یہ رات اور دن کا پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ آنا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ سورج اور چاند پوری طرح ایک

ضابطہ میں بندھے ہوئے ہیں۔ یہاں صرف سورج اور چاند کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ دونوں عالم بالا کی وہ نمایاں چیزیں ہیں جن کو مشرکین قدیم زمانہ سے معبود بناتے چلے آئے ہیں۔ آج بھی بہت سے انسان انہیں اپنا دیوتا تسلیم کرتے ہیں ورنہ درحقیقت اس زمین سمیت کائنات کے تمام ستارے اور سیارے اللہ تعالیٰ کے ایک اٹل ضابطہ میں کسے ہوئے ہیں جس سے وہ بال برابر ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتے پھر آگے یہ تصریح بھی فرمادی کہ ہر چیز کی مدت عمر مقرر کردی گئی ہے اسی وقت تک وہ چل رہی ہے۔ سورج ہو یا چاند یا کائنات کا کوئی اور ستارہ یا سیارہ ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ازلی ہے نہ ابدی۔ ہر ایک کا ایک وقت آغاز ہے۔ جس سے پہلے وہ موجود نہ تھی اور ایک وقت اس کے خاتمہ کا ہے جس کے بعد وہ موجود نہ رہے گی۔ اس تصریح سے مقصود یہ جتلانا ہے کہ ایسی حادث اور بے بس چیزیں آخر معبود کیسے ہوسکتی ہیں۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ صفات اور کمالات عظیمہ اس لئے ذکر کی گئیں کہ سننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا کو ماننا اور صرف اس کی ہی عبادت کرنا ٹھیک راستہ ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے یا کیا جائے باطل اور جھوٹ ہے۔ لہٰذا بندہ کی انتہائی پستی اور تذلل جس کا نام عبادت ہے اسی بلند اور برتر قدرت والے کے لئے ہونی چاہئے۔ آگے توحید کی ایک دوسری دلیل دی جاتی ہے اور یہاں بھی عام انسانوں کو مخاطب کرکے بتلایا جاتا ہے کہ کیا تم کو توحید کی یہ دلیل معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی یا جہاز دریا یا سمندر میں چلتے ہیں اور اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں یعنی ایسی نشانیاں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اختیارات بالکل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان خواہ کیسے ہی مضبوط اور بحری سفر کے لئے موزوں جہاز بنالے اور جہاز رانی کے فن اور اس سے تعلق رکھنے والی معلومات اور تجربات میں کتنا ہی کمال حاصل کرلے لیکن سمندر میں جن ہولناک طاقتوں سے اس کو سابقہ پیش آتا ہے ان کے مقابلہ میں وہ تنہا اپنی تدابیر کے بل بوتہ پر بخیریت سفر نہیں کرسکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم پھرتے ہی آدمی کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کے ذرائع و وسائل اور کمالات فن کتنے پانی میں ہیں۔ جن کو زندگی میں کبھی ایسا سابقہ پڑا ہے وہ اس کا احساس خوب کرسکتے ہیں۔ آدمی امن و اطمینان کی حالت میں چاہے کیسا ہی سخت دہریہ یا کٹر مشرک ہو لیکن سمندر کے طوفان میں جب اس کی کشتی ڈوبنے لگتی ہے اس وقت دہریہ کو بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ خدا ہے اور مشرک بھی جان لیتا ہے کہ خدا ایک ہی ہے۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ اس بحری سفر کے احوال وحوادث میں غور کرنا انسان کے لئے صبر وشکر کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ جب طوفان اٹھ رہے ہوں اور جہاز طوفانی موجوں کے تھپیڑوں میں گھرا ہو اس وقت بڑے صبر وتحمل کا کام ہے اور جب اللہ نے اس کشمکش موت وحیات سے صحیح سالم نکال دیا تو ضروری ہے کہ اس کا احسان مانا جائے اور شکر کیا جائے۔ ان دلائل اور شواہد سے سمجھایا گیا کہ ایک اللہ ہی کا ماننا ٹھیک ہے۔ اس کے خلاف سب باتیں جھوٹی ہیں۔ اب آگے بتلایا جاتا ہے کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کٹر سے کٹر مشرک بھی بڑی عقیدت مندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہی ہے باقی سب بناوٹ اور جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔ قرآن پاک نے یہاں جس حقیقت کو ظاہر کیا ہے اس کی مثالیں اس وقت بھی سامنے آتی ہیں۔ جب روس کا سب سے پہلا خلاباز فضائے آسمانی میں روانہ کیا تو اس کی بیوی کو اس پرواز سے بے خبر رکھا گیا۔ جب اس کی بیوی کو اس کے عزم کی خبر ملی تو تمام رات سربسجود اپنے شوہر کی بہ سلامت واپسی کے لئے رو رو کر دعائیں مانگتی رہی۔ یہ اس ملک کا حال ہے جو خدا کا نام دنیا سے مٹانے کے لئے ادھار رکھائے بیٹھا ہے۔ روس کی رسوائی عالم خدا دشمنی منظر عام پر آچکی ہے۔ آئے دن تحریر وتقریر کے ذریعہ اعلان ہوتے ہیں کہ مذہب کو صفحہ ارضی سے ختم

کردو۔ ایک دفعہ ایک خلاباز کی کامیاب پرواز کے بعد ماسکو ریڈیو سے اعلان کیا گیا کہ اتنے ہزار میل بلندی پر ہم ہو آئے ہیں ہمیں تو خدا کا کہیں کھوج نہ مل سکا۔ لیکن یہی خداوند عالم کا انکار کرنے والے روسی تھے کہ جب ہٹلر کی افواج قاہرہ کا اسٹیلن گراڈ Stelin Grad کی طرف پیش قدمی کا تصور ہوا تو روس کی طرف سے اعلان ہوا جس میں مساجد اور تمام معابد میں دعا مانگنے کی اپیل کی گئی تھی۔ سوویت روس کے یوم دعا کے اعلان پر کہ گرجوں مساجد اور دیگر مذہبی معابد میں صدق دل سے دعائیں مانگی جائیں۔ اس پر بمقام لاہور بیرون دہلی دروازہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر کی تھی جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہمارے شہر امرتسر میں ایک لڑکا اپنی ماں کا انتہائی گستاخ تھا۔ وہ اکثر ماں کے ساتھ غیر شریفانہ سلوک سے پیش آیا کرتا۔ گالی گلوچ کے علاوہ مار پیٹ سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے محلّہ کے لڑکوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ آئے دن کے مظالم سے محلّہ کے لڑکے تنگ آ گئے تو انہوں نے مشورہ کر کے ایک دن اس ماں کے نافرمان بچے کو پکڑ کر ہڈی پسلی ایک کردی۔ تو درد و کرب سے بے ساختہ وہ لڑکا پکار اٹھا کہ ”ہائے اماں“ اماں اپنے لال کی آواز سن کر بھاگی بھاگی آئی اور وہ آتے ہی مارنے والے لڑکوں کے ہاتھ چومنے لگ گئی۔ اور کہنے لگی کہ میں تمہارے صدقہ واری جاؤں۔ جنہوں نے ساری عمر میں اس کم بخت کے منہ سے ”ہائے اماں“ کہلوادیا۔ تو سوویت روس کو بھی اس وقت خدا نظر آ گیا تھا۔ آج اگر اس کو خدا نظر نہیں آتا تو ممکن ہے کہ خدا آئندہ پھر کوئی ہٹلر اس کے لئے کھڑا کر دے۔ اسی کو یہاں آیت میں فرمایا گیا کہ جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح محیط ہو کر گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد ہی کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف خدا تعالیٰ لے آتا ہے تو تھوڑے نفوس ہیں جو اعتدال اور توسط کی راہ پر قائم رہیں ورنہ اکثر تو دریا یا سمندر سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول و اقرار اللہ سے کر رہے تھے سب جھوٹے نکلے چند روز بھی اس کے انعام و احسان کا حق نہ مانا۔ اور اس قدر جلد قدرت کی نشانیوں سے منکر ہو گئے۔

ان آیات کے تحت ایک بات یہ بھی افسوس ناک کہنے کے لائق ہے کہ مشرکین کے متعلق بھی یہاں بتلایا گیا کہ جب وہ کسی سخت حادثہ میں گرفتار ہوتے تھے تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے تھے۔ لیکن آج آپ کو اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں ایسے افراد بھی ملیں گے کہ جو دریا کی موجوں اور سمندر کے طلاطم خیز تھپیڑوں میں اللہ کے نام کی بجائے دوسروں ہی کا نام لیتے ہیں۔ مثلاً یا علی مشکل کشا“ اور ”یا غوث“ اور ”یا قطب“ اور ”یا پیر دستگیر“

اب آگے خاتمہ کی آیات میں تمام انسانوں کو خطاب فرما کر انکی خیر خواہی کا حکم فرمایا جاتا ہے اور قیامت کے دن سے ڈرایا جاتا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: اللہ تعالیٰ سچی اور پکی اور خالص توحید سے ہمارے دلوں کو منور فرمادیں۔ حق تعالیٰ اپنی ذات پاک کی صحیح معرفت اور توحید حقیقی ہم سب کو نصیب فرمادیں۔ اور ہر حال میں اپنا صابر شاکر بندہ بنا کر رکھیں۔ اور ہر حال میں اپنی ہی ذات پاک کی طرف رجوع ہونے کی ہم کو توفیق مرحمت فرماویں۔ اور بدعہدی اور ناشکری کی بدخصلت سے ہم کو بچاویں۔

یا اللہ! آپ نے بے شمار احسانات اور انعامات سے ہم کو نواز رکھا ہے چاند سورج سیاروں اور ستاروں کو ہماری خدمت کے کاموں میں اپنی قدرت سے لگا رکھا ہے۔ یا اللہ! اپنی بے شمار نعمتوں کا ہم کو احساس عطا فرما اور ان نعمتوں کی سچی شکر گزاری کی توفیق عطا فرما تا کہ ہم کو کسی آن آپ کے ذکر و فکر سے غفلت نہ ہو۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے

وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۳۳

ذرا بھی مطالبہ ادا کردے یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگانی دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ تم کو وہ دھوکہ باز اللہ سے دھوکہ میں ڈالے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ

بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۳۴

کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بیشک اللہ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا اے	النَّاسُ لوگو	اتَّقُوْا تم ڈرو	رَبَّكُمْ اپنا پروردگار	وَاخْشَوْا اور خوف کرو	يَوْمًا وہ دن	لَا يَجْزِيْ نہ کام آئے گا	وَالِدٌ کوئی باپ	عَنْ سے کے
وَلَدِهٖ اپنے بیٹے	وَلَا مَوْلُوْدٌ اور نہ کوئی بیٹا	هُوَ وہ	جَازٍ کام آئیگا	عَنْ وَّالِدِهٖ سے کے باپ	شَيْـًٔا کچھ	اِنَّ بیشک	وَعْدَ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	حَقٌّ سچا
فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ سو تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی	وَ اور	لَا يَغُرَّنَّكُمْ تمہیں ہرگز دھوکہ نہ دے	بِاللّٰهِ اللہ سے				
الْغَرُوْرُ دھوکہ دینے والا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عِنْدَهٗ اس کے پاس	عِلْمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم	وَيُنَزِّلُ اور وہ نازل کرتا ہے	الْغَيْثَ بارش			
وَيَعْلَمُ اور وہ جانتا ہے	مَا جو	فِي الْاَرْحَامِ (حاملہ کے) رحم میں	وَمَا اور نہیں	تَدْرِيْ جانتا	نَفْسٌ کوئی شخص	مَاذَا کیا	تَكْسِبُ وہ کرے گا	
غَدًا کل	وَمَا تَدْرِيْ اور نہیں جانتا	نَفْسٌ کوئی شخص	بِاَيِّ کس	اَرْضٍ زمین	تَمُوْتُ وہ مرے گا	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	عَلِيْمٌ علم والا	خَبِيْرٌ خبردار

تفسیر و تشریح:۔ یہ سورۂ لقمان کی خاتمہ کی آیات ہیں گذشتہ آیات میں یہ سمجھایا گیا تھا کہ انسان کو چاہیئے کہ اللہ کے لطف و کرم فضل و احسان کو دنیا میں ہر طرف پھیلا ہوا دیکھ کر اللہ کو پہچانے۔ اور توحید کو اختیار کرے لیکن انسان کا عجیب رویہ ہے۔ اللہ کی نعمتوں سے ہر وقت ہر لحظہ فائدہ اٹھاتا ہے لیکن اُسے بھول کر دوسروں کی معبودیت تسلیم کرتا ہے۔ مگر جب کوئی سخت مصیبت آپڑتی ہے کہ جہاں کوئی مدد کی شکل و صورت نظر نہیں آتی تو پھر اللہ ہی کی ذات عالی کی طرف متوجہ ہو کر اس کو پکارتا ہے لیکن غضب یہ کہ مصیبت کے ٹلتے ہی بدعہدی اور ناشکری اختیار کر لیتا ہے۔ اب چونکہ یہ سورۂ لقمان کی آخری آیات ہیں اس لئے انسانوں کو بغرض خیر خواہی اور اتمام حجت کے ایک ایسا حکم دیا جاتا ہے جو تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہے اور وہ حکم یہ ہے یآیھا الناس اتقوا ربکم اے لوگو اپنے رب سے ڈرا کرو۔ ظاہر ہے کہ جو اپنے رب سے ڈرے گا وہ اس کی نافرمانی اور معصیت کے پاس بھی نہ جائے گا اور کسی حکم کے بجالانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا اوصیکم بتقوی اللہ. میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں یعنی بتاکید حکم دیتا ہوں۔ اب چونکہ یہ انسانی خصلت ہے کہ ڈر و خوف اس کو جبھی پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ کسی خطرہ یا آنے والی بلائے عظیم کا احساس کرے اس لئے عام انسانوں کو خدا سے ڈرنے کے لئے قیامت کے واقعہ اور حادثہ عظیم کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ ایک ایسا ہولناک اور ہوشربا دن آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کر کے دوسروں کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا اور تیار بھی ہو تو یہ تجویز چل نہ سکے گی۔ تیسویں پارہ سورۂ عبس میں بھی ایسا ہی فرمایا گیا ہے یوم یفر

6 المرءُ من اخیه وامه ابیه وصاحبته وبنیه. لکل امری منهم یومئذ شان یغنیه. جس روز انسان بھاگنے لگے اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے۔ان میں سے ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔دوسروں سے بےتوجہ کردینے والی یعنی اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی احباب عزیز واقارب ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے بلکہ اس خیال سے کہ کوئی میری نیکیوں میں سے نہ مانگنے لگے یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے ایک دوسرے سے بھاگے گا۔دنیا میں قریب ترین تعلق اگر کوئی ہے تو وہ اولاد اور والدین کا ہے مگر قیامت میں یہ حالت ہوگی کہ بیٹا پکڑا گیا تو باپ آگے بڑھ کر یہ نہیں کہے گا کہ اس کے گناہ میں مجھے پکڑ لیا جائے اور باپ کی شامت آرہی ہو تو بیٹے میں یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوگی کہ اس کے بدلے میں مجھے پکڑ لیا جائے اس حالت میں یہ توقع رکھنے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ دوسرا شخص وہاں کسی کے کچھ کام آئے گا۔ لہٰذا نادان ہے وہ شخص جو دنیا میں دوسروں کی خاطر اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔یا کسی کے بھروسہ پر گمراہی اور گناہ کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ عام انسان سے ایسے سارے موقعوں پر اکثر مفسرین نے مراد کافر ہی لی ہے۔اہل ایمان کی شفاعت کا مسئلہ اہل ایمان کے لئے اپنی جگہ علیحدہ ہے۔

یہاں انسان کو قیامت کی ہولناکی سے ڈرا کر غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرنے کی تاکید مقصود ہے۔آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وہ دن یعنی قیامت کا دن یقیناً آکر رہے گا۔یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔لہٰذا دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے انسان دھوکا نہ کھائے کہ ہمیشہ یہ اسی طرح رہے گی۔اور یہاں آرام سے ہے تو وہاں بھی آرام کرے گا۔نیز سمجھایا جاتا ہے کہ اس دغاباز شیطان کے اغوا سے ہوشیار رہو۔جو اللہ کا نام لے کر دھوکہ دیتا ہے اور مختلف قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا کرتا ہے۔

یہاں آیات میں **ولا یغرنکم باللہ الغرور** فرمایا ہے یعنی نہ تم کو وہ دھوکہ باز اللہ سے دھوکہ میں ڈالے تو یہاں غرور یعنی دھوکہ باز سے اکثر مفسرین نے مراد شیطان سے لی ہے لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے کوئی انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ بھی مراد ہوسکتا ہے اور ان کا اپنا نفس امارہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔اور یہاں آیت میں اللہ کے معاملہ میں دھوکہ دینے کے الفاظ بھی بہت وسیع ہیں جنہیں بے شمار مختلف قسم کے دھوکے آجاتے ہیں کسی انسان کو اس کا دھوکہ باز یہ یقین دلاتا ہے کہ خدا سرے سے ہے ہی نہیں کسی کو یہ سمجھاتا ہے کہ جو کچھ بھی تم چاہو کرتے رہو بخشش تمہاری یقینی ہے کسی کو اس دھوکہ میں رکھتا ہے کہ جینا مرنا جو کچھ ہے بس اسی دنیا کا ہے۔اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں لہٰذا جو مزے اڑانے ہیں زندگی میں اڑالو۔کسی کو اس دھوکہ میں مبتلا کرتا ہے کہ خدا غفور الرحیم ہیں تم گناہ کرتے چلے جاؤ وہ بخشتا چلا جائے گا یا بوڑھے ہو کر اکٹھی توبہ کر لینا اللہ سب بخش دے گا۔نہ معلوم کتنے اور کیسے کیسے دھوکہ ہیں جو انسان خدا کے بارے کھا رہا ہے۔اس لئے ہدایت فرمائی کہ تم کو دنیاوی زندگانی دھوکہ میں نہ ڈالے کہ اس میں منہمک ہو کر اس دن سے غافل رہو اور نہ تم کو کوئی دھوکہ باز اللہ سے دھوکہ میں ڈالے کہ تم اس کے بہکائے میں آجاؤ۔اب چونکہ قیامت کا ذکر فرمایا گیا تھا اور منکرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتے تھے کہ قیامت سے ہم کو ڈرایا جاتا ہے وہ کب آئے گی؟ اور کونسا اس کا وقت ہے؟ اس کا جواب آخری آیات میں دیا جاتا ہے کہ قیامت آکر رہے گی لیکن کب آئے گی اس کا علم خدا کے پاس ہے۔نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کردیا جائے گا۔

اس کے بعد چار فقرے بطور دلیل کے ارشاد ہوتے ہیں۔دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جن معاملات سے انسان کی قریب ترین دلچسپیاں وابستہ ہیں۔انسان ان کے متعلق بھی علم نہیں رکھتا۔پھر بھلا یہ جاننا اس کے لئے کیسے ممکن ہے کہ ساری دنیا کے انجام کا وقت کب آئے گا۔تمہاری خوشحالی و بدحالی کا انحصار بارش پر ہے۔اور زمین کی ساری رونق اور مادی برکت آسمانی بارش پر موقوف ہے۔مگر اس کا اختیار بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے جب جہاں جتنی چاہتا ہے برساتا ہے اور جب چاہتا ہے روک لیتا ہے۔تم قطعاً نہیں جانتے کہ کہاں کس وقت کتنی بارش ہوگی اور کونسی زمین اس سے محروم رہ جائے گی۔یا کس زمین پر بارش اُلٹی نقصان دہ ہوجائے گی۔اسی طرح تمہاری اپنی بیویوں کے پیٹ میں تمہارے اپنے نطفہ سے حمل قرار پاتا ہے جس سے تمہاری نسل کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے۔مگر تم نہیں جانتے کہ کیا اس

پیٹ میں پرورش پا رہا ہے۔ اور کس شکل میں کن بھلائیوں یا برائیوں کو لئے ہوئے برآمد ہوگا۔ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہوگی روزی کتنی ملے گی؟ سعید ہوگی یا شقی؟ مفلس ہوگی یا غنی؟ جنتی ہے یا دوزخی؟ ان چیزوں کا علم تو اسی علیم وخبیر کو ہی ہے۔ پھر تم کو یہ تک پتہ نہیں ہے کہ کل تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آنا ہے۔ ایک اچانک حادثہ تمہاری حالت بالکل بدل سکتا ہے۔ مگر ایک منٹ پہلے بھی تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ تم کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ تمہاری اس زندگی کا خاتمہ آخر کار کب کہاں اور کس طرح ہوگا۔ یہ ساری معلومات اللہ نے اپنے ہی پاس رکھی ہیں۔ اور ان میں سے کسی کا علم بھی تم کو نہیں دیا۔ اس لئے تمہارے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان معاملات میں اللہ ہی کی تدبیر اور اسی کی قضا پر بھروسہ کرو۔ اسی طرح دنیا کے خاتمہ کی ساعت یعنی قیامت کا معاملہ بھی اللہ کے فیصلہ پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اس کا علم بھی نہ کسی کو دیا ہے نہ دیا جائے گا۔

یہاں ایک بات اور بھی اچھی طرح سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہاں اس آخری آیت میں امور غیب کی کوئی فہرست نہیں دی گئی کہ جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ بلکہ یہاں یہ پانچ مسئلے صرف بطور مثال اور نمونہ کے بیان ہوئے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ان پانچ امور کی تخصیص کہ (۱) قیامت کب ہوگی۔ (۲) بارش کس جگہ کس مقدار میں ہوگی (۳) ماں بچے کو پیٹ میں کیا لئے ہوئے ہے لڑکا یا لڑکی (۴) کسی کا یہ نہ جاننا کہ کل میں کیا کام کروں گا۔ (۵) اور کسی کو یہ علم نہ ہونا کہ میری موت کب اور کہاں واقع ہوگی؟۔ ان پانچ امور کی تخصیص محض اس سوال کی بنا پر ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ بارش کب ہوگی؟ میری بیوی لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ میں کل کیا کروں گا؟ اور میں کہاں مروں گا؟ تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفاتح الغیب پانچ چیزیں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (۱) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ (۲) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحموں میں کیا ہے۔ (۳) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔ (۴) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا۔ (۵) اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے مفاتح الغیب کی تفسیر فرماتے ہوئے سورۂ لقمان کی یہ آیت **ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام وما تدری نفس ماذاتکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر.** تلاوت فرمائی۔ آخیر میں **ان اللہ علیم خبیر.** فرما کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا ہے بالتحقیق اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

قرآن کریم کی منجملہ دوسری بیسوں آیات کے یہ آخری آیت اس سورۃ کی بھی نص صریح ہے کہ تمام غیوب کا کلی اور تفصیلی علم اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل میں اس آخری آیت کی تفسیر کے ذیل میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب فیصلہ مذکور ہے لکھا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ منصور عباسی نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا تو ان سے اپنی بقیہ عمر کے بارہ میں سوال کیا کہ میری کتنی عمر باقی ہے؟ تو فرشتہ نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا اور غائب ہوگیا۔ خلیفہ منصور نے تعبیر دانوں کے سامنے اپنا خواب بیان کیا ان میں حضرت امام اعظم بھی شامل تھے۔ تعبیر دینے والوں نے مختلف تعبیریں بیان کیں کسی نے کہا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خلیفہ کی عمر ابھی ۵ سال باقی ہے۔ کسی نے کہا کہ اس سے مراد ۵ ماہ ہیں اور کسی نے ۵ دن بتائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ سورۂ لقمان کی آخری آیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ بات ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ تو گویا تعبیر آپ نے یہ دی کہ ملک الموت نے ۵ انگلیوں سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مجھے تمہاری بقیہ عمر کا پتہ نہیں کیونکہ یہ مفاتح الغیب میں سے ہے اور ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

الحمدللہ کہ اس درس پر سورۂ لقمان کا بیان ختم ہوا جس میں چار رکوعات تھے۔ اس کے بعد ان شاءاللہ تعالیٰ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ

الٓمّٓ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ اپنے دل سے بنالیا ہے بلکہ یہ سچی کتاب ہے آپ کے

رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۳

رب کی طرف سے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہ پر آجائیں۔

الٓمّٓ الم	تَنْزِيْلُ نازل کرنا	الْكِتٰبِ کتاب	لَا رَيْبَ کوئی شبہ نہیں	فِيْهِ اس میں	مِنْ سے	رَّبِّ پروردگار	الْعٰلَمِيْنَ تمام جہان	اَمْ کیا
يَقُوْلُوْنَ وہ کہتے ہیں	افْتَرٰىهُ یہ اس نے گھڑ لیا ہے	بَلْ بلکہ	هُوَ یہ	الْحَقُّ حق	مِنْ سے	رَّبِّكَ تمہارا رب	لِتُنْذِرَ تاکہ تم ڈراؤ	قَوْمًا اس قوم کو
	مَّآ اَتٰىهُمْ ان کے پاس نہیں آیا	مِّنْ کوئی	نَّذِيْرٍ ڈرانے والا	مِنْ سے	قَبْلِكَ تم سے پہلے	لَعَلَّهُمْ تاکہ وہ	يَهْتَدُوْنَ ہدایت پالیں	

تفسیر و تشریح:۔ الحمدللہ کہ اب ۲۱ ویں پارہ کی سورۂ سجدہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی تین ابتدائی آیات تلاوت کی گئیں ہیں۔ ان کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ موضوع و مباحث۔ تعداد آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع پندرہویں آیت میں سجدہ کا مضمون آیا ہے اس لئے اس سورۃ کا نام سجدہ قرار دیا گیا۔ یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس کا زمانۂ نزول مکہ کا درمیانی دور ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی بتیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ستر ہے یعنی انہتر سورتیں مکہ معظمہ میں اس سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور چوالیس سورتیں اس کے بعد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۳۰ آیات۔ تین رکوعات۔ ۳۷۴ کلمات اور ۱۵۷۰ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

مثل دوسری مکی سورتوں کے اس سورۃ میں بھی زیادہ تر عقائد ہی کے متعلق مضامین ہیں۔ سورۃ کا خاص موضوع توحید۔ آخرت و رسالت کے متعلق لوگوں کے شبہات کو دور کر کے ان تینوں حقیقتوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ سب سے پہلے اس سورۃ میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی کہ قرآن مجید یقیناً اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا اور ان کا محافظ ہے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے جس زمانہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اس وقت کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپس میں چرچے کرتے تھے کہ نعوذ باللہ یہ عجیب عجیب باتیں گھڑ گھڑ کر سنا رہے ہیں۔ کبھی مرنے کے بعد کی خبریں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مر جانے اور مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد تم پھر زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور اس ساری دنیا کی زندگی میں کرے دھرے کا حساب کتاب ہوگا اور جزا و سزا ہوگی۔ دوزخ و جنت ہوگی۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ دیوی دیوتا کوئی چیز نہیں بس اکیلا ایک خدا ہی معبود ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ میں خدا کا رسول اور پیغمبر ہوں۔ آسمان سے مجھ پر وحی آتی ہے اور یہ کلام جو میں تم کو سنا رہا ہوں میرا کلام نہیں بلکہ خدا رب العالمین کا کلام ہے۔ تو یہ عجیب عجیب باتیں ہیں جو ہم کو یہ سنا رہے ہیں۔ کفار کے انہی سب باتوں کے جواب اس سورت میں دیئے گئے ہیں اور پھر ان سے فرمایا گیا کہ یہ قرآن جن حقیقتوں کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہے۔ عقل سے

کام لے کر خود سوچو کہ ان میں کیا چیز اچنبھے کی ہے۔ آسمان وزمین کے انتظام کو دیکھو۔ خود اپنی پیدائش اور بناوٹ پر غور کرو کہ یہ نظام کائنات توحید پر دلالت کر رہا ہے یا شرک پر؟ اور اس سارے نظام کو دیکھ کر اور خود اپنی پیدائش پر نگاہ ڈال کر کیا تمہاری عقل یہی گواہی دیتی ہے کہ جس نے اب تمہیں پیدا کر رکھا ہے پھر وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہ کر سکے گا۔ پھر عالم آخرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ایمان کے ثمرات اور کفر کے نتائج بیان کر کے یہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ لوگ برا انجام سامنے آنے سے پہلے کفر و شرک چھوڑ دیں اور قرآن کی اس تعلیم کو قبول کر لیں جسے مان کر خود ان کی اپنی ہی عاقبت درست ہوگی۔ نیز سمجھایا گیا کہ دنیا میں ہر ایک کے لئے کچھ ہی عرصہ جینا ہے پھر ہر ایک کو موت آ کر دبوچ لے گی اور پھر اس کے بعد جب دوبارہ زندگی ہوگی اور اعمال کا حساب کتاب ہوگا اور ان کے مطابق جزا و سزا ملے گی تو اس دن اللہ کے نافرمان بندے پچھتائیں گے اور دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست کریں گے۔ لیکن اس وقت یہ درخواست منظور نہ ہوگی کیونکہ دنیا میں رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ پورے طور پر سمجھا دیا گیا تھا کہ نہ مانو گے تو جہنم ٹھکانا ہوگا جہاں سوائے عذاب کے کچھ نہیں۔ پھر بتلایا گیا کہ دیکھو اچھی طرح سن لو ایمان والے بندے وہی ہیں جو اللہ کے کلام کی آیتیں سن کر اکڑ فوں چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ اس کے سامنے راتوں کو اٹھ اٹھ کر گڑگڑاتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں۔ اس سے ڈرتے بھی ہیں اور اسی سے بخشش کی امید بھی رکھتے ہیں۔ پھر سمجھایا گیا کہ دیکھو یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ وہ انسانوں کے قصوروں پر فوراً اور یکایک آخری گرفت اور فیصلہ کن عذاب میں نہیں پکڑ لیتا بلکہ پہلے انسانوں کو چونکانے کے لئے چھوٹی چھوٹی تکلیفیں، مصیبتیں آفات و نقصانات بھیجتا رہتا ہے تاکہ انہیں تنبیہ ہو اور ان کی آنکھیں کھل جائیں۔ لیکن اگر ان سے سبق نہ لیا اور ہوش میں نہ آیا تو پھر آخرت کا بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ اور یاد رکھو قیامت برحق ہے اس دن سب جھگڑے قصے چکا دیئے جائیں گے۔ پھر آگے فرمایا گیا کہ دنیا میں یہ کوئی پہلا اور انوکھا واقعہ تو نہیں ہے کہ ایک شخص پر خدا کی طرف سے کتاب آئی ہو۔ اس سے پہلے آخر موسیٰ علیہ السلام پر بھی کوئی کتاب آئی ہی تھی جسے تم لوگ جانتے ہو تو اب ایسی کیا بات ہے کہ جو تم لوگ یوں کان کھڑے کر رہے ہو۔ یقین مانو کہ یہ کتاب بھی خدا ہی کی طرف سے آئی ہے اور خوب سمجھ لو کہ اب پھر وہی کچھ ہوگا جو موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہو چکا ہے۔ امامت اور پیشوائی اور بڑائی اور بزرگی انہی کو نصیب ہوگی جو اس کتاب الٰہی کو مان لیں گے اور اسے رد کر دینے والوں کے لئے ناکامی اور نامرادی مقدر ہو چکی ہے پھر کفار مکہ سے یہ بھی کہا گیا کہ تم اپنے تجارتی سفروں کے درمیان میں جن پچھلی تباہ شدہ قوموں کی بستیوں پر سے گزرتے ہو ان کا انجام دیکھ لو۔ کیا نافرمانی کر کے یہی انجام تم اپنے لئے پسند کرتے ہو؟ ظاہر سے دھوکہ نہ کھاؤ آج تم دیکھ رہے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چند غلاموں اور غریب لوگوں کے سوا کوئی نہیں سن رہا ہے اور ہر طرف سے ان پر طعن و تشنیع ہو رہی ہے تو اس سے تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ چلنے والی بات نہیں۔ چار دن چلے گی اور پھر ختم ہو جائے گی لیکن یہ محض تمہاری نظر کا دھوکہ ہے۔ ابھی موقع ہے کہ اللہ اور رسول کے کہنے پر یقین کر لو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کر لو ورنہ اس دن کے آجانے پر نہ ایمان لانا کام دے گا۔ نہ سزا میں ڈھیل ہوگی اور نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن ٹھیک کر کے درست ہو جاؤ۔ اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ تمسخر اور مذاق اور تکذیب میں رائیگاں مت کرو۔ قیامت آنے والی ہے اور یقیناً آ کر رہے گی پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔ ماننا ہے تو اب مان لو اور اگر اخیر فیصلہ ہی کا انتظار کرنا ہے تو پھر بیٹھے انتظار کرتے رہو۔ یہ ہے اس ساری سورۃ کے مضامین کا خلاصہ جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں بیان ہوں گی۔

اب اس تمہیدی مضمون کے بعد ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سورۃ کی ابتداء بھی حروف مقطعات الم سے فرمائی گئی جس کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ حروف مقطعات کے متعلق اس سے پہلے کئی جگہ عرض کیا جا چکا ہے۔ ان کے متعلق مشاہیر صحابہ کرام و تابعین اور جمہور مفسرین کا مسلک یہی ہے کہ

یہ حروف ان متشابہات قرآنی میں سے ہیں جن کا علم کسی مصلحت سے عام بندوں کو نہیں دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اس کے بعد سورۃ کا آغاز اس اعلان سے ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ کتاب مقدس رب العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ نہ اس میں کچھ دھوکہ ہے نہ شک وشبہ کی گنجائش۔ قرآن کریم کی جب کسی سورت کا آغاز اس غیر معمولی اعلان سے ہوتا ہے کہ یہ پیغام پروردگار عالم اور فرمانروائے کائنات کی طرف سے آرہا ہے تو اس میں ایک بہت بڑا دعویٰ اور ایک عظیم چیلنج شامل ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ابتداء ہی اتنی بڑی خبر دیتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ خداوند عالم کا کلام ہے۔ یہ اعلان فوراً آدمی کے ذہن میں یہ سوال لا کھڑا کرتا ہے کہ اس دعوے کو تسلیم کروں یا نہ کروں۔ تسلیم کرتا ہوں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے آگے سر اطاعت جھکا دینا ہوگا پھر میرے لئے اس کے مقابلہ میں کوئی آزادی باقی نہیں رہ سکتی اور تسلیم نہیں کرتا تو یہ خطرۂ عظیم مول لیتا ہوں کہ اگر واقعی یہ خداوند عالم کا کلام ہے تو اسے رد کرنے کا نتیجہ مجھے ابدی شقاوت و بدبختی کی صورت میں دیکھنا پڑے گا۔ اس بنا پر صرف یہ تمہیدی فقرہ اپنی اس غیر معمولی نوعیت ہی کی بنا پر آدمی کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ چوکنا ہو کر۔ ہوش وحواس سے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس کلام کو سنے اور یہ فیصلہ کرے کہ اس کو کلام الٰہی کی حیثیت سے تسلیم کرنا ہے یا نہیں۔ میرے عزیزو اور بزرگو۔ اس وقت ہم میں سے جو یہاں موجود ہیں آیئے ہم اور آپ اپنی اس میں انتہائی سعادت سمجھتے ہوئے اپنے دل کی گہرائیوں سے حق تعالیٰ کو حاضر وناظر جانتے ہوئے اس کا فیصلہ کریں کہ ہم اس کو کلام الٰہی ہونے کی حیثیت سے دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں اور مولائے کریم سے ہمت اور توفیق طلب کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر حال میں اس کی سچی اطاعت اور فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ آمین۔ پھر یہاں اس تمہیدی آیت میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے بلکہ مزید یہاں پورے زور کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ **لاریب فیہ** بیشک یہ خدا کی کتاب ہے۔ اس کے منزل من اللہ ہونے میں قطعاً کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس تمہیدی اعلان کے بعد مشرکین مکہ کے پہلے اعتراض کو لیا جا رہا ہے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کرتے تھے کہ نعوذ باللہ یہ قرآن آپ نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے مرحمت فرمایا جاتا ہے کہ ان کا یہ کہنا محض لغو اور جھوٹ ہے یہ کلام کسی کا بنایا ہوا نہیں بلکہ یہ سچی کتاب ہے جو پروردگار کی طرف سے آئی ہے اور اس لئے آئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے آپ اس قوم کو بیدار کرنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے پاس قرنوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔

واضح رہے کہ عرب میں دین حق کی روشنی سب سے پہلے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے ذریعہ پہنچی تھی۔ پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام آئے جن کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب اڑھائی ہزار برس قبل گزرا ہے اس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام عرب کی سرزمین میں آئے جن کی آمد کو بھی تقریباً دو ہزار برس گزر چکے تھے یہ اتنی طویل مدت ہے کہ اس کے لحاظ سے یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ اس قوم کے اندر کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اثبات رسالت کا مضمون بیان فرمایا گیا۔ آگے اثبات توحید کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو قرآن پاک جیسی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سید الانبیاء والمرسلین پیغمبر عطا فرمائے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اس مخلوق کو جو ان دونوں کے درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا،

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی

بدوں اُس کے نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارش کرنے والا سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے

الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ عٰلِمُ

پھر ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی۔ وہ ہی ہے جاننے والا

الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶﴾

پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا زبردست رحمت والا۔

اَللّٰهُ الله	الَّذِیْ وہ جس نے	خَلَقَ پیدا کیا	السَّمٰوٰتِ آسمانوں کو	وَالْاَرْضَ اور زمین	وَمَا اور جو	بَیْنَهُمَا ان کے درمیان	فِیْ میں	سِتَّةِ چھ(۶)
اَیَّامٍ دن	ثُمَّ پھر	اسْتَوٰی اس نے قرار کیا	عَلَی الْعَرْشِ عرش پر	مَا لَكُمْ تمہارے لئے نہیں	مِنْ دُوْنِهٖ اس کے سوا	مِنْ سے۔کوئی	وَّلِیٍّ مددگار	
وَّلَا شَفِیْعٍ اور نہ سفارش کرنے والا	اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ سو کیا تم غور نہیں کرتے	یُدَبِّرُ وہ تدبیر کرتا ہے	الْاَمْرَ تمام کام	مِنَ سے	السَّمَآءِ آسمان			
اِلَی الْاَرْضِ زمین تک	ثُمَّ پھر	یَعْرُجُ وہ رجوع کریگا	اِلَیْهِ اسکی طرف	فِیْ یَوْمٍ ایک دن میں	كَانَ ہے	مِقْدَارُهٗۤ اسکی مقدار	اَلْفَ سَنَةٍ ایک ہزار سال	
مِمَّا اس سے جو	تَعُدُّوْنَ تم شمار کرتے ہو	ذٰلِكَ وہ	عٰلِمُ الْغَیْبِ جاننے والا پوشیدہ	وَالشَّهَادَةِ اور ظاہر	الْعَزِیْزُ غالب	الرَّحِیْمُ مہربان		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ ابتدائی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ بلاشک یہ کتاب قرآن کریم رب العالمین نے نازل فرمائی ہے اور اس لئے اتاری ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے ذریعہ سے انسانوں کو ان کے برے اعمال کی سزا سے ڈرادیں تاکہ وہ سیدھے راستہ پر آجائیں اور برے اعمال سے پرہیز کریں۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ رب العالمین جس نے یہ کتاب اتاری ہے اللہ تعالیٰ ہے جس نے کہ آسمانوں وزمین اور ان کے درمیان کی ساری مخلوق کو چھ روز کی مقدار میں پیدا فرمایا اور پھر عرش پر جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح قائم اور جلوہ فرما ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ سورۂ اعراف آٹھویں پارہ میں بھی ایک ایسی ہی آیت آئی ہے جہاں ارشاد ہوا ان ربکم اللہ الذی خلق السموت والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش. بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز کے برابر وقت میں پیدا کیا پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اس آیت کی تشریح میں سورۂ اعراف میں بتلایا گیا تھا کہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہاں چھ دن سے دنیا کی مقدار کے چھ دن مراد ہیں یا عالم غیب کے چھ دن مراد ہیں جہاں کا ایک دن ایک ہزار برس کا ہے جیسا کہ ان ہی آیات میں فرمایا گیا ہے فی یوم کان مقدارہ الف سنة مما تعدون (ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی) یا جیسا سورۂ حج سترہویں پارہ میں ارشاد ہوا وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون (اور تمہارے پروردگار کے پاس کا ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے

شمار کے مطابق) بعض مفسرین نے یوم سے مراد مطلق زمانہ کے لئے ہیں یعنی چھ مختلف زمانوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا کیونکہ یوم کے معنی مطلق مدت کے بھی محاورۂ عرب میں مستعمل ہوتے ہیں۔ بہرحال مقصود یہ ہوا کہ آسمانوں اور زمین اور اس کے درمیان کی ساری مخلوقات کو دفعتہً اور یکا یک بنا کر نہیں کھڑا کر دیا گیا۔ شاید اول ان کا مادہ پیدا فرمایا ہو پھر استعداد کے موافق بتدریج مختلف اشکال اور صورتوں میں منتقل فرماتے رہے ہوں حتیٰ کہ چھ دن میں جو دنیا کے حساب سے عالم آخرت کے چھ ہزار سال بنے موجودہ شکل میں مع تمام متعلقات کے مرتب ہوئے ہوں جیسا کہ آج بھی انسان اور حیوانات اور نباتات وغیرہ کی پیدائش کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے۔ حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ مجددی پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سارے آسمان اور زمین ایک آن اور ایک پل میں پیدا کر سکتا تھا مگر انسانوں کو ہر کام میں آہستہ روی اور ہر عمل کو بتدریج انجام دینے کی تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات ارضی و سماوی کو چھ روز میں بنایا۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آہستہ روی رحمٰن کی طرف سے ہے اور عجلت پسندی شیطان کی طرف سے ہے۔

الغرض آیت میں یہاں بتلایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے پیدا فرما چکا تو خلق عالم کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ فرما اور متمکن ہو گیا یہ جملہ **ثم استوی علی العرش** یعنی عرش پر جلوہ فرما ہوا یا جا ٹھہرا یہ متشابہات قرآنی میں سے ہے۔ اور یہ جملہ قرآن پاک میں مختلف سورتوں میں ۷ جگہ آیا ہے۔ چونکہ متشابہات کا تعلق عقیدہ سے ہے اس لئے بعض فرقے ان کے مطالب کی وجہ سے کجی اور گمراہی میں گرفتار ہو گئے۔ علمائے اہل سنت والجماعت کا قول ایسی آیات کے متعلق جن کے اندر صفات متشابہات کا بیان ہے یہی ہے کہ ان کو اسی طرح بلا کیف ماننا چاہئے جس طرح وہ آئی ہیں۔

یہاں پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الٰہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں ایک وہ کہ جن کی مراد بالکل واضح اور متعین ہو اور جن کے مطالب و معانی میں کوئی شبہ ابہام یا اجمال نہ ہو ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہ ہی آیات ہوتی ہیں۔ دوسری قسم آیات کی متشابہات کہلاتی ہیں یعنی ایسی آیتیں جن کا مفہوم و مطلب معلوم اور متعین کرنے میں کچھ شبہ واقع ہوتا ہو۔ اور جس سے باہم کئی ملتے جلتے مطلب نکلتے ہوں اور انکے درمیان فرق کرنا مشکل ہو اور اس کی تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں اس لئے متشابہات میں اپنی رائے اور خواہش کے مطابق مطلب نکالنا گمراہی ہے کیونکہ ان کا حقیقی مطلب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ باقی عقیدہ دونوں کے متعلق یہی رکھنا چاہئے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں اس لئے متشابہات کو محکمات کی روشنی میں ہمیشہ سمجھنا چاہئے تو **ثم استوی علی العرش** کے متعلق سمجھئے کہ یہ جملہ متشابہات میں سے ہے جس کے مفہوم و مطلب میں مختلف پہلو موجود ہیں اور اس کے کئی مطلب باہم ملتے جلتے نکلتے ہیں مگر جو حقائق اور مطالب انسانی حواس سے ادراک نہیں کئے جا سکتے اور عقل و شعور میں پوری طرح نہیں آسکتے تو ان کے لئے پیرایۂ بیان تشبیہ و مجاز کا اختیار کیا جاتا ہے تا کہ کسی درجہ میں انسانی عقل و فہم کے لئے سمجھنے کے لائق ہو سکے۔ متشابہات گو خلاف عقل نہیں مگر پوری طرح اپنی حقیقت اصل کے ساتھ عقل میں نہیں سما سکتے اس لئے متشابہات پر بلا تفتیش کیفیت ایمان رکھنا چاہئے۔ **استوی علی العرش** کو بھی اسی طرح سمجھئے عرش

کے معنی تخت و بلند مقام کے ہیں اور استواء کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔ قرون ثلثہ اورائمہ اربعہ اور تمام محدثین اور جمہور مفسرین اہل سنت والجماعت کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ مذہب ہے کہ وہ عرش پر مستوی یعنی ٹھہرا ہوا ہے اور وہ ٹھہرنا ایسا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور جس کی کیفیت اور حقیقت ہم نہیں سمجھ سکتے (اس جملہ کی تشریح میں سورۂ اعراف میں جو بیان کیا گیا ہے اس کو ایک مرتبہ قارئین پھر ملاحظہ فرمالیں۔ بس صحیح اور سلامتی کی راہ یہی ہے کہ متشابہات پر ایمان تو رکھے مگر بلا تفتیش کیفیات۔

الغرض مشرکین مکہ کا پہلا اعتراض جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کرتے تھے اس کا جواب گزشتہ آیات میں دیا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ بلاشک یہ کتاب اللہ رب العالمین نے نازل فرمائی ہے اب مشرکین کے دوسرے اعتراض کو لیا جاتا ہے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید پر کرتے تھے۔ ان کو اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دیوتاؤں کی معبودیت سے انکار کرتے ہیں اور ہمہ وقت یہی دعوت دیتے ہیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود۔ کوئی کارساز کوئی حاجت روا۔ کوئی دعائیں سننے والا اور بگڑی بنانے والا اور کوئی ذی اختیار نہیں ہے۔ تو ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ تمہارا اصل خدا تو خالق زمین و آسمان ہے جو اس پوری کائنات اور اس کی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور پھر تمام زمین و آسمان میں عرش سے فرش تک اللہ ہی کی حکومت ہے۔ وہی حاکم حقیقی اور فرمانروا ہے اگر اللہ تمہاری مدد نہ کرے تو کس کی یہ طاقت ہے کہ وہ تمہاری مدد کر سکے؟ اگر اللہ تمہیں پکڑے تو کس کا یہ زور ہے کہ تمہیں چھڑا سکے۔ اگر اللہ سفارش نہ سنے تو کون ایسا ہے کہ اس سے اپنی سفارش منوالے۔ تو تمہیں سوچنا چاہئے کہ جب واقعہ یہ ہے تو تمہارا اس کے سوا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ پھر بھی تم ایسا دیدہ دلیری سے اس کا انکار کر رہے ہو۔ نہ اس کے رسول کو مانتے ہو۔ نہ اس کی کتاب پڑھتے سنتے ہو۔ نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہو۔ تو یہ تمہاری سراسر نادانی نہیں تو کیا ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ چھوٹی بڑی ہر چیز کی تربیت۔ تدبیر وانتظام سب اس کے دست قدرت میں ہے۔ یہ نہیں کہ اس نے کائنات کو ایک بار پیدا کر کے اس کارخانہ کو یونہی معلق چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ ہر آن اس کا دخل وتصرف بھی جاری رہتا ہے اور آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہوگا جس کو قیامت کہتے ہیں۔ اور اس دن کی مقدار اور طول اس دنیا کے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی۔ اخیر میں ارشاد ہے کہ ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان انتظام اور تدبیر کا قائم کرنا اسی پاک ہستی کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر و پوشیدہ کی خبر رکھے اور جو ہر چیز پر غالب اور ہر شے اس سے مغلوب ہو اور کسی میں اس کے مقابلہ کا بل بوتا نہ ہو پھر اس غلبہ اور قوت قاہرہ کے باوجود وہ ظالم نہیں ہے بلکہ اپنی مخلوق پر رحیم وشفیق ہے۔

ابھی آگے بھی مضمون توحید جاری ہے جس کا بیان ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی ذات پاک کی صحیح اور سچی معرفت ہم سب کو عطا فرمائیں کہ ہم ہر حال میں اسی کو اپنا مددگار اور حقیقی کارساز سمجھیں۔ حق تعالیٰ اپنی قدرت و رحمت سے ہمارے دین و دنیا کے تمام معاملات کی تدبیر وانتظام فرمائیں اور قیامت کے دن اپنی رحمت وشفقت کا معاملہ ہمارے ساتھ فرمائیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝۷ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ

جس نے (یعنی اللہ نے) جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔ پھر اس کی نسل کو خلاصہء اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی سے بنایا۔

سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝۸ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

پھر اُس کے اعضا درست کئے اور اس میں اپنی رُوح پھونکی اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے،

وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹

تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (یعنی نہیں کرتے)۔

الَّذِیْ وہ جس نے	اَحْسَنَ بہت خوب بنائی	كُلَّ شَیْءٍ ہر شے	خَلَقَهٗ جو اس نے پیدا کی	وَبَدَاَ اور ابتدا کی	خَلْقَ پیدائش	الْاِنْسَانِ انسان	مِنْ سے
طِیْنٍ مٹی	ثُمَّ پھر	جَعَلَ بنایا	نَسْلَهٗ اس کی نسل	مِنْ سُلٰلَةٍ خلاصہ سے	مِنْ سے	مَّآءٍ مَّهِیْنٍ حقیر (بے قدر) پانی	ثُمَّ سَوّٰىهُ پھر اس (کے اعضا) کو ٹھیک کیا
وَنَفَخَ اور پھونکی	فِیْهِ اس میں	مِنْ سے	رُّوْحِهٖ اپنی روح	وَجَعَلَ اور بنائے	لَكُمُ تمہارے لئے	السَّمْعَ کان	وَالْاَبْصَارَ اور آنکھیں
وَالْاَفْـِٕدَةَ اور دل	قَلِیْلًا بہت کم	مَّا جو	تَشْكُرُوْنَ تم شکر کرتے ہو				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اثبات توحید کے سلسلہ میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ساری مخلوق تدریجاً پیدا فرمائی اور پھر اس ساری کائنات کو پیدا کر کے یونہی معلق نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز کی تربیت وتدبیر انتظام وتصرف واختیار سب اپنے دست قدرت میں رکھا۔ کائنات میں ہر چیز پر وہ غالب ہے اور پھر اس غلبہ اور قوت قاہرہ کے باوجود وہ اپنی مخلوق پر رحیم اور شفیق بھی ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اس عظیم الشان کائنات میں اللہ تعالیٰ نے بے حد حساب اور بے شمار چیزیں بنائی ہیں اور بڑی خوبی سے بنائی ہیں۔ ہر چیز موزوں ترین شکل اور مناسب ترین صفات کے ساتھ بنائی ہے۔ جس چیز کو جس مصلحت کے لئے پیدا کیا۔ ٹھیک اسی کے مناسب حال اس کی ساخت اور فطرت رکھی۔ ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جو بے ڈھنگی یا بے تکی ہو۔ پہلے انسان کی پیدائش کا حال بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو براہ راست اپنے تخلیقی عمل سے پیدا کیا۔ اپنے کمال قدرت سے زمینی مادہ کو جمع کر کے اپنے تخلیقی حکم سے اس میں وہ زندگی اور شعور اور عقل پیدا کر دی جس سے انسان جیسی ایک حیرت انگیز مخلوق وجود میں آ گئی۔ یہاں آپ کی معلومات کے لئے حضرت سید عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ جو ۱۱۰۰ھ ہجری کی ابتدا میں مراکش (افریقہ) میں ایک بالکل اُمی مگر ولی کامل صاحب کشف وکرامات بزرگ گزرے ہیں ان سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق سوالات کئے گئے تو جو جوابات آپ نے دیئے وہ مشہور کتاب ابریز سے جو عربی سے اردو ترجمہ ہے آپ کے ملفوظات کا نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت عبدالعزیز دباغ بالکل اُمی تھے اور لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے علم لدنی ایسا عطا فرمایا تھا کہ اگر کسی گذشتہ پیغمبر یا نبی کے متعلق آپ سے دریافت کیا جاتا تو آپ اس طرح جواب دیتے جیسے کہ آپ اس پیغمبر کے زمانہ میں موجود رہے ہوں۔ کسی گذشتہ آسمانی کتاب کے متعلق پوچھا جاتا تو یہ معلوم ہوتا کہ آپ اس کے حافظ ہیں۔

جنت ودوزخ کے متعلق دریافت کیا جاتا تو اس طرح حال بیان فرماتے گویا کہ آپ گوشہ گوشہ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہیں اسی طرح کسی قرآنی آیت یا حدیث کا مطلب آپ سے دریافت کیا جاتا تو باوجود ظاہری علم نہ ہونے کے ایسی تفسیر اور تشریح بیان فرماتے کہ بڑے بڑے علماء حیران رہ جاتے۔ غرض کہ اپنے وقت کے زبردست صاحب کشف وکرامات ولی اللہ تھے۔ کتاب ''ابریز'' آپ کے چند ماہ کے ملفوظات کا عربی سے اردو میں ترجمہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق آپ سے چند سوالات کئے گئے۔ وہ جوابات یہاں موقع کی مناسبت سے نقل کئے جاتے ہیں۔

''حضرت نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو دس دن میں ان کی مٹی کو جمع کیا گیا اور بیس دن تک اسے پانی میں چھوڑے رکھا۔ چالیس دن میں ان کی صورت بنائی گئی اور اس کے بعد بیس دن تک اسے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ وہ مٹی سے منتقل ہو کر جسمیت کی طرف آ گئے یہ تمام تین ماہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کی طرف اٹھالیا اور جنت ہی میں ان کی روح پھونکی گئی اور جنت ہی میں حضرت حوا ان سے پیدا کی گئیں۔ سائل کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ وہ کون سی مٹی تھی جس سے آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی؟ فرمایا یہ تمام کانوں کی مٹی تھی۔ سونے کے کان کی۔ چاندی کے کان کی۔ تانبے کے کان کی اور دیگر معدنیات کی۔ چنانچہ ان سب میں سے آپ کی مٹی لی گئی اور اسے ایک جگہ اکٹھا کر کے حضرت آدم کو پیدا کیا گیا میں نے دریافت کیا کہ اس مٹی کو کس نے جمع کیا؟ فرمایا فرشتوں نے اور جن سے اللہ نے اکٹھا کرانا چاہا مگر سب سے زیادہ مٹی جبرئیل علیہ السلام نے اٹھائی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ مٹی کی ایک مخلوق ہوگی جس سے بڑھ کر اللہ کے ہاں کوئی مخلوق نہ ہوگی اور جبرئیل علیہ السلام اس کے ساتھی اور رفیق ہوں گے اور اس سے جبرئیل کو بہت برکت ہوگی اور وہ مخلوق سیدالوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لہٰذا جبرئیل علیہ السلام اس امید پر کہ یہ مٹی اس مخلوق کے لئے جمع کی جارہی ہے جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے مٹی جمع کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا اس مٹی کی مقدار کتنی تھی؟ فرمایا اتنی تھی کہ ایک میل یا کچھ زمین آباد ہو جائے یعنی اس قدر کثیر مقدار میں مٹی جمع کی گئی۔ میں نے عرض کیا کہ اسے جمع کرنے میں دس دن کی ضرورت کیوں ہوئی حالانکہ اسے اللہ تعالیٰ ایک لحظہ میں جمع کر سکتے تھے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو بھی تو ایک لحظہ میں پیدا کر سکتے تھے۔ انہیں پیدا کرنے میں چھ دن کیوں لگائے اور حضرت آدم کو مٹی کے سوا بھی پیدا کر سکتے تھے مٹی سے کیوں بنایا لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو پیدا کرتے ہیں اور ان کی پیدائش کو چند دنوں میں ترتیب دیتے ہیں اور اسے تھوڑا تھوڑا کر کے چلاتے ہیں جس سے ملاء اعلیٰ کو توحید عظیم حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ اس مخلوق کے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے اور اس کے آہستہ آہستہ ظاہر ہونے میں ملاء اعلیٰ کی توجہ اس حادث مخلوق میں امر الٰہی پر تعجب کے ساتھ پڑتی رہتی ہے اور اس بارہ میں غور وفکر رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کیسے پیدا کر رہا ہے اور اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا اور اس کا کیا انجام ہوگا لہٰذا جس حالت پر اس مخلوق کا خروج ہوتا ہے اور اسے ملاء اعلیٰ دیکھتے رہتے ہیں اور اس سے انہیں بے حد توحید حاصل ہوتی ہے لہٰذا اس زمانہ میں جب کہ وہ اس کی پیدائش کو دیکھتے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی معرفت اور اس کی قدرت کاملہ کا علم حاصل ہوتا جاتا ہے لہٰذا یہ تدریجی تخلیق اس حکمت کے لئے ہے۔ اس تدریجی تخلیق میں اور حکمتیں بھی ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ہر چیز میں اسرار اور حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ سائل کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ پانی کونسا

پانی تھا؟ جس میں یہ مٹی ڈالی گئی اور بیس دن اسی میں پڑی رہی۔ فرمایا یہ ایک خاص پانی تھا جس میں آدم اور ان کی ذریت کا نفع تھا کیونکہ یہ پانی اسی زمین کا پانی تھا جس کی طرف درحقیقت حضرت آدم کو نسبت دی جاتی تھی لہٰذا یہ ذات آدم کے مناسب اور موافق تھا۔ پھر سائل نے دریافت کیا کہ کیا یہ پانی زمین کی جڑ سے تھا یا کوئی اور۔ فرمایا یہ زمین کی جڑ میں سے تھا مگر اس کا گزر اکثر اجزاء ارض پر ہو چکا تھا اور یہ پانی ان چشموں میں سے ایک چشمے کا پانی ہے جو شام کی زمین میں سے نکلتا ہے اور وہیں حضرت آدم کی مٹی ایک پست زمین میں جمع کی گئی جس کی مسافت کا ذکر ہو چکا ہے اور اس پانی سے اس مٹی کو تر کیا گیا کیونکہ اسے اطراف زمین کے پانیوں سے مدد پہنچتی ہے چنانچہ یہ پانی تہہ زمین کے اجزا کو پھاڑتا ہوا نکل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس چشمہ تک پہنچ جاتا ہے اور یہ چشمہ اب تک موجود ہے جس کا پانی روئے زمین کے دیگر پانیوں کے مقابلہ میں ذات انسانی کے زیادہ موافق ہے۔ یہ مٹی پانی میں بیس دن تک پڑی رہی تب جا کر آدم کی شکل بننے لگی جب کہ ابھی تک وہ مٹی میں تھے ان کی شکل آہستہ آہستہ بنتی رہی تا آنکہ چالیس دن میں مٹی کے اندر ہی شکل مکمل ہو گئی مگر کوئی چیز نظر نہ آئی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے مٹی سے جسم کی طرف منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو آدم کی انگلیوں میں پھنسی سی ظاہر ہوئی جو بھر کر پھٹ گئی اور اس کا مادہ انگلی پر جم کر ایسا سفید ہو گیا جیسے درخت کھجور کی چھال اتارنے کے بعد اندر کا گودا ہوتا ہے جسے شحم النخلہ کہتے ہیں اس کے بعد ایک ایک عضو اور ہر ہر جزو میں سرایت کرتا رہا حتیٰ کہ تمام کا تمام صفائی اور رطوبت کے اعتبار سے شحم النخلہ بن گیا یا ایسا جیسے خالص گیہوں کے آٹے کا گوندھا ہوا صاف پیڑا ہوتا ہے پس اس سے آدم کی شکل بنی پھر اس میں تھوڑا تھوڑا خونی مادہ پیدا ہوا۔ گارہ پھٹ کر جدا ہو گیا اور اس میں خشکی نمودار ہو گئی اس کے بعد اس پر ہوائیں چلتی رہیں اور اجزا خشک ہوتے رہے اور اللہ کے حکم سے ہڈیاں بن گئیں جب بیس دن میں حضرت آدم کی تخلیق مکمل ہو گئی اور اللہ نے اس میں روح پھونکنے کا ارادہ کیا تو انہیں اٹھا کر جنت میں منتقل کر دیا۔ سائل نے پوچھا کہ یہ جنت کونسی تھی؟ فرمایا پہلی جنت۔ جب وہاں آ گئے تو اس میں روح داخل ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ عقل وعلم کا دخول ہوا اور ان کو خدا کی معرفت حاصل ہوئی۔ اس وقت حضرت آدم نے کھڑا ہونا چاہا مگر انہیں لرزہ آیا اور گر پڑے جس طرح کہ بچے اٹھنے لگتے ہیں تو گر پڑتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ مشاہدہ عطا کیا جس کا ذکر اسماء حسنیٰ میں کیا جا چکا ہے جب آپ کو یہ مشاہدہ حاصل ہوا تو آپ کی زبان سے اللہ اللہ اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نکلا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی جس سے آپ سیدھے کھڑے ہو کر جنت میں چلنے پھرنے لگے۔ جہاں چاہتے جاتے۔ اس کے بعد آپ کی پسلی میں ایک دنبل نمودار ہوا جس سے آدمی کے سر جتنا ایک بڑا پھوڑا سا بن گیا جس میں سے پھٹ کر ایک چھوٹا سا ڈھانچہ نکلا اور نیچے گر گیا۔ حضرت آدم نے اسے دیکھا تو اسے اپنی شکل کا پایا اور اسے ویسا ہی چھوڑ دیا۔ جنت کی ہوا اور جھونکے اس ڈھانچے کو لگتے رہے جس سے اس میں بہت جلد نشوونما ہوا۔ حضرت آدم بھی اس کی دیکھ بھال کرتے رہے اور دیکھتے کہ ڈھانچہ بہت جلد بڑا ہو رہا ہے لہٰذا آپ اس سے مانوس ہونے لگ گئے۔ اللہ نے اس ڈھانچہ میں عقل ڈال دی اور اس نے حضرت آدم سے کلام کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح حضرت بی بی حوا علیہا السلام پیدا ہوئی'' (ابریز)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت حوا علیہا السلام سے نکاح ہوا۔ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے مہر ادا کرنے کو کہا۔ آپ نے پوچھا مہر کیا ہے۔

فرشتوں نے کہا کہ رسول مقبول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود پڑھنا اور ایک روایت میں بیس بار آیا ہے۔

الغرض بیچ میں یہ مضمون حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق اس آیت زیر تفسیر پر آ گیا تھا **الذی احسن کل شی خلقه وبد اخلق الانسان من طین.** اس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔ تو ایک کمال تو قدرت الٰہی کا یہ تھا کہ زمین کے مواد کو جمع کر کے اپنے تخلیقی حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا آگے دوسرا کمال یہ بتلایا جاتا ہے کہ آئندہ مزید انسانوں کی پیدائش کے لئے ایک ایسی عجیب غریب مشینری خود انسانی ساخت کے اندر رکھ دی اور اس کی نسل ایک ایسے حقیر اور بے قدر پانی یعنی نطفہ سے جاری کی جو تمام انسانی اخلاط کا نچوڑ یا عطر ہوتا ہے اور باوجود اس کے ایسا بے قدر اور گندہ ہوتا ہے کہ بدن یا کپڑے کو لگ جائے تو دھونا پڑتا ہے۔ پھر نطفہ کو ماں کے پیٹ میں رکھ کر اسے پوری انسانی شکل تک پہنچایا اور اس کا جسم سارے اعضاء و جوارح کے ساتھ درست کر دیا اس گوشت کے لوتھڑے میں سر کی جگہ سر۔ کان کی جگہ کان۔ آنکھ کی جگہ آنکھ۔ ناک کی جگہ ناک۔ ہڈی پٹھے۔ بال کھال ایک خاص تناسب سے بنائیں اور ہر چیز کو اس انداز سے بنایا کہ علم بدن کی تشریح سے واقف ہونے کے بعد ایک عاقل کو اس بات کا اقرار ہی کرنا پڑتا ہے کہ یہ کسی بڑے مدبر حکیم کا فعل اور بڑے قادر و باکمال کی کاریگری ہے۔ پھر ماں کے پیٹ میں جسم کو ٹھیک کر کے اس میں روح پھونک کر زندہ کیا اور پھر سماعت بینائی اور دوسرے حواس و ادراکات ظاہرہ و باطنہ عطا کئے اور ان سب کا مقتضا یہ تھا کہ انسان خدا کا شکر کرتے اور اس کا احسان مانتے اور اپنی ظاہری و باطنی قوتوں کو اسی محسن اعظم کے کام میں لگاتے۔ ان جملہ نعمتوں کا شکر تو یہ تھا کہ آنکھوں سے اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے۔ کانوں سے احکام الٰہیہ کو توجہ اور شوق سے سنتے۔ اور دل سے ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے پھر سمجھ کر اس پر عامل ہوتے۔ مگر منکرین کی ناشکری کا تو یہ حال ہے کہ توحید تک سے انہیں انکار ہے۔

یہاں تک رسالت اور توحید پر کفار کے اعتراضات کے جواب تھے۔ اب اسلام کے تیسرے بنیادی عقیدے یعنی آخرت پر ان کے اعتراض کو نقل کر کے اس کا جواب اگلی آیات میں دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو انسان بنا کر پیدا کیا اور ظاہری اور باطنی انعامات سے نوازا اور پھر سب سے بڑا انعام و احسان یہ فرمایا کہ ہم کو اسلام اور ایمان سے نوازا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس نعمت عظمیٰ کے قدر اور حقیقی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنے شکر گزار بندوں میں ہم کو شامل ہونا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ ہُمْ بِلِقَآئِ رَبِّہِمْ کٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست و نابود ہوگئے تو کیا ہم پھر نئے جنم میں آویں گے، بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہی ہیں۔

قُلْ یَتَوَفّٰىکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ

آپ فرمادیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں

نَاکِسُوْا رُءُوْسِہِمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے، ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے سو ہم کو پھر بھیج دیجئے ہم نیک کام کیا کریں گے

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ہُدٰىہَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ

ہم کو پورا یقین آگیا۔ اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کا راستہ عطا فرماتے ولیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنات

وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ہٰذَا ۚ اِنَّا نَسِیْنٰکُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا۔ تو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے، ہم نے تم کو بھلا دیا اور اپنے اعمال کی بدولت

الْخُلْدِ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ابدی عذاب کا مزہ چکھو۔

وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا	ءَاِذَا کیا جب	ضَلَلْنَا ہم گم ہو جائیں گے	فِی الْاَرْضِ زمین میں	ءَاِنَّا کیا ہم	لَفِیْ تو۔ میں	خَلْقٍ جَدِیْدٍ نئی پیدائش	بَلْ بلکہ
ہُمْ وہ	بِلِقَآئِ ملاقات سے	رَبِّہِمْ اپنا رب	کٰفِرُوْنَ منکر (جمع)	قُلْ فرمادیں	یَتَوَفّٰىکُمْ تمہاری روح قبض کرتا ہے	مَلَکُ الْمَوْتِ موت کا فرشتہ	
الَّذِیْ وہ جو کہ	وُکِّلَ مقرر کیا گیا ہے	بِکُمْ تم پر	ثُمَّ پھر	اِلٰی رَبِّکُمْ تم اپنے رب کی طرف	تُرْجَعُوْنَ لوٹائے جاؤ گے	وَلَوْ اور اگر	تَرٰٓی تم دیکھو
اِذِ جب	الْمُجْرِمُوْنَ مجرم (جمع)	نَاکِسُوْا جھکائے ہوں گے	رُءُوْسِہِمْ اپنے سر	عِنْدَ رَبِّہِمْ اپنے رب کے سامنے	رَبَّنَآ اے ہمارے رب	اَبْصَرْنَا ہم نے دیکھ لیا	
وَسَمِعْنَا اور ہم نے سن لیا	فَارْجِعْنَا پس ہمیں لوٹا دے	نَعْمَلْ ہم کریں گے	صَالِحًا اچھے عمل	اِنَّا بیشک ہم	مُوْقِنُوْنَ یقین کرنے والے	وَلَوْ اور اگر	
شِئْنَا ہم چاہتے	لَاٰتَیْنَا ہم ضرور دیتے	کُلَّ نَفْسٍ ہر شخص	ہُدٰىہَا اس کی ہدایت	وَلٰکِنْ اور لیکن	حَقَّ ثابت ہو چکی ہے	الْقَوْلُ بات	مِنِّیْ میری طرف سے
لَاَمْلَئَنَّ جَہَنَّمَ البتہ میں ضرور بھروں گا جہنم	مِنَ سے	الْجِنَّۃِ جنوں	وَالنَّاسِ اور انسان	اَجْمَعِیْنَ اکٹھے	فَذُوْقُوْا پس چکھو تم	بِمَا وہ جو	
نَسِیْتُمْ تم نے بھلا دیا تھا	لِقَآءَ ملاقات	یَوْمِکُمْ اپنے دن	ہٰذَا اس	اِنَّا نَسِیْنٰکُمْ بیشک ہم نے تمہیں بھلا دیا	وَذُوْقُوْا اور چکھو تم		
عَذَابَ الْخُلْدِ ہمیشہ کا عذاب	بِمَا اس کا بدلہ جو	کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کرتے تھے					

تفسیر و تشریح:- گذشتہ آیات میں رسالت اور توحید پر کفار کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد اب کفار کے تیسرے اعتراض کو ان آیات میں بیان کر کے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ منکرین قیامت کہتے ہیں اور تعجب کے لہجہ میں کہتے کہ بھلا ایسا بھی کبھی ممکن ہے کہ جب

ہمارے جسم مردہ ہوکر خاک میں رل مل جائیں اور بدن کے اجزا گل سڑ کر نیست نابود ہو جائیں تو پھر کیونکر زندہ ہو جاویں گے؟ تو ان کے اس خیال کا رد فرمایا جاتا ہے کہ ان کا زمین میں مل جانے کے بعد زندہ ہونے ہی پر تعجب نہیں بلکہ وہ دراصل اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانے ہی کے منکر ہیں گویا سرے ہی سے عقیدۂ حشر ہی سے انکار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی جاتی ہے کہ آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ اول تو تمہیں وہ فرشتۂ موت اپنے قبضہ میں لے گا جو اس کام کے لئے تم پر مقرر کیا گیا ہے اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ مرنے پر تو تمہارا بھی یقین ہے۔ اب رہا دوسری بار زندہ ہونا سو جس نے اول بار نیست سے ہست کر دیا کیا وہ دوسری بار زندہ نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے اور کرے گا۔ آگے اس حالت کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جب اپنے رب کی طرف پلٹ کر یہ مجرمین قیامت میں حساب دینے کے لئے کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ مجرمین ذلت وندامت سے شرمندگی اور خوف سے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور یہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب اب ہم نے آنکھ سے حشر کا معاملہ دیکھ لیا۔ اور ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں۔ پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے ان کا یقین آ گیا بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عمل صالح ہی خدا کے ہاں کام دیتا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر ہمیں دنیا میں بھیج دیجئے پھر دیکھئے کہ ہم کیسے نیک کام کرتے ہیں۔ اب ہمیں پورا یقین آ گیا اور اب ہم دنیا میں واپس جا کر آخرت سے بالکل غافل نہ ہوں گے۔ جواب ارشاد ہوگا کہ تم جھوٹے ہو۔ اگر دنیا کی طرف لوٹائے جاؤ تو پھر وہی شرارتیں کرو گے۔ تمہاری طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغوا کو قبول کرے اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگے۔ بیشک ہم کو قدرت تھی۔ چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو زبردستی اسی راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور وطریق اختیار کر لینے کے لئے مضطر اور مجبور کر دینا ہماری حکمت کے خلاف تھا۔ تم کو رسولوں نے بہت کچھ سمجھایا پر تم نے نہ مانا اس لئے اللہ کا نوشتۂ ازلی اور وہ قول پورا ہو گیا کہ یہ لوگ جہنم میں جاویں گے۔ یہاں اشارہ اس قول کی طرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ابلیس کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا تھا۔ سورۂ ص ۲۳ ویں پارہ کے آخری رکوع میں اس وقت کا پورا قصہ بیان کیا گیا ہے جب کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا جس پر وہ راندۂ درگاہ ہوا اور اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی اور نسل آدم کو بہکانے کے عزم کا اظہار کیا تو جواب میں حق تعالیٰ نے بھی فرما دیا **فالحق والحق اقول لاملئن جهنم منک وممن تبعک منهم اجمعین.** (پس حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں کہ میں جہنم کو بھر دوں گا تجھ سے اور ان لوگوں سے جو تیری پیروی کریں گے) پس حکم ہوگا کہ اے منکرین دنیا کے عیش میں گم ہو کر تم نے اس بات کو بالکل بھلا دیا تھا کہ کبھی اپنے رب کے سامنے بھی جانا ہے۔ پس آج کے دن کو فراموش کرنے کا مزہ چکھو۔ تم نے ہم کو بھلا دیا تھا۔ ہم نے بھی تم کو بھلا دیا یعنی کبھی رحمت سے یاد نہیں کئے جاؤ گے۔ اب تم اپنے کرتوتوں کے سبب جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے ہو عذاب ابدی کا مزہ چکھو۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو آخرت کا یقین کامل نصیب فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کے تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ حق تعالیٰ قیامت کے روز ندامت اور شرمندگی سے ہم سب کو بچاویں اور اس زندگی میں ہم کو ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماویں کہ جو میدان حشر میں ہمیں سرخروئی اور کامیابی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر وفکر کی دائمی توفیق عطا فرمائیں اور ہمارے دلوں کو ایمان ویقین والے راستہ پر اپنی زندگی گزارنے کا عزم وہمت نصیب فرمائیں۔ اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا

بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب اُن کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ

يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٥﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

لوگ تکبر نہیں کرتے۔اُن کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے

يُنْفِقُونَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾

خرچ کرتے ہیں۔سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کیلئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ اُن کو اُن کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔

اِنَّمَا اسکے سوا نہیں	یُؤْمِنُ ایمان لاتے ہیں	بِاٰیٰتِنَا ہماری آیتوں پر	الَّذِیْنَ وہ جو	اِذَا جب	ذُکِّرُوْا یاد دلائی جاتی ہیں	بِهَا وہ	
خَرُّوْا سُجَّدًا گر پڑتے ہیں سجدہ میں	وَسَبَّحُوْا اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں	بِحَمْدِ تعریف کے ساتھ	رَبِّهِمْ اپنا رب	وَهُمْ اور وہ			
لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ تکبر نہیں کرتے	تَتَجَافٰی الگ رہتے ہیں	جُنُوْبُهُمْ ان کے پہلو	عَنِ سے	الْمَضَاجِعِ خوابگاہوں (بستروں)	یَدْعُوْنَ وہ پکارتے ہیں		
رَبَّهُمْ اپنا رب	خَوْفًا ڈر	وَطَمَعًا اور امید	وَمِمَّا اور اس سے	رَزَقْنٰهُمْ ہم نے انہیں دیا	یُنْفِقُوْنَ وہ خرچ کرتے ہیں	فَلَا تَعْلَمُ سو نہیں جانتا	نَفْسٌ کوئی شخص
مَا جو	اُخْفِیَ چھپا رکھا گیا	لَهُمْ ان کے لئے	مِنْ سے	قُرَّةِ اَعْیُنٍ آنکھوں کی ٹھنڈک	جَزَآءً جزا	بِمَا اس کا	کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ جو وہ کرتے تھے

تفسیر وتشریح:۔گذشتہ آیات میں منکرین قیامت وآخرت کا ذکر ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ ابھی تو یہ منکرین یوں کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی میں رل مل جائیں گے تو پھر دوبارہ زندگی اور حشر نشر اور جزا وسزا اور عذاب وثواب کا کیا سوال۔ایسے منکرین کے متعلق بتلایا گیا کہ ابھی تو باتیں بناتے ہیں لیکن میدان حشر میں جب یہ دوبارہ زندہ کر کے کھڑے کئے جائیں گے تو اس وقت ان کے سر شرم وندامت سے جھکے ہوئے ہوں گے اور پھر اس وقت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار اب ہم نے خوب دیکھ لیا اور سن لیا اور اب ہم کو پورا یقین آپ کی اور آپ کے رسولوں کی باتوں کا آ گیا۔اب آپ ہمیں پھر دنیا میں بھیج دیں۔اب ہم ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی کریں گے مگر اس وقت ان کی یہ درخواست محض بیکار ہوگی اور بطور سرزنش کے ان سے کہا جائے گا کہ اس آخرت فراموشی اور اس کے جھٹلانے کا اب خمیازہ بھگتو اور اپنے کرتوتوں کا نتیجہ عذاب ابدی کی صورت میں چکھو۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ بدنصیب منکرین اور نالائق مکذبین کیا ایمان لاویں گے اور کیا ہماری آیتوں کو مانیں گے۔ہماری آیتوں کو تو وہی لوگ مانتے ہیں جو ازلی نیک بخت ہیں اور پھر ان کی علامات اور صفات حمیدہ بیان کئے جاتے ہیں۔

پہلی صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ جب ان کو آیات الٰہی سنا کر سمجھایا جاتا ہے تو خوف وخشیت اور خشوع وخضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ زبان سے اللہ کی حمد وتسبیح کرتے ہیں مثلاً **سبحان اللہ. والحمدللہ یاسبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم** کہتے ہیں۔امام بخاریؒ نے آخری حدیث جو بخاری شریف میں روایت کی اس میں ان الفاظ **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم** کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمہ ایسے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں اور زبان پر نہایت ہلکے ہیں

مگر میزان میں بہت بھاری ہیں وہ کلمات یہ ہیں **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم**. اکثر بزرگان دین ایک تسبیح یعنی سو مرتبہ فرض نماز فجر سے پہلے ان کلمات کی یعنی سبحان اللہ وبحمدہ ۔سبحان اللہ العظیم پڑھنے کی تلقین فرماتے ہیں اور بہت اس کے برکات وفوائد بیان کرتے ہیں قارئین بھی اس کو اپنا معمول بنالیں۔ چند منٹ ۱۰۰ مرتبہ پڑھنے میں خرچ ہوتے ہیں مگر اجروثواب اور دینی ودنیوی فوائد بے حد ہیں۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ تیسری صفت ان صاحب ایمان بندوں کی یہ فرمائی کہ دل میں کبروغرور اور بڑائی کی بات نہیں رکھتے۔ نہ تو اللہ کے بندوں سے تکبر کرتے ہیں نہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے تکبر کرکے سرتابی کرتے ہیں یعنی اپنے غلط خیالات کو چھوڑ کر اللہ کی بات مان لیتے اور اللہ کی بندگی اختیار کرکے اس کی عبادت کو بجا لانے میں اپنی کسر شان نہیں سمجھتے اور نفس کی بڑائی انہیں آیات اللہ اور احکام الٰہیہ کے آگے جھکنے سے مانع نہیں ہوتی۔

چوتھی صفت یہ بتلائی کہ وہ راتوں کو اپنے بستروں اور خواب گاہوں سے اٹھ کر تہجد کی ماز پڑھتے ہیں۔اس میں خوف اور امید کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں۔ دعا و ذکر کرتے ہیں اور مناجات میں مشغول ہوتے ہیں۔

یہاں آیت میں میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے اکثر مفسرین نے نماز تہجد مراد لی ہے جس کی احادیث صحیحہ میں بڑے فضائل و برکات و تاکید وارد ہے۔بعض مفسرین نے صبح کی یا عشا کی نماز۔ یا مغرب اور عشاء کے درمیان کے نوافل بھی مراد لئے ہیں مگر راجح تفسیر نماز تہجد ہی کے متعلق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام اور صالحین امت کا ہمیشہ سے دستور ہے کہ وہ نصف شب کے بعد اخیر شب میں اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو نماز تہجد فرض تھی اور تمام امت کے لئے مسنون ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ضرور تہجد پڑھا کرو۔ کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ وشعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ وذریعہ ہے اور وہ گناہوں کے برے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ بعض احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف و کرم اور اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس وشعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں اور حضرت اسابنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو قیامت کے روز جمع فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی کھڑا ہوگا جس کی آواز تمام مخلوقات سنے گی۔ وہ ندا دے گا کہ اہل محشر آج جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون لوگ عزت وآرام کے مستحق ہیں۔ پھر وہ فرشتہ ندا دے گا کہ اہل محشر میں سے وہ لوگ کھڑے ہوں جن کی صفت یہ تھی **تتجافی جنوبھم عن المضاجع** یعنی ان کے پہلو بستروں سے الگ ہوجاتے ہیں۔ اس آواز پر یہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی تعداد قلیل ہوگی۔ (ابن کثیر) اور اسی روایت کے بعض الفاظ میں ہے کہ یہ لوگ بغیر حساب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔اس کے بعد اور تمام لوگ کھڑے ہوں گے ان سے حساب لیا جائے گا (مظہری) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ان حقائق کا ہم کو بھی ایسا یقین نصیب فرمائیں کہ جو اس وقت بے چین کرکے اللہ کے سامنے حاضری۔ دعا۔سوال اور استغفار کے لئے کھڑا کردیا کرے۔

پانچویں صفت **ومما رزقنھم ینفقون** کی فرمائی یعنی ہمارے دیئے ہوئے رزق سے تھوڑا یا بہت جس کو ہم نے جتنا دیا

7 ہے اس میں سے اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں رزق سے مراد ہے رزق حلال کیونکہ مال حرام کو اللہ تعالیٰ اپنے دیئے ہوئے رزق سے تعبیر نہیں فرماتا آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جب ان ایمان لانے والے بندوں کا ہمارے ساتھ یہ معاملہ ہے تو ہمارا برتاؤ بھی ان کے ساتھ یہ ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ ان کے ان نیک کاموں کے بدلہ میں کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان خزانۂ غیب میں موجود ہے۔ جس کو ان کے لئے قیامت میں ظاہر کیا جائے گا۔ ایک حدیث قدسی میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے مروی ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک صالح بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کوئی انسان کبھی اس کا تصور کر سکا ہے گویا جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اپنے ان دنیوی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کے حوالہ سے اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ رب العالمین عزوجل سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ ادنیٰ جنتی کا درجہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ ادنیٰ جنتی وہ شخص ہے جو کل جنتیوں کے جنت میں چلے جانے کے بعد آئے گا اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا خدایا کہاں جاؤں۔ ہر ایک نے اپنی جگہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اپنی چیزیں سنبھال لی ہیں۔ اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر خوش ہے کہ تیرے لئے اتنا ہو جتنا کہ دنیا کے کسی بہت بڑے بادشاہ کے پاس تھا وہ کہے گا پروردگار میں اس پر خوش ہوں اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تیرے لئے اتنا ہی اور۔ اتنا ہی اور۔ اور اتنا ہی اور۔ اور اتنا ہی اور۔ اور پانچ گنا۔ یہ کہے گا بس بس اے رب میں راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ سب ہم نے تجھے دیا اور اس کا دس گنا اور بھی دیا اور بھی جس چیز کو تیرا دل چاہے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ یہ کہے گا کہ میرے پروردگار میری تو باچھیں کھل گئیں اور میرا جی خوش ہو گیا۔

تو گویا آیت میں یہاں یہ بتلا کر جزآء بما کانو یعملون کہ یہ انتہائی نعمتیں صلہ میں اعمال حسنہ کی خاص ترغیب دلائی گئی جو یہاں پانچ صفات اہل ایمان کی بیان فرمائیں۔

یہ انجام بیان ہوا مومنین کا اور گذشتہ درس میں ذکر کفار مجرمین کا ہو چکا ہے۔ اس طرح دونوں کا حال و مآل بتلا کر آگے بتلایا جاتا ہے کہ دونوں آخرت میں برابر کیسے ہو سکتے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔ چونکہ ان تلاوت کردہ آیات میں پہلی آیت آیت سجدہ ہے۔ اس لئے سب قارئین و سامعین پر اس آیت کے پڑھنے سننے سے سجدہ واجب ہو گیا ہے۔ اس لئے سب صاحبان ایک سجدہ تلاوت ادا کر لیں۔

دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو بھی قرآنی انوار سے منور فرمادیں اور قرآن پاک پڑھ کر اور سن کر ہمارے خشوع و خضوع میں بھی ترقی عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر و فکر۔ حمد و ثنا تسبیح و تحمید کی دائمی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔ اور اپنے احکام کی پوری پوری اطاعت نصیب فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۗ لَا يَسْتَوُونَ ۝ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

تو جو شخص مومن ہو کیا وہ اس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے حکم ہو وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

سو ان کیلئے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے اعمال کے بدلہ میں بطور ان کی مہمانی کے ہیں۔

اَفَمَنْ تو کیا جو	كَانَ ہو	مُؤْمِنًا مومن	كَمَنْ اس کے مانند جو	كَانَ ہو	فَاسِقًا فاسق نافرمان	لَا يَسْتَوُوْنَ وہ برابر نہیں ہوتے	اَمَّا رہے	
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے	وَعَمِلُوْا اور انہوں نے عمل کئے	الصّٰلِحٰتِ اچھے	فَلَهُمْ تو ان کیلئے	جَنّٰتُ الْمَاْوٰى باغات رہنے کے	نُزُلًا مہمانی			
	بِمَا اسکے (صلہ میں) جو	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ کرتے تھے						

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیات میں پہلے منکرین قیامت کا بیان ہوا تھا کہ آج تو وہ بے دھڑک آخرت کی زندگی کا انکار کر رہے ہیں۔ لیکن قیامت میں جب ان کی آنکھیں کھلیں گی تو اس وقت انہیں یقین ہوگا کہ واقعی جو اللہ کے رسول کہتے تھے سب سچ اور امر حق تھا۔ مگر اس وقت سوائے ندامت اور شرمندگی اور عذاب الیم کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ منکرین کے بعد ایمان والوں کا ذکر فرمایا گیا تھا اور ان کی صفات و حالات بتلائے گئے تھے کہ اللہ کی وہ آیات سنتے ہیں تو خشوع و خضوع سے ان کے دل لبریز ہو جاتے ہیں اور زبان سے وہ اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ تکبر ان میں نام کو نہیں ہوتا۔ اور راتوں میں نیند چھوڑ کر بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کی یاد اور اس سے داد و فریاد میں لگ جاتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈر کر اور اس کی رحمت کے امیدوار ہو کر اسے پکارتے ہیں اور جو اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ تو اللہ نے بھی بڑی بڑی نعمتیں ان کی راحت اور سرور کی مہیا کر رکھی ہیں جن کو قیامت میں ان کے لئے ظاہر کیا جائے گا۔ اس طرح مومنین و منکرین دونوں کا انجام ذکر فرمایا گیا تھا۔

اب آگے ان آیات میں فرمایا جاتا ہے کہ تمہی بتلاؤ جو شخص خدا کی باتوں کو ماننے والا ہے کیا وہ اس جیسا ہے جو کہ نافرمان ہے۔ ہرگز نہیں اور جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو دونوں کے ساتھ برتاؤ بھی یکساں نہیں ہو سکتا۔ یہاں آیت افمن کان مومنا کمن کان فاسقاً میں مومن اور فاسق کے دو مقابل الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ مومن سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود واحد مان کر اس قانون کی اطاعت اختیار کرے جو اللہ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ دنیا میں بھیجا ہے اس کے برعکس فاسق یعنی کافر وہ ہے جو اللہ کے حکم کے خلاف چلے۔ اللہ کے قانون سے بغاوت اور نافرمانی برتے۔ خودمختاری اور اطاعت غیر اللہ کا رویہ اختیار کرے تو جب دنیا میں ان دونوں کا طرز فکر اور طرز حیات یکساں نہیں تو آخرت میں ان کے ساتھ خدا کا معاملہ یکساں کیوں ہونے لگا۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بڑے لوگوں کے نوکر چاکر کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ کہ جو مالک نے حکم دیا دوڑ کر بسر و چشم بجالائے اور فوراً تعمیل کر دی دوسرے وہ جو ڈھیٹ بن کر بیٹھ گئے لیکن پھر بادل ناخواستہ اٹھے اور ادھورا سدھورا کام کر کے جان چھڑائی اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو حکم کو خاطر ہی میں نہیں لاتے۔ مالک کچھ ہی کہا کرے مگر وہ کریں گے وہی جو ان کا دل چاہے تو ایک خبردار اور ہوشیار مالک کے نزدیک یہ سب یکساں نہیں ہو سکتے تو اللہ کے نزدیک جو دلوں کے راز اور بھیدوں تک سے واقف ہے مومن اور فاسق کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ پھر آگے اس کی مزید وضاحت فرمائی جاتی ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور صرف ایمان لانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اعمال

صالحہ بھی کیے جن کی تشریح گذشتہ آیات میں ہو چکی ہے ان کا ٹھکانہ جنت میں ہے کہ وہی ان کا اصلی مقام ہے اور دنیا تو ایک کوچ کر جانے کی منزل ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اگلی دنیا میں اطاعت و فرمانبرداری جنت کی مہمانی کا سبب بن جائے گی۔ یعنی جنت کی نعمتیں اہل ایمان کو مثل مہمان کے اکرام کے ساتھ ملیں گی نہ کہ سائل محتاج کی طرح بے قدری اور بے وقعتی کے ساتھ۔

اب یہاں مناسب معلوم ہوا کہ جنت کی مہمانی اور وہاں کی نعمتوں کا کچھ حال بیان کر دیا جائے۔ مگر حقیقتاً جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اس دنیا میں اپنے ان ناسوتی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا تاہم قرآن اور حدیث میں جس طرح جنت کی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کا مختصر احوال حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قیامت نامہ میں اس طرح لکھا ہے کہ جب تمام لوگ دوزخ اور جنت میں داخل ہو چلیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان منادی ہوگی کہ اے اہل جنت جنت کے کناروں پر آ جاؤ۔ اور اے اہل دوزخ دوزخ کے کناروں پر آ جاؤ۔ اہل جنت کہیں گے ہم کو تو ابدالآباد کا وعدہ دلا کر جنت میں داخل کیا ہے اب کیوں طلب کیا ہے اور اہل دوزخ نہایت خوش ہو کر کناروں کی طرف دوڑ پڑیں گے اور کہیں گے شاید ہماری مغفرت کا حکم ہوگا پس جس وقت سب کناروں پر آ جائیں گے تو ان کے مابین موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں حاضر کر دیا جائے گا اور لوگوں سے کہا جائے گا کہ کیا اس کو پہچانتے ہو سب کہیں گے کہ ہاں جانتے ہیں کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس نے موت کا پیالہ نہ پیا ہو۔ اس کے بعد اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ اس کو حضرت یحییٰ علیہ السلام ذبح کریں گے پھر وہ منادی آواز دے گا اے اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں اور اے اہل دوزخ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو کہ اب موت نہیں۔ اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ خوشی شادی مرگ ہو جاتی اور اہل دوزخ اس قدر رنجیدہ ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ غم کے مارے مر جاتے۔ اس کے بعد حکم ہوگا کہ دوزخ کے دروازوں کو بند کر کے اس کے پیچھے بڑے بڑے آتشی شہتیر بطور پشتبان لگا دو تا کہ دوزخیوں کو نکلنے کا خیال بھی نہ رہے اور اہل جنت کو جنت میں ابدالآباد تک رہنے کا یقین و اطمینان ہو جائے۔ جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک و زعفران کے گارے سے بنی ہوئی ہیں اس کی سڑکیں اور پٹریاں زمرد۔ یاقوت اور بلور سے۔ اس کے باغیچے نہایت پاکیزہ ہیں جن میں بجائے بجری زمرد یاقوت اور موتی وغیرہ پڑے ہیں۔ اس کے درختوں کی چھالیں طلائی ونقرئی ہیں۔ شاخیں بے خار و بے خزاں۔ اس کے میووں میں دنیا کی نعمتوں کی گونا گوں لذتیں ہیں۔ ان کے نیچے ایسی نہریں ہیں جن کے کنارے پاکیزہ جواہرات سے مرصع ہیں۔ ان نہروں کی چار قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن کا پانی نہایت شیریں و ٹھنڈا ہے۔ دوسری وہ جو ایسے دودھ سے لبریز ہیں جس کا مزا نہیں بگڑتا۔ تیسری ایسی شراب کی ہیں جو نہایت فرحت افزا و خوش رنگ ہے۔ چوتھی نہایت صاف و شفاف شہد کی ہیں علاوہ اس کی تین قسم کے چشمے ہیں ایک کا نام کافور ہے جس کی خاصیت خنکی ہے۔ دوسرے کا نام زنجبیل ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں اس کی خاصیت گرم ہے مثل چاء وقہوہ۔ تیسرے کا نام تسنیم ہے جو نہایت لطافت کے ساتھ ہوا میں معلق جاری ہے۔ ان تینوں چشموں کا پانی مقربین کے لئے مخصوص ہے لیکن اصحاب یمین کو بھی جو ان سے کمتر ہیں ان میں سر بمہر گلاس مرحمت ہوں گے جو پانی پینے کے وقت گلاب اور کیوڑہ کی طرح سے اس میں سے تھوڑا تھوڑا ملا کر پیا کریں گے۔ اور رویدار الٰہی کے وقت ایک اور چیز عنایت ہوگی جس کا نام شراب طہور ہے جو ان تمام چیزوں سے افضل و اعلیٰ ہے جنت کے درخت باوجود نہایت بلند و بزرگ اور سایہ دار ہونے کے اس قدر باشعور ہیں کہ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ اس قدر نیچے کو جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لیا کرے گا۔ جنت

کے فرش وفروش ولباس وغیرہ نہایت پاکیزہ اور عمدہ ہیں اور ہر شخص کو وہی لباس عطا کئے جائیں گے جو اس کو مرغوب ہوں گے ریشمین ۔ اطلس ۔ زربفت وغیرہ اور بعض ان میں ایسے نازک و باریک ہوں گے کہ ستر تہوں میں بھی بدن نظر آئے گا۔ جنت میں نہ سردی ہے نہ گرمی ۔ نہ آفتاب کی شعاعیں نہ تاریکی بلکہ ایسی حالت ہے جیسا کہ طلوع آفتاب سے کچھ پیشتر ہوتی ہے مگر روشنی میں ہزار ہا درجہ اس سے برتر ہوگی جو عرش کے نور کی ہوگی نہ کہ چاند سورج کی چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر جنت کا لباس و زیور زمین پر لایا جائے تو وہ اپنی چمک دمک سے جہان کو اس قدر روشن کردے گا کہ آفتاب کی روشنی اس کے سامنے ماند ہو جائے گی۔ جنت میں ظاہری کثافت وغلاظت یعنی پیشاب، پاخانہ۔ تھوک۔ بلغم۔ ناک کا رینٹ۔ پسینہ ومیل بدن وغیرہ بالکل نہ ہوں گے۔ صرف سر پر بال ہوں گے اور داڑھی مونچھ اور دیگر قسم کے بال جو جوانی میں پیدا ہوتے ہیں بالکل نہ ہوں گے اور نہ کوئی بیماری ہوگی اور باطنی کثافتوں یعنی کینہ۔ بغض۔ حسد۔ تکبر۔ عیب جوئی۔ غیبت وغیرہ سے دل پاک صاف ہوں گے۔ سونے کی حاجت نہ ہوگی۔ اور خلوت واستراحت کے لئے پردہ والے مکان ومحلات ہوں گے۔ ملاقات اور مجلس کے وقت صحن اور میدانوں میں جمع ہوں گے۔ ان کی غذاؤں کا فضلہ خوشبودار ڈکاروں اور معطر پسینوں سے رفع ہوا کرے گا۔ جس قدر کھائیں گے فوراً ہضم ہوجایا کرے گا۔ بدہضمی اور گرانی شکم کا نام تک نہ ہوگا۔ سیر وتفریح کے واسطے ہوائی سواریاں اور تخت ہوں گے جو ایک گھنٹہ میں ایک مہینہ کا راستہ طے کرتے ہوں گے۔ جنت میں ایسے قبے۔ برج اور بنگلے ہوں گے جو ایک ہی یاقوت یا موتی یا زمرد یا دیگر جواہرات سے رنگ برنگ بنے ہوں گے جن کی بلندیاں اور عرض ۶۰۔ ۶۰ گز ہوں گی۔ اہل جنت کی خدمت۔ راحت۔ آسائش وآرام وغیرہ کے لئے حور وغلمان و ازواج موجود ہوں گے۔ جنت آٹھ ہیں۔ جن میں سے سات تو سکونت کے لئے مخصوص ہیں اور آٹھویں دیدار الٰہی کے لئے جس کو بارگاہِ الٰہی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اہل جنت میں سے ادنیٰ شخص کو دنیاوی آرزوؤں سے دس گنا زیادہ مرحمت ہوگا اور بعض روایتوں میں ہے کہ ادنیٰ اہل جنت کی ملک حشم خدم۔ اسباب۔ سامان راحت وغیرہ وغیرہ اسی سال کی مسافت کے برابر پھیلاؤ میں ہوں گے۔ اور جنت کے بعض بڑے بڑے میوے ایسے ہوں گے کہ جس وقت اس کو جنتی توڑے گا تو اس میں سے نہایت خوبصورت پاکیزہ حور مع لباس فاخرہ وزیور کے برآمد ہوگی اور اپنے مالک کی خدمت گزار ہوگی اہل جنت کے قد وقامت مانند حضرت آدم علیہ السلام کے ۶۰۔ ۶۰ ہاتھ ہوں گے اور دیگر اعضا بھی انہی قد وقامت کے مناسب ہوں گے۔ بلحاظ صورت نہایت حسین وجمیل ہوں گے اور ہر ایک عین شباب کی حالت میں ہوگا۔ ذکر الٰہی بے تکلف اس طرح دل اور زبانوں پر جاری ہوگا جیسا کہ دنیا میں سانس آتا جاتا ہے اور جیسا کہ جنت کی نعمتوں سے بدن کو لذت حاصل ہوگی اسی طرح سے باطنی لذات یعنی انوار وتجلیات الٰہی بھی حاصل ہوتی رہیں گی اور جنت کی سب سے بہتر اور افضل نعمت دیدار الٰہی ہے۔

الغرض مومنین کاملین کا ٹھکانا آخرت میں جنت ہوگا جس کا مختصر ذکر اوپر ہوا اب آگے مومنین کے مقابلہ میں فاسقین کافرین کا انجام جہنم بتلایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔ جہاں جہنم کا کچھ حال بیان کیا جائے گا۔ جس سے فاسقین کافرین کو واسطہ پڑتا ہے۔

دعا کیجئے: یا اللہ جس جنت کا حال اس وقت ہم نے پڑھا اور سنا ہے اے اللہ اپنے فضل وکرم سے ہم کو بے حساب وہاں داخل ہونا نصیب فرمائیے۔ اور وہاں کی مہمانی ہمارے لئے مقدر فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ

اور جولوگ بے حکم تھے سواُن کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جاویں گے اور ان کو کہا جاوے گا

لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۰

کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

وَاَمَّا اور رہے	الَّذِيْنَ وہ جنھوں نے	فَسَقُوْا نافرمانی کی	فَمَاْوٰىهُمْ تو ان کا ٹھکانا	النَّارُ جہنم	كُلَّمَا جب بھی	اَرَادُوْٓا وہ ارادہ کریں گے
اَنْ يَّخْرُجُوْا کہ وہ نکلیں	مِنْهَا اس سے	اُعِيْدُوْا لوٹا دیئے جائیں گے	فِيْهَا اس میں	وَقِيْلَ اور کہا جائے گا	لَهُمْ انہیں	ذُوْقُوْا تم چکھو
عَذَابَ النَّارِ دوزخ کا عذاب	الَّذِيْ وہ جو	كُنْتُمْ تم تھے	بِهٖ اس کو	تُكَذِّبُوْنَ جھٹلاتے		

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ آخرت میں مومن اور فاسق ہرگز برابر نہیں ہوسکتے اور اس لئے دونوں کے ساتھ برتاؤ بھی یکساں نہیں ہوسکتا اس کے بعد ایک حقیقی مومن کو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی وجہ سے آخرت میں جنت کی دائمی اور ابدی نعمتیں جو ملنے والی ہیں اس کی بشارت سنائی گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں جنت کی نعمتوں کا کچھ حال جو قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں گذشتہ درس میں بیان کیا گیا تھا۔

اب مومن اور اس کے انجام آخرت کے مقابلہ میں فاسق یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی نافرمانی۔ ان سے بغاوت وسرتابی۔ خودمختاری اور اطاعت غیر اللہ کو اختیار کرنے والے کا انجام آخرت اس آیت میں بیان فرمایا جاتا ہے تا کہ ایمان کے ثمرات کے مقابلہ میں کفروفسق کے نتائج بھی انسانوں کے سامنے آجائیں جس سے مقصود یہ ترغیب دلانا ہے کہ لوگ برا انجام سامنے آنے سے پہلے کفروفسق چھوڑ دیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت فرمانبرداری قبول کرلیں۔ چنانچہ اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ جنہوں نے دنیا میں کفروفسق کا راستہ اختیار کیا ان کا ٹھکانہ آخرت میں جہنم ہے۔ اب جہنم کیا ہے؟ کتنے اس کے طبقات ہیں؟ کیا وہاں کے حالات ہیں؟ ان کو بھی مختصرا

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ''قیامت نامہ'' سے نقل کئے جاتے ہیں۔

''جب کفار آگ میں مجتمع ہوجائیں گے تو شیطان یعنی ابلیس آگ کے منبر پر چڑھ کر سب کو اپنی طرف بلائے گا اور جہنمی اس گمان سے کہ یہ ہمارا سردار ہے کسی نہ کسی مکروحیلہ سے ہم کو نجات دلائے گا سب اس کے پاس آجائیں گے۔ پس شیطان کہے گا کہ خدا کے تمام احکام بجا اور درست تھے میں تمہارا اور تمہارے باپ کا دشمن تھا مگر یہ یاد رہے کہ میں نے تم میں سے کسی کو زبردستی اپنی طرف نہیں کھینچا۔ البتہ برے کاموں کی ترغیب میں نے دی۔ تم نے بسبب کم عقلی اور خام طبعی میرے وسوسوں کو سچا جان کر اختیار کیا پس اس وقت تم سب اپنے آپ ہی پر ملامت کرو نہ کہ مجھ پر۔ علاوہ ازیں مجھ سے کسی قسم کی نجات وخلاصی دلانے کی امید نہ رکھنا۔ اس یاس وناامیدی کے جواب کو سن کر آپس میں لعن طعن کرنے لگیں گے۔ بڑے اور چھوٹے سب چاہیں گے کہ اپنے وبال کو دوسرے پر ڈال کر خود سبکدوش ہوجائیں مگر یہ خیال محال اور بے سود ہوگا اور قہر کے فرشتے ان کو کشاں کشاں اس مقام تک پہنچادیں گے جو ان کے اعمال وعقائد سے مناسبت رکھتا ہوگا۔ دوزخ کی آگ یہاں کی آگ سے ۷۰ فیصد زیادہ گرم ہے۔ اس

کا رنگ شروع میں سفید تھا۔ پھر ہزار برس اس کو جلایا گیا تو رنگ سرخ ہوگیا۔ اور پھر ہزار برس جلایا گیا تو اب سیاہ ہے۔ اس کے سات طبقہ ہیں جن میں ایک ایک بڑا پھاٹک ہے۔ اول طبقہ گنہگار مسلمانوں اوران کفار کے لئے ہے جو باوجود شرک پیغمبروں کی حمایت کرتے تھے مخصوص ہے۔ بخاری و مسلم کی صحیح روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کی چپلیں اوران چپلوں کے تسمے آگ کے ہوں گے ان کی گرمی سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا اور جوش مارے گا کہ جس طرح چولہے پر دیگچی کھولتی ہے اوراس میں جوش آتا ہے اور وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں سمجھے گا حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔ اس پہلے طبقہ کے علاوہ جہنم کے دیگر طبقات کفارومشرکین۔ آتش پرست۔ دھریئے۔ یہود نصاریٰ اور منافقین کے لئے مقرر ہیں ان طبقات میں سے ہر ایک میں نہایت سخت اور قسم قسم کے عذاب اور عجب طرح کے مکانات ہیں مثلاً ایک مکان ہے جس کا نام غی ہے جس کی سختی سے باقی دوزخ بھی ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے ایک اور مکان ہے جس میں بے انتہا سردی ہے جس کو زمہریر کہتے ہیں اور یہ سردی کا عذاب جنات کے لئے ہوگا ایک اور مکان ہے جس کو جب الحزن کہتے ہیں یعنی غم کا کنواں۔ ایک کنواں ہے جس کو طینۃ الخبال یعنی راد۔ پیپ کی کیچڑ کہتے ہیں۔ ایک پہاڑ ہے جس کو صعود کہتے ہیں اس کی بلندی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے جس پر کفار کو چڑھا کر دوزخ کی تہہ میں پھینکا جائے گا۔ ایک تالاب ہے جس کا نام حمیم ہے۔ اس کا پانی اتنا گرم ہے کہ لبوں تک پہنچنے سے اوپر کا ہونٹ اس قدر سوج جائے گا کہ ناک اور آنکھیں تک ڈھک جائیں گی اور نیچے کا ہونٹ سوج کر سینے اور ناف تک پہنچے گا۔ یہ آبِ حمیم جو دوزخیوں کو پینے کو ملے گا حلق سے نیچے اترتے ہی پھیپھڑے معدہ اور انتڑیوں کو پھاڑ دے گا۔ ایک اور تالاب ہے جس کو غساق کہتے ہیں اس میں کفار کا پسینہ، پیپ اور لہو بہ کر جمع ہوتا ہے ایک چشمہ ہے جس کا نام غسلین ہے اس میں کفار کا میل کچیل جمع ہوتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے خوفناک مکانات ہیں۔ اہل دوزخ کے جسم بہت چوڑے چکلے بنادیئے جائیں گے تاکہ سختی عذاب زیادہ ہو اور ان کے ہر ایک رگ وریشہ کو ظاہراً و باطناً طرح طرح کے عذاب پہنچائے جائیں گے مثلاً جلانا۔ کچلنا۔ سانپ بچھوؤں کا کاٹنا۔ کانٹوں کا چبھونا۔ کھال کا چیرنا۔ مکھیوں کا زخم پر بٹھانا وغیرہ وغیرہ اور جہنم کے سانپ بچھو الامان الحفیظ اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کا کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک دفعہ ڈسے گا تو ۴۰ سال کی مدت تک وہ اس کے زہر کے اثر سے تڑپے گا اوراسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں جو اپنی جسامت میں خچروں کی مانند ہیں وہ بھی ایسے زہریلے ہیں کہ ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفع ڈنک مارے گا تو چالیس سال تک وہ اس کے زہر کی تکلیف پائے گا جہنم کی شدت گرمی سے ان کے جسم جل کر نئے جسم پیدا ہوجایا کریں گے۔ مگر یہ واضح رہے کہ جسم کے اصلی اجزا برقرار رہیں گے صرف گوشت اور پوست جل کر دوبارہ پیدا ہوتا رہے گا اور غم وحسرت۔ ناامیدی وغیرہ کی تکلیفات بقدر جسامت علیحدہ برداشت کریں گے۔ بعض کافروں کی کھال ۴۲-۴۲ ہاتھ موٹی ہوگی۔ دانت پہاڑ کے مانند۔ بیٹھنے میں تین تین منزل کی مسافت اور ایک روایت میں ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان کی برابر جگہ گھیریں گے دوزخ میں کفار کے دونوں مونڈھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا کہ تیز روسوار کے تین دن کی مسافت علاوہ دیگر عذابوں کے بھوک کا عذاب اس قدر سخت کردیا جائے گا کہ جو تمام عذابوں کے مجموعہ کے برابر ہوگا۔ دوزخی جب بھوک کی شدت سے فریاد کریں گے تو

کھانے کے لئے ان کو ضریع یعنی خاردار اور سخت بدبودار گھاس دی جائے گی۔ جس سے نہ ان کا پیٹ بھرے گا اور نہ ان کی بھوک دفع ہوگی پھر بے چین اور بے قرار ہوکر غذا طلب کریں گے تو زقوم یعنی جہنم میں پیدا ہونے والا نہایت تلخ خاردار پھل دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامان زندگی کو خراب کردے پس کیا گزرے گی اس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہوگا۔ پھر غساق یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی وہی انتہائی بھوک میں ان کی غذا ہوگی جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ اسقدر بدبودار ہوگی کہ ایک ڈول اس دنیا میں بہادیا جائے تو ساری دنیا اس کی سرانڈ سے بدبودار ہوجائے پھر جہنمی جب زقوم کو کھانا شروع کریں گے تو وہ گلے میں پھنس جائے گا تو کہیں گے کہ دنیا میں جب ہمارے گلے میں لقمہ اٹک جاتا تھا تو پانی سے نگل لیا کرتے تھے لہٰذا طالب آب ہوں گے تو حکم ہوگا حمیم سے پانی پلادو۔ اس پانی کے منہ تک پہنچتے ہی ہونٹ جل کر اتنے سوج جائیں گے پیشانی اور سینہ تک پہنچ جائیں گے۔ حلق ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا انتڑیاں پھٹ کر پاخانہ کے راستہ سے نکل پڑیں گی۔''

دوزخ کی آگ۔ اس کی گرمی۔ سانپ۔ بچھو۔ کھانے پینے کی چیزیں یہ سب کچھ عذاب ہی عذاب ہوگا مگر یہ جو کچھ اب تک ذکر کیا گیا ہے یہ دوزخ کے عذاب کا تھوڑا سا حصہ ہے۔ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی بہت سے طریقوں سے عذاب دیا جائے گا۔ مثلاً دوزخی کے جکڑنے کی زنجیریں جو آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلہ سے بھی لمبی ہوں گی یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرودی جائیں گی پاخانہ کے راستہ سے ڈالی جائیں گی پھر اسے آگ میں اس طرح بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب اور تیل میں ٹڈی بھونی جاتی ہے (ابن کثیر) دوزخیوں کو مارنے کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے وہ لوگ جب بھی دوزخ کی گھٹن سے نکلنا چاہیں گے تو لوہے کے گرزوں سے مار کر واپس کئے جائیں گے۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر دوزخ کے لوہے کا ایک گرز زمین پر رکھ دیا جائے تو اس کو تمام جنات وانسان مل کر اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے اور ایک روایت میں ہے کہ جہنم کا لوہے کا گرز اگر پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ یقیناً ریزہ ریزہ ہوکر راکھ ہوجائے۔ اس مختصر درس میں عذاب جہنم کی مزید تفصیلات کی گنجائش نہیں بس اس کو ایک حدیث پر ختم کیا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا کہ اے لوگو! اللہ اور اس کے عذاب کے خوف سے خوب روؤ اور اگر تم یہ نہ کرسکو یعنی اگر حقیقی گریہ کی کیفیت تم پر طاری نہ ہو تو پھر اللہ کے قہر اور اس کے عذاب کا خیال کرکے تکلف سے روؤ اور رونے کی شکل بناؤ۔ کیونکہ دوزخی دوزخ میں اتنا روئیں گے اتنا روئیں گے کہ ان کے چہروں پر ان کے آنسو ایسے بہیں گے کہ گویا وہ بہتی ہوئی نالیاں ہیں یہاں تک کہ آنسو ختم ہوجائیں گے اور پھر آنسوؤں کی جگہ خون بہے گا اور پھر اس خون بہنے سے آنکھوں میں زخم پڑجائیں گے اور پھر ان زخموں سے اور زیادہ خون جاری ہوگا اور ان دوزخیوں کے ان آنسوؤں اور خونوں کی مجموعی مقدار اتنی ہوگی کہ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو خوب چلیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے جنت میں نظر ڈالی تو اکثر کم مایہ بے پیسہ والے دیکھے اور میں نے دوزخ میں نظر ڈالی تو اکثر عورتیں دیکھیں۔

میرے عزیزو اب یہاں ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس دنیا کی معمولی سردی وگرمی کو انسان کا برداشت کرنا دشوار ہوتا ہے تو پھر بھلا دوزخ کی گرمی اور سردی کو برداشت کرنے اور وہاں

کا عذاب بھگتنے کی ہمت کسی کو کس بل بوتے پر ہے؟ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ کروڑوں انسان ایسے ہیں جو اس دنیا کی گرمی سردی اور تکلیف سے بچنے کا کتنا اہتمام کرتے ہیں مگر دوزخ سے بچنے کا ان کو کچھ بھی دھیان نہیں۔ پھر جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے قرآن وحدیث کے الفاظ سے جنت کے عیش وراحت اور دوزخ کے دکھ اور عذاب کا جو تصور اور نقشہ ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے وہ اصل حقیقت سے بہت کمتر ہے۔ قرآن اور حدیث کے الفاظ سے بھی جنت و دوزخ کی چیزوں کی اصل کیفیت اور اصل حقیقت کو ہم یہاں پورے طور پر سمجھ نہیں سکتے۔ بس وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا کہ جنت کے عیش وراحت کے بارہ میں جو کچھ ہم نے جانا اور سمجھا تھا ہمارا وہ علم بہت ہی ناقص تھا اسی طرح دوزخ کے دکھ اور عذاب کے بارہ میں جو کچھ ہم نے سنا تھا اصل حقیقت کے مقابلہ میں وہ بہت ہی ناقص تھا قرآن وحدیث میں دوزخ وجنت کے بارہ میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہے ہی نہیں کہ جو کچھ وہاں پر پیش آنے والا ہے اس کو ہم پوری پوری طرح یہاں سمجھ لیں اور جان لیں بلکہ اس بیان کا اصل مقصد تبشیر اور انذار ہے یعنی جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ کی رضا والی اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کو آمادہ کرنا اور اس مقصد کے لئے جنت و دوزخ سے متعلق قرآن وحدیث کا یہ بیان بالکل کافی ہے۔

الغرض اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ جنہوں نے دنیا میں کفر وفسق کا راستہ اختیار کیا اللہ کے احکامات سے بغاوت کی۔ اللہ کے قانون کو ٹھکرا دیا۔ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف چلے تو ایسے نافرمانوں کا ٹھکانا آخرت میں جہنم ہوگا۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو جہنم کے دروازہ کی طرف پھینکیں گے اس وقت شاید وہ جہنم سے نکلنے کا خیال کریں تو فرشتے پھر ادھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اس کا مزہ چکھو۔

یہ تو کافروں اور نافرمانوں کے لئے عذاب آخرت کا حال بیان فرمایا گیا۔ لیکن کبھی کبھی عذاب آخرت سے پہلے دنیا میں بھی عذاب الٰہی کا مزہ چکھنا پڑتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اے اللہ! جہاں آپ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا ہے اے اللہ ہم کو ایمان کے ساتھ ان اعمال صالحہ کی بھی توفیق عطا فرمائیے کہ جو آپ راضی کرنے والے ہوں۔

اے اللہ! ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے کہ جو آخرت میں ہماری سرخروئی اور کامرانی کا باعث بنیں اور اے اللہ ہمیں ان تمام اعمال سے بچا لیجئے جن کے باعث آخرت میں ندامت وشرمندگی اٹھانی پڑے۔

اے اللہ! عذاب جہنم سے ہمیں دور رکھئے اور ہمیں آخرت کا وہ خوف عطا فرمائیے کہ ہم سے آپ کی کوئی چھوٹی بڑی نافرمانی سرزد نہ ہو۔ یا اللہ! آج اس دنیا میں آپ کے عذاب اور قہر سے بچنے کے لئے ہمیں رونا نصیب ہو جائے۔ اور ہمارے اس رونے کو آپ قبول فرما لیں تا کہ ہمیں آخرت میں رونا نصیب نہ ہو۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الأخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار وقنا عذاب الحشر وقنا عذاب یوم القیمۃ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ

اور ہم ان کو قریب کا (یعنی دُنیا میں آنے والا) عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھادیں گے، تاکہ یہ لوگ باز آویں۔ اور اس شخص سے زیادہ

أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾

کون ظالم ہوگا جس کو اُس کے رب کی آیتیں یاددلائی جاویں پھر وہ ان سے اعراض کرے، ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ اور البتہ ہم انہیں ضرور چکھائیں گے	مِنَ کچھ	الْعَذَابِ عذاب	الْأَدْنَىٰ نزدیک	دُونَ سوائے (پہلے)	الْعَذَابِ عذاب	الْأَكْبَرِ بڑا
لَعَلَّهُمْ شاید وہ	يَرْجِعُونَ لوٹ آئیں	وَمَنْ اور کون	أَظْلَمُ بڑا ظالم	مِمَّن اس سے جو	ذُكِّرَ اسے نصیحت کی گئی	بِآيَاتِ رَبِّهِ اسکے رب کی آیات سے
ثُمَّ پھر	أَعْرَضَ اس نے منہ پھیرلیا	عَنْهَا اس سے	إِنَّا بیشک ہم	مِنَ سے	الْمُجْرِمِينَ جمع	مُنتَقِمُونَ انتقام لینے والے

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں اہل ایمان کے مقابلہ میں منکرین وفساق کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ آخرت میں ان کے فسق وانکار کے نتیجہ میں ان کا ٹھکانا نارِ جہنم ہوگا۔ جہاں طرح طرح کے سخت عذاب ہوں گے اور کبھی دوزخ کا جوش اور جہنم کا شعلہ انہیں دروازہ کی طرف پھینکیں گے تو اس وقت شاید ان کے دل میں خیال آئے کہ دروازہ میں سے نکل بھاگیں تو جہنم کے دربان فرشتے انہیں دھکے دیکر پھر اندر پھینک دیں گے اور کہیں گے کہ باہر جانے کے کیا معنی جس آگ کے عذاب کو تم دنیا میں جھوٹا سمجھتے تھے اور اللہ کے رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو جھٹلاتے تھے اب اس عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

اب آگے ان آیات میں پہلے یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ منکرین وفساق اس خیال میں نہ رہیں کہ آخرت ہی میں عذاب آئے گا دنیا میں تو مزے سے گزرتی ہے۔ جیسا کہ اب بھی بعض بدکردار اور آزاد طبع کہہ دیا کرتے ہیں

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

تو یہاں بتلایا جاتا ہے کہ آخرت کے عذاب اکبر سے قبل دنیا میں بھی ذرا کم درجہ کا عذاب ہم ان کو دیتے رہیں گے اور دنیا میں کم درجہ کے عذاب یہی دنیا کے مصائب۔ بیماری۔ قحط۔ طوفان۔ زلزلہ۔ قتل وقید وغیرہ ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ جملہ ولنذیقنھم من العذاب الا دنیٰ دون العذاب الاکبر۔ (اس بڑے عذاب یعنی عذاب آخرت سے پہلے ہم اس دنیا میں بھی کسی نہ کسی چھوٹے عذاب کا مزا انہیں چکھاتے رہیں گے (اہل مکہ کے متعلق خاص لیا ہے کہ جن کی طرف آیت میں روئے سخن ہے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے موافق اہل مکہ پر عذاب ادنیٰ آیا اور سات برس تک وہ قحط پڑا کہ مردار اور کتوں کے کھانے کی نوبت آ گئی۔ یا جنگ بدر میں ان کو قتل وقید نصیب ہوا۔ مگر اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اگرچہ آیت میں روئے سخن اہل مکہ کی طرف ہے مگر یہ حکم عام ہے اور جملہ کفار وفساق کی طرف اشارہ ہے چنانچہ تاریخ بھی اس کی شاہد ہے کہ دنیا میں جس قوم نے اللہ اور رسول سے بغاوت۔ اور احکام الٰہیہ کی نافرمانی اور بدکاری اور شہوت پرستی اور فسق وفجور اختیار کیا وہ دنیا میں بھی تباہ و برباد ہوئے۔ ذلیل وخوار ہوئے سلطنتیں چھین لی گئیں۔ لوگوں کے ہاتھوں سے قتل وقید ہوئے۔ ان کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ تو اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں آیت میں ”عذاب اکبر“ سے مراد آخرت کا عذاب ہے کہ جو کفر وفسق کی پاداش میں دیا جائے گا۔ اور اس کے مقابلہ میں ”عذاب ادنیٰ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے مراد وہ سختیاں ومصائب وتکالیف ہیں جو اسی دنیا میں انسان کو بداعمالی اور بدکرداری کی وجہ سے پہنچتی ہیں مثلاً افراد کی زندگی میں سخت بیماریاں۔ المناک حادثہ۔ جانی مالی نقصانات و دیگر ناکامیاں وغیرہ اور اجتماعی زندگی میں طوفان۔

زلزلے۔سیلاب۔وبائیں۔قحط۔فسادات۔لڑائیاں اوراسی طرح کی دوسری بلائیں وآفات جو معاصی کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کواپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔تو ان کو یہاں آیت میں ''عذاب ادنیٰ'' یعنی قریب کا عذاب یا کم درجہ کا عذاب فرمایا گیا۔ آگےان آفات یعنی عذاب ادنیٰ کے نازل کرنے کی مصلحت بیان کی گئی ہےاوروہ مصلحت فرمائی **لعلهم یرجعون**. (تاکہ یہ لوگ باز آجائیں) گویا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ وہ انسان کی نافرمانیوں اوران کے کفروفسق پر یکا یک اور فیصلہ کن عذاب میں نہیں پکڑلیتا بلکہ پہلے دنیا میں چھوٹی چھوٹی تکالیف۔آفات و مصائب ونقصانات بھیجتارہتا ہے تاکہ انسان کوتنبیہ ہواوراس کی آنکھیں کھل جائیں اوراس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ اس کے اوپر کوئی بالاتر طاقت موجودنہیں ہے کہ جواس کا کچھ بگاڑسکتی ہو۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کررکھا ہے کہ وقتاً فوقتاً افراد پر بھی اور قوموں پر بھی اورملکوں پر بھی ایسےحوادث وآفات بھیجتارہتا ہے کہ جوانہیں اپنی بے بسی اور اپنے سے بالاتر ایک ہمہ گیر قوت کی فرمانروائی کا احساس دلاتی ہیں۔یہ آفات وحوادث ایک ایک شخص کو۔ایک ایک گروہ کواورایک ایک قوم کو یہ یاد دلاتی ہیں کہ تمہاری قسمتوں کوکوئی اورقوت بالا کنٹرول کررہی ہے۔سب کچھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دے دیا گیا ہے۔اصل طاقت اسی کارفرما اقتدار کے دست قدرت میں ہے۔ اسی کی طرف سے جب کوئی آفت تمہارےاوپرآجائےتو نہ تمہاری کوئی تدبیراسے دفع کرسکتی ہےاورنہ کوئی دیوی دیوتا۔اس لحاظ سے یہ آفات محض آفات نہیں بلکہ خدا کی تنبیہات ہیں۔ان سے سبق لے کردنیا ہی میں آدمی اپنا عقیدہ اور عمل ٹھیک کرلےاوراللہ اوراس کے رسول کی اطاعت اورفرمانبرداری اختیارکرلےتو آخرت میں خدا کا بڑاعذاب جس کوآیت میں عذاب اکبرفرمایا گیادیکھنے کی نوبت ہی کیوں آئے۔

یہاں ایک بات ضمناً یہ بھی عرض کردی جائے کہ اگرچہ بعض اوقات مصائب اورحوادث کے اسباب کچھ اوربھی ہوتے ہیں اور ان میں حق تعالیٰ کی حکمتیں اورراز کچھ اور پنہاں ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اوراللہ کے مقبولین اورمعصوم بچوں کوبھی ابتلا ہوتا ہے مگر اس جگہ ان آیات واحادیث کی شرح کرنا مقصودنہیں۔تذکرۃً رفع اشکال کے لئے یہ ذکر کردیا گیا کہ انبیاء اولیاء اللہ پر جوظاہری آفات یا مصائب آتے ہیں وہ ان کے امتحان اورامتحان کے ذریعہ رفع درجات کے لئے ہوتے ہیں۔

تو بیان یہ ہورہا تھا کہ آخرت کاعذاب تو فساق ومنکرین کے لئے بہت بڑاعذاب ہےاس سے پہلے دنیا ہی میں چھوٹے اور ہلکےعذاب دیئے جاتے ہیں اوراس لئے دیئے جاتے ہیں کہ شاید وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔توبہ کرکے صلاحیت کواختیارکریں۔ایمان اور عمل صالح والی زندگی اپنالیں۔اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کواختیار کرلیں اور بغاوت اورخودمختاری کوترک کردیں۔ مگر جواس پر بھی باز نہ آویں اورخدا کی طرف رجوع نہ کریں تو پھراس کے لئے عذاب اکبر ہی ہےاورایسےلوگوں پرعذاب اکبر ہونے سے کچھ تعجب نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے زیادہ بدبخت ظالم کون ہوگا جس کواللہ کی آیات سے سمجھایا جاتا ہےاس کواس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں اور پھروہ ان سے اعراض کرے اورمنہ موڑے تو پھرایسے مجرموں سے کیوں نہ بدلہ لیا جائے۔

یہاں **ومن اظلم ممن ذکر بایٰت ربه ثم اعرض عنها** یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے اور پھروہ ان سے منہ پھیرلےتو یہاں رب کی آیات کے الفاظ بہت جامع ہیں۔آیات کے لفظی معنی نشانیوں کے ہیں اوراس کے اندرتمام قسم کی نشانیاں آجاتی ہیں۔قرآن کریم کے مختلف مقامات پر غورکرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں چھ قسموں پر مشتمل ہیں۔

(ا) وہ نشانیاں جوزمین سے لے کرآسمان تک ہر چیز میں اورکائنات کے مجموعی نظام میں پائی جاتی ہیں۔

(۲) وہ نشانیاں جوانسان کی اپنی پیدائش اوراس کی ساخت اوراس کے وجود میں پائی جاتی ہیں۔

(۳) وہ نشانیاں جوانسان کی فطرت۔شعوراور وجدان میں پائی جاتی ہیں۔

(۴) وہ نشانیاں جوانسانی تاریخ کے مسلسل تجربات میں پائی جاتی ہیں۔

(۵) وہ نشانیاں جوانسان پر آفات ارضی وسماوی کے نزول میں پائی جاتی ہیں۔اوران سب کے بعد۔

(۶) وہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ سے بھیجیں تا کہ انسان کو معقول طریقہ سے ان حقائق سے آگاہ کیا جائے جن امور کی طرف یہ تمام مذکورہ نشانیاں دلالت کرتی ہیں۔

تو یہ ساری نشانیاں یعنی رب کی آیات انسان کو یہ بتارہی ہیں۔

(۱) تیرا خدا صرف ایک ہی خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔جس کی اطاعت وعبادت کے سوا تیرے لئے کوئی دوسرا صحیح راستہ نہیں ہے۔

(۲) اے انسان تو اس دنیا میں آزاد اور خود مختار اور غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ تجھے اپنے کارنامۂ حیات ختم کرنے کے بعد اپنے پیدا کرنے والے خالق اور رازق اور مالک کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کرنی ہے اوراپنے ایک ایک رتی اور رائی برابر عمل کے لحاظ سے جزاوسزا پانی ہے۔اب یہ ظاہر ہے کہ جس انسان کو اتنے مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہو۔جسکی فہمائش کے لئے لاتعداد طرح طرح کی نشانیاں فراہم کی گئی ہوں۔اور جنہیں دیکھنے کے لئے آنکھیں۔اور سننے کے لئے کان اور سوچنے سمجھنے کے لئے دل ودماغ جیسی نعمتیں بھی دی گئی ہوں پھر بھی وہ اگر ان ساری نشانیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور منہ موڑ لیتا ہے۔سمجھانے والوں کو تذکیر ونصیحت کے لئے بھی اپنے کان بند کر لیتا ہے تو اس سے بڑا ظالم کون ہوگا۔وہ پھر اسی کا مستحق ہے کہ دنیا میں اپنے امتحان کی مدت ختم کرنے کے بعد جب وہ اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو تو اپنی بغاوت کی بھرپور سزا پائے اور عذاب اکبر سے دوچار ہو۔اسی بنا پر حق تعالیٰ نے آیت کے اخیر میں بتلایا کہ ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔

اب یہاں ہم میں سے بھی ہر ایک کو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ خدانخواستہ ہم تو کسی درجہ میں اپنے رب کی آیات سے اعراض کے مجرم نہیں ہیں؟ اعراض کی بہت سی صورتیں ہیں۔ایک اعراض وہ ہے کہ جو کافر برتتا ہے۔ایک اعراض وہ ہے کہ جو مشرک برتتا ہے۔ایک اعراض وہ ہے کہ جو فاسق وفاجر برتتا ہے مگر ایک کلمہ گو کہ جس کو اپنے رب کی آیات سننے سنانے۔پڑھنے پڑھانے کے لئے کوئی دن رات کا وقفہ نصیب نہیں ہوتا وہ بھی ایک درجہ میں اعراض کا مجرم ہے۔ایک کلمہ گو جسے اپنی آخرت سنبھالنے اور سنوارنے کے لئے اپنے رب کی آیات کو سیکھنے اور سکھانے اوران کا علم حاصل کرنے اوران پر عمل کرنے کا وقت نہیں ملتا وہ بھی ایک درجہ میں اعراض کا مجرم ہے۔ایک کلمہ گو جو اپنی اولاد کو دنیا کی موہومہ بہتری اور عزت کے حصول کے لئے جان مال دولت وقت سب کچھ کھپانے کے لئے تیار ہے مگر اسی اولاد کو آخرت کی نجات اور صلاح وفلاح کے لئے اپنے رب کی آیات سے بے خبر۔غافل۔اور لاعلم رکھتا ہے وہ بھی ایک درجہ میں اعراض کا مجرم ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ وفہم عطا فرمائیں اور اپنی آیات کے اعراض سے کامل طور پر بچائیں۔

اب چونکہ کفار کے اعراض اور منکرین کی تکذیب ومخالفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً رنج وملال ہوتا تھا اس لئے آگے خاتمہ کی آیات میں آپ کے اور مومنین کی تسلی کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان ان شاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: مولائے کریم ہمیں اور ہماری نسلوں کو اپنی آیات کے اعراض کے جرم سے بچالیں۔اور ہم سے جو تقصیر و کوتاہی اس معاملہ میں اب تک ہوئی ہو اس کو اپنے کرم سے معاف فرمادیں۔اور آئندہ کے لئے دین کو سنبھالنے اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا عزم نصیب فرمادیں۔وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۲۳

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے، اور ہم نے اُس کو بنی اسرائیل کیلئے موجب ہدایت بنایا تھا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۲۴ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اور ہم نے ان میں بہت سے پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے جبکہ وہ لوگ صبر کئے رہے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے۔ آپ کا رب

يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۲۵ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا

قیامت کے روز ان سب کے آپس میں فیصلے ان اُمور میں کر دے گا جن میں یہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ کیا ان کو یہ امر موجب رہنمائی نہیں ہوا کہ ہم

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۲۶

ان سے پہلے کتنی اُمتیں ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں، اس میں صاف نشانیاں ہیں، کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ

کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اس کے ذریعے سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے مواشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں،

اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۲۷ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۲۸ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ

تو کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو فیصلہ کب ہوگا۔ آپ فرما دیجئے کہ اس فیصلہ کے دن کافروں کو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۲۹ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۳۰

ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ اور ان کو مہلت بھی نہ ملے گی۔ سو ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور آپ منتظر رہیے یہ بھی منتظر ہیں۔

وَ اور | لَقَدْ اٰتَيْنَا تحقیق ہم نے دی | مُوْسَى موسیٰ | الْكِتٰبَ کتاب (توریت) | فَلَا تَكُنْ تو تم نہ رہو | فِيْ مِرْيَةٍ شک میں | مِنْ سے۔ متعلق | لِقَآئِهٖ اس کا ملنا

وَجَعَلْنٰهُ اور ہم نے بنایا اسے | هُدًى ہدایت | لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل کیلئے | وَجَعَلْنَا اور ہم نے بنایا | مِنْهُمْ ان سے | اَئِمَّةً جمع امام (پیشوا)

يَهْدُوْنَ وہ رہنمائی کرتے | بِاَمْرِنَا ہمارے حکم سے | لَمَّا جب | صَبَرُوْا انہوں نے صبر کیا | وَ اور | كَانُوْا وہ تھے | بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتوں پر | يُوْقِنُوْنَ یقین کرتے

اِنَّ بیشک | رَبَّكَ تمہارا رب | هُوَ وہ | يَفْصِلُ فیصلہ کرے گا | بَيْنَهُمْ انکے درمیان | يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن | فِيْمَا اُس میں | كَانُوْا وہ تھے | فِيْهِ اس میں

يَخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے | اَوَ کیا | لَمْ يَهْدِ ہدایت نہ ہوئی | لَهُمْ ان کیلئے | كَمْ اَهْلَكْنَا ہم نے کتنی ہلاک کیں | مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل | مِنَ سے

الْقُرُوْنِ اُمتیں | يَمْشُوْنَ وہ چلتے ہیں | فِيْ میں | مَسٰكِنِهِمْ ان کے گھر | اِنَّ بیشک | فِيْ ذٰلِكَ اس میں | لَاٰيٰتٍ البتہ نشانیاں | اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ تو کیا وہ سنتے نہیں | اَوَ کیا

لَمْ يَرَوْا انہوں نے نہیں دیکھا | اَنَّا نَسُوْقُ کہ ہم چلاتے ہیں | الْمَآءَ پانی | اِلَى طرف | الْاَرْضِ زمین | الْجُرُزِ خشک | فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا پھر ہم نکالتے ہیں اس سے کھیتی

تَاْكُلُ کھاتے ہیں | مِنْهُ اس سے | اَنْعَامُهُمْ ان کے مویشی | وَاَنْفُسُهُمْ اور وہ خود | اَفَلَا تو کیا | يُبْصِرُوْنَ دیکھتے نہیں وہ | وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں

مَتٰی کب	هٰذَا یہ	الْفَتْحُ فتح (فیصلہ)	اِنْ اگر	كُنْتُمْ تم ہو	صٰدِقِيْنَ سچے	قُلْ فرمادیں	يَوْمَ الْفَتْحِ فتح (فیصلے) کے دن	لَا يَنْفَعُ نفع نہ دیگا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا جنہوں نے کفر کیا (کافر)	اِيْمَانُهُمْ ان کا ایمان	وَلَا اور نہ	هُمْ وہ	يُنْظَرُوْنَ مہلت دیئے جائیں گے	فَاَعْرِضْ پس منہ پھیرلو تم			
	عَنْهُمْ ان سے	وَانْتَظِرْ اور تم انتظار کرو	اِنَّهُمْ بیشک وہ	مُّنْتَظِرُوْنَ منتظر ہیں				

تفسیر وتشریح:۔ یہ اس سورۃ کا آخری رکوع اور خاتمہ کی آیات ہیں۔شروع سورۃ میں کفار ومنکرین کی تکذیب ومخالفت کا ذکر ہوا تھا کہ کفار مکہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر خدا کی طرف سے کوئی کتاب نہیں آئی بلکہ (نعوذ باللہ) انہوں نے خود اسے گھڑ لیا ہے اور دعویٰ یہ کر رہے ہیں کہ خدا نے اسے نازل کیا ہے۔اس کا جواب بھی ابتدائی آیات میں دیا گیا تھا۔چونکہ ان کفار ومنکرین کی تکذیب اور مخالفت اور اعراض عن الحق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج وملال ہوتا تھا اور مخالفت کے بعض آثار مثل ایذا وغیرہ مومنین کے لئے بھی موجب اذیت ہوتے تھے اس لئے خاتمہ پر آپ کے اور مومنین کے لئے تسلی کا مضمون بیان فرمایا گیا اور اسی سلسلہ میں کفار کے بعض مزید شبہات وسوالات کے جواب دے کر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔

گذشتہ آیات میں نافرمانوں اور ظالم مجرموں کے متعلق بتلایا گیا تھا کہ ان مجرمین سے بدلہ لیا جائے گا تو پھر یہ کیوں کر بچ سکتے ہیں۔اب ان آیات میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ ان منکرین کے ظلم اور اعراض سے دلگیر اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں پہلے بھی موسیٰ علیہ السلام کو آپ ہی کی طرح کتاب دی گئی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوئی اور اس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہو گزرے۔ آپ کو بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر آپ کی امت میں امام وسردار اٹھیں گے رہے منکرین ان کا فیصلہ حق تعالیٰ خود کردے گا۔تو اس میں ایک تسلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ہوئی کہ آپ صاحب کتاب اور صاحب خطاب ہیں پس جب آپ اللہ کے نزدیک ایسے مقبول ہیں تو اگر یہ منکرین احمق آپ کو قبول نہ کریں تو کوئی غم کی بات نہیں۔دوسری تسلی یہ ہوئی کہ جس طرح کتاب موسوی کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا اسی طرح آپ کی کتاب سے بہتوں کو ہدایت ہوگی آپ خوش رہئے۔آگے مومنین کی تسلی کا مضمون ہے کہ جیسے ہم نے ان بنی اسرائیل میں بہت سے دین کے پیشوا بنادیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور دنیا کے شدائد اور منکرین کے جور وستم پر صبر کرتے تھے اور ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے اسی طرح اہل اسلام اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں اور سختیوں پر صبر کر کے اپنے کام پر جمے رہیں تو ان کے ساتھ بھی خدا کا یہی معاملہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اُن کو ائمہ دین بنادیں گے۔چنانچہ الحمدللہ یہ ہوا اور خوب ہوا۔ یہ تو تسلی تھی اہل اسلام کو دنیا کے اعتبار سے اور ایک تسلی آخرت کے اعتبار سے دی گئی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اہل حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک اور عملی فیصلہ فرمادے گا یعنی مومنین کو جنت میں اور کفار کو دوزخ میں ڈال دے گا اور قیامت بھی کچھ دور نہیں اس سے بھی تسلی حاصل کرنی چاہئے۔

اس مضمون کو سن کر کفار دو شبہے کر سکتے تھے ایک یہ کہ ہم اسی کو نہیں مانتے کہ خدا کو ہمارا کفر ناپسند ہے۔دوسرے یہ کہ ہم قیامت ہی کو ناممکن سمجھتے ہیں اس لئے آگے ان دونوں شبہات کے دفع کے لئے دو مضمون بیان فرمائے اول یہ کہ ان کو جو کفر کے مبغوض اور مردود ہونے میں شبہ ہے تو کیا ان منکروں نے ان سے پہلے جو امتیں کفر وشرک ہی کے سبب ہلاک ہو چکی ہیں جیسے عاد وثمود وغیرہ تو ان

کی ہلاکت کی داستانیں انہوں نے نہیں سنیں۔ مقام تعجب ہے کہ آدمی ان تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے مگر وہ چیزیں دیکھنے اور سننے کے بعد بھی ان کو تنبیہ نہ ہوا اور نجات و فلاح کا راستہ نظر نہ آیا۔ دوسرا مضمون یہ کہ ان کو جو قیامت میں شبہ عدم امکان کا ہے تو کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ بارش یا نہروں اور دریاؤں کے ذریعہ سے خشک مردہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں اور پھر وہ اس پانی پہنچنے سے مردہ زمین زندہ یعنی سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ یہ دیکھ کر انہیں حق تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا قائل ہونا چاہئے تھا اور سمجھنا چاہئے تھا کہ اسی طرح مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دینا بھی اس کے لئے کچھ مشکل اور بعید امر نہیں۔ پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا اس پر منکرین کہتے کہ قیامت کہے جاتے ہو۔ اگر سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ دن کب آئے گا۔ مطلب یہ کہ صرف قیامت کی خالی دھمکیاں ہیں۔ قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا جاتا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ اے منکرین تم اس کا تقاضہ تو عبث کرتے ہو کہ وہ فیصلہ کا دن کب آئے گا۔ جب وہ دن آپہنچے گا تو پھر اس دن نہ تمہارا ایمان لانا کام دے گا۔ نہ سزا میں ڈھیل ہوگی۔ نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ۔ لہٰذا اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ ابھی موقع ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے کہنے پر یقین کرلو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کرلو اور اس استہزا اور تکذیب کو چھوڑ دو۔ جو گھڑی آنے والی ہے وہ یقیناً آکر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔ سورۃ کے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جو ایسے بے فکرے اور بے حس ہیں کہ باوجود انتہائی مجرم اور مستوجب سزا ہونے کے فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اڑاتے ہیں تو ان کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع ہے لہٰذا آپ فرض دعوت وتبلیغ ادا کرنے کے بعد ان کا خیال چھوڑیئے اور آپ فیصلہ موعود کے منتظر رہئے جیسے وہ اپنے زعم میں (معاذ اللہ: معاذ اللہ) آپ کی تباہی کے منتظر ہیں مگر معلوم ہو جاوے گا کہ کس کا انتظار مطابق واقعہ کے ہے اور کس کا نہیں۔ چنانچہ الحمدللہ دنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح سرزمین عرب کفار کے وجود سے پاک کر دی گئی اور ان شاء اللہ قیامت تک پاک رہے گی۔ الحمدللہ اس درس پر سورۂ سجدہ کا بیان پورا ہو گیا اس کے بعد انشاء اللہ اگلی سورۃ کا بیان شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو یہ کتاب قرآن کریم اور نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے ہیں۔ تو ان نعمت عظمیٰ کی ہم کو قدردانی اور شکر گزاری کی توفیق بھی عطا فرمائیں۔ اور ایمان و اسلام پر ہم کو استقامت عطا فرمائیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ اور آخرت کا ہم کو یقین کامل نصیب فرمائیں اور ہمہ وقت وہاں کی تیاری کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیئے اور کافروں کا اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے بیشک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۲ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ

اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلئے، بیشک تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے۔ اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے،

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۳

اور اللہ کافی کارساز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبی!	اتَّقِ اللّٰهَ آپ اللہ سے ڈرتے رہیں	وَلَا تُطِعِ اور کہنا نہ مانیں	الْكٰفِرِيْنَ کافروں	وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور منافقوں	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ
كَانَ ہے	عَلِيْمًا جاننے والا	حَكِيْمًا حکمت والا	وَّاتَّبِعْ اور پیروی کریں آپ	مَا يُوْحٰى جو وحی کیا جاتا ہے	اِلَيْكَ آپ کی طرف
مِنْ رَّبِّكَ آپ کے رب (کی طرف) سے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	كَانَ ہے	بِمَا اس سے جو	تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	خَبِيْرًا خبردار
	وَتَوَكَّلْ اور بھروسہ رکھیں آپ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	وَكَفٰى اور کافی ہے	بِاللّٰهِ اللہ	وَكِيْلًا کارساز

تفسیر و تشریح:۔ الحمدللہ اب اکیسویں پارہ کی ''سورۂ احزاب'' کا بیان شروع ہورہا ہے۔ اس وقت جو ابتدائی آیات تلاوت کی گئی ہیں ان کی تشریح سے پہلے سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام نزول۔ خلاصہ مضامین۔ تعداد آیات ورکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سورۃ میں غزوۂ احزاب جو ہجرت کے بعد ۵ ھ میں پیش آیا اس کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے اس سورۃ کا نام احزاب مقرر ہوا۔ احزاب کے لفظی معنی ہیں گروہ۔ جماعتیں۔ ٹولیاں۔ اسلام کی مخالفت میں متعدد جماعتوں نے متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر چڑھائی کی تھی اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ احزاب کہتے ہیں۔ اور اس غزوہ کے موقع پر حفاظت کے خیال سے مدینہ کے ان اطراف میں خندق کھودی گئی تھی جدھر سے دشمنوں کے آنے کا راستہ تھا۔ اسی بنا پر اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ اس سورۃ میں تین اہم واقعات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک غزوۂ احزاب جو شوال ۵ ھ میں پیش آیا۔ دوسرے غزوۂ بنی قریظہ جو ذی القعدہ ۵ ھ میں پیش آیا اور تیسرے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح جو مدینہ منورہ میں اسی ماہ ذی القعدہ ۵ ھ میں ہوا۔ اس لئے یہی اس سورۃ کا زمانہ نزول ہے۔ اور یہ سورۃ مدنی ہے۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن پاک کی تینتیسویں سورۃ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۱۰۳ لکھا ہے۔ یعنی صرف ۱۱ سورتیں مزید مدینہ منورہ میں اس کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۷۳ آیات۔ ۹ رکوعات۔ ۱۳۱۰ کلمات اور ۵۹۰۹ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بتلایا گیا اس سورۃ کے مضامین تین اہم واقعات سے متعلق ہیں۔ ایک غزوۂ احزاب جو شوال ۵ ھ میں پیش آیا۔ غزوۂ اس جنگ یا مہم کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت فرما کر قیادت فرمائی۔ اور ایسی جنگ یا

فوجی مہم جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہ ہوتے تھے اس کو سریہ کہتے ہیں۔ اس غزوۂ احزاب یا جنگ خندق کی تفصیلات انشاء اللہ دوسرے رکوع میں سامنے آئیں گی۔ اس کے بعد غزوۂ بنی قریظہ کے متعلق جو یہود مدینہ کے ساتھ جنگ احزاب کے فوراً بعد ہی پیش آیا اس پر تبصرہ فرمایا گیا ہے جس کی تفصیلات انشاء اللہ تیسرے رکوع میں بیان ہوں گی۔ اس سورۃ کے زمانہ نزول کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو تنگی اور عسرت کا سامنا پیش تھا اور سب نہایت تنگی سے زندگی بسر کرتی تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے کہا گیا کہ دنیا اور اس کی زینت اور خدا و رسول اور آخرت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں اگر دنیا کی عیش و بہار مطلوب ہے تو صاف کہہ دیں۔ اور اگر اللہ اور رسول کی خوشنودی پسند ہے تو صبر کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا ساتھ دیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس فرمان پر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے فوراً خدا اور رسول اور آخرت کو منتخب کرلیا۔ اسی سلسلہ میں ایک معاشرتی اصلاح کی ابتدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے ابتدا فرماتے ہوئے ازواج مطہرات اور ان کے توسط سے مسلمان عورتیں کو جاہلیت کی بے پردگی سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا اور وقار کے ساتھ گھر میں بیٹھنے اور غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں سخت احتیاط کی تعلیم دی گئی۔ گویا یہ پردے کے حکم کا آغاز تھا۔ اس کے بعد حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے سلسلہ میں جو ذی قعدہ ۵ ھ میں ہوا مخالفین کی طرف سے اس پر اعتراضات و شبہات کئے گئے جس پر تمام اعتراضات کے جواب دیئے گئے اور مسئلہ تبنیت یعنی گود لینے یا بیٹا بنانے کی رسم کی اصلاح فرمائی گئی۔ عرب کے لوگ جس بچہ کو متبنیٰ بنا لیتے تھے جس طرح کے ہنود گود لے لیتے ہیں وہ بالکل ان کی حقیقی اولاد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اسے وراثت ملتی تھی۔

اس سے منہ بولی ماں اور منہ بولی بہنیں بالکل وہی خلا ملا رکھتی تھیں جو حقیقی بیٹے اور بھائی سے رکھا جاتا ہے جب منہ بولا بیٹا مرجائے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو منہ بولے باپ کے لئے وہ عورت سگی بہو کی طرح سمجھی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ یہ جاہلیت کی رسم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس توڑیں تا کہ جو کام خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو اور اللہ کے حکم سے کیا ہو پھر اس کے متعلق کسی مسلمان کے ذہن میں کراہت کا تصور باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ کیا گیا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطلقہ بیوی سے خود نکاح کرلیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل آپ نے محاصرہ بنی قریظہ کے زمانہ میں فرمائی جس پر منافقین اور یہود نے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈالنے کی کوشش کی جس پر مسلمانوں کو بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام کیا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و منافقین کے جھوٹے پروپیگنڈے پر صبر کی تلقین فرمائی گئی۔ انہی واقعات کے سلسلہ میں طلاق کے قانون کی ایک دفعہ بیان ہوئی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ضابطہ بیان کیا گیا اور اس میں یہ بات واضح کردی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان متعدد پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں جو ازدواجی زندگی کے معاملہ میں عام مسلمانوں پر عائد کی گئی ہیں۔ اسی سلسلہ میں بعض احکام معاشرتی اصلاح کے لئے نازل فرمائے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں غیر مردوں کی آمد و رفت پر پابندی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات و دعوت وغیرہ کا ضابطہ بتلایا گیا۔ نیز بتلایا گیا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن عزت و حرمت میں مسلمانوں کے لئے بمنزلہ ماں کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ان میں سے کسی کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نکاح پر جو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

8 کے ساتھ ہوا تھا چہ میگوئیوں پر سخت تنبیہ کی گئی اور اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ وہ دشمنوں کی اس عیب چینی سے اپنے دامن بچائیں اور اپنے نبی مکرم پر درود بھیجیں۔ نیز یہ تلقین بھی کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو درکنار اہل ایمان کو تو عام مسلمانوں پر بھی تہمتیں لگانے اور الزامات لگانے سے کلی اجتناب کرنا چاہئے ساتھ ہی مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ جب گھروں سے باہر نکلیں تو چادروں سے اپنے آپ کو ڈھانک کر اور گھونگھٹ ڈال کر نکلیں۔ اخیر میں بیش بہا نصیحتیں ایمان والوں کو دی جاتی ہیں کہ ایمان لانے کے بعد تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ کے غضب سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اس سے ڈر کر اپنے آپ کو بری باتوں سے دور رکھو اور منہ سے جو بات نکالو وہ سچی۔ سیدھی اور راست ہونی چاہئے پھر ایسے لوگوں کو آخرت کی کامیابی کی بشارت دی گئی خاتمہ پر تمام انسانوں کو یاد دلایا گیا کہ تمام مخلوقات میں یہ انسان ہی ہے کہ جس نے امانت الٰہی کا بار اٹھانا اپنے ذمہ لیا ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی کروں گا ورنہ سزا بھگتوں گا۔ یہ عہد و پیمان ایک امانت ہے۔ جس کی حفاظت اور نگہبانی ہر انسان کے ذمہ واجب ہے۔ اس سے غفلت۔ انکار۔ بے پروائی کرنے والے سزا کے مستحق ہیں۔ یہ ہے اس پوری سورۃ کا اجمال اور خلاصہ جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں بیان ہوں گی۔

اب اس تمہیدی بیان کے بعد ان آیات کی تشریح ملاحظہ ہو۔ سورۃ کی ابتدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب سے ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کمال عزت ہے کہ قرآن مجید میں کسی جگہ آپ کا نام لے کر نہیں پکارا گیا بلکہ کہیں خطاب بلقب نبی ہوا کہیں بلقب رسول۔ کہیں یا مزمل فرمایا۔ کہیں یا مدثر فرمایا۔ تو ان ابتدائی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چند ہدایات ربانی دی جا رہی ہیں اور فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اب تک آپ کا معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کہا کبھی نہ مانئے۔ یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا بنالیں۔ سازشیں کریں۔ جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں۔ عیارانہ مشورہ دیں اپنی طرف جھکانا چاہیں۔ آپ بالکل پروانہ کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ اسی اکیلے پروردگار کی بات مانئے۔ اسی کے آگے جھکئے۔ خواہ ساری مخلوق اکٹھا ہو کر آ جائے حکم خداوندی کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ سب احوال کا جاننے والا ہے وہ جس وقت جو حکم دے گا۔ نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا۔ اسی میں اصل بہتری ہوگی جب اس کے حکم پر چلتے رہوگے اور اسی پر بھروسہ رکھوگے۔ تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنادے گا تنہا اسی کی ذات عالی بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔

یہاں ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر چار باتوں کا حکم دیا گیا (۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا۔ (۲) کافروں اور منافقوں کے کہنا نہ ماننے کا۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم بذریعہ وحی بھیجا جائے اس کے اتباع کا اور (۴) اللہ پر بھروسہ و توکل رکھنے کا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور پر ان ہی باتوں کی طرف مائل تھے اور ان سب امر و نہی پر آپ پہلے ہی سے عامل تھے تو مفسرین نے لکھا ہے کہ اس خطاب سے زیادہ مقصود آپ کے ذریعہ سے آپ کے ماننے والوں کو ہدایت دینا ہے کہ فقط اللہ ہی کی رضامندی تلاش کرو اور اسی کی ناراضی سے ڈرو۔ کافروں اور منافقوں کی باتیں ماننے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ وہ جہالت میں مبتلا ہیں ان کی باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں۔ اللہ عزوجل سب چیزوں کے حالات اور ان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے اس لئے وہ جو حکم دے گا وہ حقیقت پر مبنی ہوگا اور پھر جب پورا علم۔ مصلحت شناسی اور ہر چیز پر پوری قدرت اللہ ہی کو حاصل ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف دیکھنا بیکار و لاحاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ

تمہارے ہر کام مکمل کر دینے کے لئے بالکل کافی ہے۔

مفسر علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ تنبیہ کی ایک مؤثر صورت یہ بھی ہے کہ بڑے کو کہا جائے تا کہ چھوٹا چوکنا ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات تاکید سے کہے تو ظاہر ہے کہ اوروں پر وہ تاکید اور بھی زیادہ ہے۔ یہاں پہلی تقویٰ کی تاکید فرمائی۔ تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ہدایات کے موافق ثواب کے طلب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت کی جائے اور فرمان باری تعالیٰ کے مطابق اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے اس کی نافرمانیاں ترک کی جائیں۔ دوسری تاکید یہ فرمائی کہ کافروں اور منافقوں کی باتیں نہ ماننا۔ نہ ان کے مشوروں پر کاربند ہونا۔ نہ ان کی باتیں قبولیت کے ارادہ سے سننا۔ تیسری تاکید اتباع وحی کی فرمائی یعنی قرآن وسنت کی پیروی کی۔ اور چوتھی تاکید تمام امور واحوال میں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر بھروسہ رکھنے کی فرمائی۔ ان چار تاکیدات کے بعد ان کے عاملین کے لئے **وکفی باللہ وکیلا** کی بشارت اور وعدہ فرمایا گیا۔

اب یہاں ذرا ہمیں بھی اپنی حالت پر انفراداً اور اجتماعاً غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم ان تاکیدات ربانی اور ان تنبیہات قرآنی پر کس درجہ عامل ہیں۔ پہلی تاکید اللہ سے ڈرنے کی لیجئے۔ دیکھ لیجئے کہ آج دین کے معاملہ میں کتنا خوف خداوندی ہے۔ کتنے فی صدی نمازی ہیں؟ کتنے فی صدی روزہ رکھتے ہیں؟ کتنے فی صدی شریعت کے دوسرے احکام کی پابندی کرتے ہیں؟ دوسری تاکید کافروں منافقوں کے کہنا نہ ماننے کی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ آج ہماری اکثریت بے دینوں مغربی دھریوں۔ یورپ کے یہود ونصاریٰ کی تقلید کو فخر سمجھتی ہے چہ جائیکہ ان کا کہنا نہ سننا باتیں نہ ماننا اور ان کے مشوروں پر کاربند نہ ہونا۔ تیسری تاکید اتباع وحی یعنی قرآن وسنت کی پابندی کو دیکھ لیجئے۔ آج ہر بددینی ترقی کا راستہ ہے۔ ہر معصیت قابل فخر ہے اور ہر کفریات بکنے والا روشن خیال ہے۔ اور قرآن وسنت سے کوئی نکیر کر دے تو وہ کٹھ ملا ہے۔ ضروریات زمانہ سے بے خبر۔ ترقی کا دشمن اور حالات دنیا سے جاہل ہے۔ چوتھی تاکید تمام امور واحوال میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد وبھروسہ رکھنا ہے۔ بس اس کے متعلق تو کیا عرض کیا جائے سوائے اکبر الٰہ آبادی کے اس شعر کے پڑھ دینے کے۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اللہ تعالیٰ ہی اپنے کرم ورحم سے امت مسلمہ کے اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرما دیں۔ آمین۔

اب آگے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا ان کے متعلق ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ! ہمیں اپنا وہ خوف وڈر عطا فرمائیے کہ جو ہم کو آپ کی اطاعت پر آمادہ رکھے اور آپ کی نافرمانی سے بچائے رکھے۔

یا اللہ! ہمیں بے دینوں کی تقلید سے محفوظ رکھئے اور قرآن وسنت کا دلدادہ اور عاشق بنا کر زندہ رکھئے۔

یا اللہ! ہمیں اپنے تمام معاملات میں اپنی ذات پاک پر بھروسہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائیے اور اپنی رحمت سے ہمارے تمام دین ودنیا کے معاملات میں ہماری وکالت وکفالت فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں نہیں بنادیا

اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ

اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا نہیں بنادیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی

يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝٤ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ

سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔ تم اُن کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے، اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے

فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ

بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہوجاوے تو اس سے تو تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا، لیکن ہاں

قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٥

جو دل سے ارادہ کر کے کرو، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

مَا جَعَلَ نہیں بنائے	اللّٰهُ اللہ	لِرَجُلٍ کسی آدمی کیلئے	مِّنْ قَلْبَيْنِ دو دل	فِيْ جَوْفِهٖ اس کے سینے میں	وَمَا جَعَلَ اور نہیں بنایا	اَزْوَاجَكُمُ تمہاری بیویاں		
الّٰٓـِٔيْ وہ جنہیں	تُظٰهِرُوْنَ تم ماں کہہ بیٹھتے ہو	مِنْهُنَّ ان سے انہیں	اُمَّهٰتِكُمْ تمہاری مائیں	وَمَا جَعَلَ اور نہیں بنایا	اَدْعِيَآءَكُمْ تمہارے منہ بولے بیٹا			
اَبْنَآءَكُمْ تمہارے بیٹے	ذٰلِكُمْ یہ تم	قَوْلُكُمْ تمہارا کہنا	بِاَفْوَاهِكُمْ اپنے منہ	وَاللّٰهُ اور اللہ	يَقُوْلُ فرماتا ہے	الْحَقَّ حق	وَهُوَ اور وہ	
يَهْدِي ہدایت دیتا ہے	السَّبِيْلَ راستہ	اُدْعُوْهُمْ انہیں پکارو	لِاٰبَآىِٕهِمْ انکے باپوں کی طرف	هُوَ یہ	اَقْسَطُ زیادہ انصاف	عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک		
فَاِنْ پھر اگر	لَّمْ تَعْلَمُوْٓا تم نہ جانتے ہو	اٰبَآءَهُمْ ان کے باپوں کو	فَاِخْوَانُكُمْ تو وہ تمہارے بھائی	فِي الدِّيْنِ دین میں دینی	وَمَوَالِيْكُمْ اور تمہارے رفیق			
وَلَيْسَ اور نہیں	عَلَيْكُمْ تم پر	جُنَاحٌ کوئی گناہ گار	فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ اس میں جو تم سے بھول چوک ہوچکی	بِهٖ اس سے	وَلٰكِنْ اور لیکن			
مَّا تَعَمَّدَتْ جو ارادے سے	قُلُوْبُكُمْ اپنے دل	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	غَفُوْرًا بخشنے والا	رَّحِيْمًا مہربان			

تفسیر وتشریح:۔ ان آیات میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس لئے ان آیات کی تشریح سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ آگے قریب نصف سورۃ پر پھر دوبارہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مزید تفصیل انشاء اللہ وہاں ذکر کی جائے گی۔ حضرت زید عربی الاصل قبیلۂ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شرحبیل کے بیٹے تھے ان کی والدہ سعدی بن ثعلبہ قبیلے طے کی شاخ بنی معن سے تھیں۔ جب زید آٹھ سال کے بچے تھے اس وقت ان کی ماں انہیں میکہ لے کر گئیں۔ وہاں ایک دوسرے قبیلہ کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا اور لوٹ مار کے ساتھ جن آدمیوں کو وہ پکڑ کر لے گئے ان میں یہ حضرت زید بھی تھے پھر ان حملوں آوروں نے انہیں طائف کے قریب عکاظ کے میلہ میں ان کو لے جا کر بیچ دیا خریدنے والے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام

تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو ایک ہوشیار غلام خرید کرنے کو کہا تھا۔ انہوں نے ان کو خرید کر مکہ لا کر اپنی پھوپھی صاحبہ کے حوالہ کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں زید کو دیکھا اور ان کی عادات واطوار آپ کو اس قدر پسند آئیں کہ آپ نے انہیں حضرت خدیجہ سے مانگ لیا۔ اس طرح یہ خوش قسمت لڑکا اس خیر الخلائق ہستی کی خدمت میں پہنچ گیا جسے چند سال بعد اللہ تعالیٰ نبوت سے سرفراز فرمانے والے تھے۔ اس لئے یہ سب واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا ہے۔ اس وقت زید کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ کچھ مدت بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ زید مکہ میں ہے وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ لینا چاہیں وہ ہم دینے کے لئے تیار ہیں آپ ہمارا بچہ ہم کو دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور معاملہ اس کی مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرتا ہے یا میرے پاس رہنا پسند کرتا ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں کوئی فدیہ تم سے نہیں لوں گا اور اسے یونہی چھوڑ دوں گا لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا نہیں ہوں کہ جو میرے پاس رہنا چاہے میں اسے خواہ مخواہ نکال دوں۔ انہوں نے کہا یہ تو آپ نے انصاف سے بھی بڑھ کر بات کہی ہے۔ آپ بچے کو بلا کر پوچھ لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بلایا اور ان سے کہا کہ ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یہ میرے والد اور یہ میرے چچا ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔ اب تمہیں پوری آزادی ہے کہ چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ رہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ ان کے باپ اور چچا نے کہا کہ زید کیا تو آزادی کو غلامی پر ترجیح دیتا ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے جو اوصاف ان کے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھے ہیں۔ ان کا تجربہ کر لینے کے بعد اب میں دنیا میں کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ غور کیجئے یہ نبوت سے پہلے کے واقعات ہیں۔ زید کا یہ جواب سن کر ان کے باپ اور چچا بخوشی راضی ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت زید کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں اعلان فرمادیا کہ تم سب لوگ گواہ رہو آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ اسی بنا پر لوگ ان کو زید بن محمد کہنے لگے۔ یہ سب واقعات نبوت سے پہلے کے ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت پر سرفراز ہوئے تو چار ہستیاں ایسی تھیں جنھوں نے ایک لمحہ شک وتردد کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت کا دعویٰ سنتے ہی اسے تسلیم کر لیا۔ ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تیسرے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چوتھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یعنی بڑوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ایمان لائے۔ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔ آزاد غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید ایمان لائے اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی ایمان لائے۔ اس وقت حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۳۰ سال تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہوئے ۱۵ سال گزر چکے تھے۔ مکہ معظمہ سے ہجرت کے بعد ۴ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دیا اور اپنی طرف سے ان کا مہر ادا کیا اور گھر بسانے کے لئے ان کو کچھ سامان بھی عطا فرمایا اس نکاح سے آپ کا یہ بھی مقصود تھا کہ غلام آزاد مذہب اسلام میں حقیر نہ سمجھے جائیں اور ان کی عزت بھی احرار کی طرح کی جائے یعنی آزاد اور غلام میں جو اہل عرب امتیاز کرتے ہیں وہ مسلمانوں میں نہ ہو۔ مگر

اتفاق امر کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں موافقت پیدا نہ ہوئی۔ آخر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر پر مجبور ہوئے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد ہوا کیونکہ آپ یہی چاہتے تھے کہ زینب زید ہی کی زوجیت میں رہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی فکر ہوا کہ ان میاں بیوی میں علیحدگی واقع ہوئی تو زینب کے بارہ میں بڑی مشکل آئے گی کہ زید کی زوجیت میں رہ چکنے کے سبب لوگ زینب کے اعزاز و احترام میں کمی کریں گے اور یہ بات بھی آپ کو منظور نہ ہو سکتی تھی۔ جب آپ حضرت زید کی توقیر کرتے اور لوگوں سے کرانی چاہتے تھے تو حضرت زینب کی تحقیر کیونکر گوارا فرما سکتے تھے۔ مگر آخرالامر حضرت زید اور حضرت زینب کا تعلق منقطع ہو کر رہا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کو تین اصلاحیں مدنظر ہوئیں ایک یہ کہ اسلام میں متبنیٰ یعنی منہ بولے بیٹے جس کو لے پالک یا گود لیا ہوا بیٹا بھی کہتے ہیں اس کا وہ درجہ اور حق نہ سمجھا جائے جو حقیقی اور صلبی اولاد کا ہوتا ہے اور دونوں قسم کے تعلقات میں جو فرق ہے وہ ظاہر کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ منہ بولے بیٹوں کی بیویاں صلبی اولاد کی بیویوں کی طرح حرام نہ سمجھی جائے۔ تیسرے یہ کہ آزاد غلاموں کی مطلقہ عورتوں کی حیثیت جن کو شریف اہل عرب اپنی زوجیت میں لینے سے دریغ کرتے تھے ان کی وہی حیثیت قرار دی جائے جو احرار کی مطلقہ عورتوں کی ہے یعنی ان سے بے پس و پیش نکاح کر لیا جائے اور یہ تینوں اصلاحیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے شروع کرانا حق تعالیٰ کو مقصود ہوئیں۔ حق تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بعد عدت نکاح کر لیا۔ غرض جب آپ نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا تو مخالفین نے طعن کیا کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا تو اس طعن کی بنا پر ایک جواب اجمالاً ان آیات میں دینا مقصود ہے اور تفصیلاً یہ مضمون اسی سورۃ میں آگے پانچویں رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی تقویت جواب کے لئے جاہلیت کی دو اور نظیریں ان آیات میں بیان فرما کر ان کی تردید کر دی گئی۔ جاہلیت میں عرب میں تینوں باتیں غلط مشہور تھیں کہ ذہین اور عقیل آدمی کے دو دل سمجھا کرتے تھے اور بیوی سے لڑتے ہوئے کبھی کوئی عرب یہ کہہ بیٹھتا کہ تیری پشت میرے لئے ماں کی پشت کی طرح ہے تو اس بات کے منہ سے نکل جانے سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اب یہ عورت اس پر حرام ہو گئی۔ کیونکہ وہ اسے ماں سے تشبیہ دے چکا ہے گویا ان الفاظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی۔ ایسے ہی کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیا جاتا تو وہ سچ مچ کا حقیقی بیٹا جیسا سمجھا جاتا اور سب احکام اس پر حقیقی بیٹے جیسے جاری ہوتے تھے۔ تو یہاں خاص مقصود اسی تیسری غلطی کا رفع کرنا ہے مگر تقویت کے لئے دو غلطیاں اور رفع کر دی گئیں۔ چنانچہ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ متبنیٰ کو حقیقی بیٹا سمجھنا اور اس بنا پر اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے پر طعن کرنا ایسا ہی غلط مشہور ہو گیا ہے جیسا زوجہ کو زبان سے ماں قرار دینا اور اس بنا پر اس کو نکاح سے خارج سمجھنا یا کسی شخص کو عقلمندی اور ہوشیاری کے سبب یہ سمجھنا کہ اس کے دو قلب ہیں۔ قرآن کریم نے اس لفظی اور مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی تعلق سے جدا کرنے کے لئے ان رسوم اور مفروضات کی بڑی شدومد سے تردید فرمائی اور بتلایا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے اگر واقعی وہ ماں بن جاتی ہے تو کیا یہ دو ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ ایک وہ کہ جس نے اول جنا تھا اور دوسری یہ کہ جس کو ماں کہہ کر پکارتا ہے اسی طرح کسی نے زید کو بیٹا بنا لیا تو ایک باپ تو اس کا پہلے سے موجود تھا جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے کیا واقعی اب یہ ماننا چاہئے کہ یہ دو باپوں سے الگ الگ پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں تو حقیقی اولاد کے احکام ان پر جاری نہیں کئے جا سکتے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ٹھیک اور منصفانہ بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے۔ کسی نے منہ بولا بیٹا بنا لیا تو وہ واقعی باپ

نہیں بن گیا۔ یوں شفقت ومحبت سے کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکارلے وہ دوسری بات ہے غرض یہ نسبی تعلقات اوران کے احکام میں خلط ملط اور اشتباہ واقع نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں سب سے پہلے جو اصلاح نافذ کی گئی وہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی بجائے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا گیا۔ مزید براں ان آیات کے نزول کے بعد یہ بات حرام قرار دے دی گئی کہ کوئی شخص اپنے حقیقی باپ کے سوا اور کی طرف اپنا نسب منسوب کرے۔ بخاری ومسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا درآنحالیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ کسی مسلمان کا باپ کون ہے تو بہرحال وہ تمہارا دینی بھائی اور رفیق ہے اسی لقب سے یاد کیا کرو۔ اور اگر اس میں تم کو بھول چوک ہو جائے یعنی نادانستہ اگر غلط کہہ دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں وہ معاف ہے۔ بھول چوک کا گناہ نہیں۔ ہاں جو دل سے ارادہ کر کے کہے تو گناہ ہوگا اور اس سے بھی اگر استغفار کر لیا جائے تو پھر معاف ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

ان آیات کے تحت نسب کے متعلق ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اب اس وقت جہاں اور دوسری بے اعتدالیاں پیدا ہو رہی ہیں اور ہوگئی ہیں ان میں ایک بے اعتدالی یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اپنا نسب آبائی چھوڑ کر اپنے آپ کو دوسرے انساب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کوئی سید بننے کے درپے ہے تو کوئی اپنے آپ کو انصاری ثابت کرتا ہے۔ کوئی اس فکر میں ہے کہ اپنے کو صدیقی۔ فاروقی۔ عثمانی۔ علوی ظاہر کرے کوئی اس کے درپے ہے کہ اپنے کو قریش میں داخل کر کے قریشی کہلائے۔ اور منشا اس کا تکبر اور غرور ہے جو فی نفسہٖ بھی گناہ کبیرہ ہے اور نسب بدلنا یہ مستقل دوسرا کبیرہ گناہ ہے۔ احادیث صحیحہ صریحہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں تفاخر بالانساب کا سب سے زیادہ چرچا جاہلیت میں تھا جس کو اسلام نے آ کر مٹایا۔ لیکن قرون مابعد میں مسلمانوں میں یہ بلا پھر پیدا ہوگئی۔ اس میں شک نہیں کہ شرافت نسب فضائل غیر اختیاریہ میں سے ہے اور جس کو یہ حاصل ہو نعمت الٰہیہ سمجھے اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور جس کو حاصل نہ ہو وہ اس کے پیچھے نہ پڑے اس لئے کہ نسب بدلنا گناہ کبیرہ ہے اور اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ انسان کے گناہ کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ کسی نسبت سے تبریٰ کرے اگرچہ وہ نسب ادنیٰ ہی ہو اور ایسے نسب کا دعویٰ کرے جس میں اس کا ہونا معروف نہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص کسی ایسے نسب کا دعویٰ کرے جو اس کے لئے معروف نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا یعنی نافرمانی کی۔ تو جن کو اپنے آبائی نسب سے صدیقی۔ فاروقی۔ عثمانی۔ انصاری۔ قریشی وغیرہ ہونا ثابت ہو وہ اظہار نعمت کے لئے نہ کہ فیشن اور فخر وغرور کے لئے اگر اس کو ظاہر کریں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ شرافت نسب کی نعمت عطا فرمائے اس کو یہ نسبت دوسروں کے اور بھی زیادہ اصلاحِ اعمال واخلاق کی طرف توجہ کرنی چاہئے کیونکہ اول تو اس نعمت کا اقتضا اور شکریہ یہی ہے۔ دوسرے بزرگوں کی نسبت جتنی زیادہ ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں کہ کم از کم اس نسبت کی لاج رکھنے کے لئے اپنے آبائی بزرگوں کے خلاف نہ چلے۔

الغرض ان آیات کے نزول پر حضرت زید کو اب تک جو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہے جاتے تھے اب ان کو ہدایت ربانی کے ماتحت زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ اس سے ایک وہم کسی کو یہ ہو سکتا تھا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ تو اس وہم کو اگلی آیات میں دور کیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ

نبیؐ مومنین کے ساتھ خود اُن کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں اُن کی مائیں ہیں اور رشتہ دار کتاب اللہ میں

اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ

ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو

مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے۔

اَلنَّبِيُّ نبی	اَوْلٰى زیادہ (حقدار)	بِالْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں کیساتھ	مِنْ سے	اَنْفُسِهِمْ ان کی جانیں	وَاَزْوَاجُهٗ اوراس کی بیبیاں	اُمَّهٰتُهُمْ اُن کی مائیں
وَ اور	اُولُوا الْاَرْحَامِ قرابت دار	بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض	اَوْلٰى نزدیک تر	بِبَعْضٍ بعض (دوسروں) سے	فِيْ میں	كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ کی کتاب
مِنَ سے	الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں	وَالْمُهٰجِرِيْنَ اور مہاجروں	اِلَّآ اَنْ مگر یہ کہ	تَفْعَلُوْٓا تم کرو	اِلٰٓى طرف (ساتھ)	اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ اپنے دوست
	مَعْرُوْفًا حسن سلوک	كَانَ ہے	ذٰلِكَ یہ	فِي الْكِتٰبِ کتاب میں	مَسْطُوْرًا لکھاہوا	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں جاہلیت کے زمانہ کی بعض رسوم کی تردید فرمائی گئی تھی اور اس سلسلہ میں بتلایا گیا تھا کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے اگر کسی نے کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا۔ اسی حکم کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کے بجائے ان کے حقیقی باپ کی نسبت سے زید بن حارثہ کہنا شروع کردیا گیا تھا۔ تو اس سے بظاہر کسی کو یہ وہم گزرسکتا تھا کہ اب حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے نبی اور امتی کے تعلق کو واضح کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں سے اور مسلمانوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلق ہے وہ تو تمام دوسرے انسانی تعلقات سے بالاتر نوعیت رکھتا ہے۔ کوئی رشتہ اس رشتہ سے اور کوئی تعلق اس تعلق سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے درمیان ہے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ دنیا میں بظاہر سب سے بڑا تعلق انسان کا ماں باپ سے ہے۔ ماں باپ ہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی۔ تو باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسمانی وجود سے نکلا ہے اور باپ کی طبعی تربیت وشفقت اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفقت ورحمت کا ہے۔ یقیناً امتی کا ایمانی اور روحانی وجود نبی کے طفیل میں ہے۔ جو شفقت وتربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوئی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امتی کی وہ ہمدردی۔ اور خیر خواہانہ شفقت وتربیت فرماتے ہیں جو خود اس کا نفس بھی اپنی نہیں کرسکتا۔ تمہارے ماں باپ تمہارے بیوی بچے تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تمہارے ساتھ خود غرضی برت سکتے ہیں۔ تم کو گمراہ کرسکتے ہیں۔ تم سے غلطیوں کا ارتکاب کراسکتے ہیں مگر نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے حق میں صرف وہی بات کرنے والے ہیں جس میں تمہاری حقیقی فلاح ہو۔تم خود اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار سکتے ہو۔ حماقتیں کر کے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر سکتے ہو لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے وہی کچھ تجویز کریں گے جو فی الواقع تمہارے حق میں نافع ہی نافع ہو اور جب معاملہ یہ ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اہل ایمان پر یہ حق ہے کہ وہ آپ کو اپنے ماں باپ اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر عزیز سمجھیں اور عزیز رکھیں۔ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آپ کی محبت رکھیں۔ اپنی رائے پر آپ کی رائے کو۔ اپنے فیصلے پر آپ کے فیصلہ کو۔ اپنی چاہت پر آپ کی چاہت کو مقدم رکھیں اور آپ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ اسی مضمون کو ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ احادیث میں مشہور ہے کہ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کی کیفیت فوراً بدل دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے ان کا حال اسی وقت بدل گیا اور عرض کیا کہ خدا کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر اب تم مومن کامل ہو۔ تو معلوم ہوا کہ کامل ایمان دراصل اسی کا نام ہے کہ آدمی بالکل اللہ و رسول کا ہو جائے اور اپنے سارے تعلقات و خواہشات کو اللہ اور رسول کے تعلق پر اللہ و رسول کے دین کی راہ میں قربان کر سکے جس طرح کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کر دکھایا۔ اور آج بھی اللہ کے سچے اور صادق بندوں کا یہی حال ہے اگر چہ ان کی تعداد اب بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسول پاک سے سچا تعلق ہم کو نصیب فرماویں۔ تو اس خصوصیت کی بنا پر جو اوپر مذکور ہوئی ایک خصوصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آگے یہ بھی بیان ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات امتیوں کی دینی مائیں ہیں اور ان کی تکریم و تعظیم مسلمانوں پر مثل ماں کے واجب ہے۔ اور ان کے ساتھ کسی مسلمان کا کبھی نکاح نہیں ہوسکتا تو ازواج مطہرات مومنین کے لئے مثل ماں کے عزت و حرمت میں ہیں باقی دوسرے احکام میں مثل پردہ وغیرہ کے وہ ماں کی طرح نہیں یعنی علاوہ حقیقی رشتہ داروں کے باقی سب مسلمان ان کے لئے غیر محرم تھے جن سے پردہ واجب تھا۔ آگے بتلایا گیا کہ جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے تو آپ کے ساتھ تو مسلمانوں کے تعلق کی نوعیت سب سے الگ ہے لیکن عام مسلمانوں کے درمیان آپس کے تعلقات اس اصول پر قائم ہوں گے کہ رشتہ داروں کے حقوق ایک دوسرے پر عام لوگوں کی بہ نسبت مقدم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنہوں نے وطن چھوڑا اور مدینہ کو ہجرت کی اپنے عزیز و اقارب سے علیحدہ ہوئے گھر بار چھوڑا اور بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ پہنچے تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر کا ایک انصار مدینہ سے بھائی چارہ قائم فرمادیا جس کی رو سے محض دینی برادری کے تعلق کی وجہ سے مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے بعد میں جب مہاجرین کے دوسرے قرابت دار مسلمان ہوگئے تو ان آیات کی رو سے اللہ تعالیٰ نے صاف حکم فرمادیا کہ قدرتی رشتہ ناتا اس بھائی چارہ سے مقدم ہے۔ میراث وغیرہ رشتہ ناطہ کے موافق تقسیم ہوگی۔ سلوک واحسان کوئی اپنے دینی بھائی سے کرنا چاہے تو وصیت کے ذریعہ سے کرسکتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ حکم اب ہمیشہ کے لئے جاری رہا۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید کی رو سے اور یہاں آیت میں وازواجه اُمھٰتھم کے ارشاد سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مومنین کی مائیں ہیں۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ تمام ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جن میں بغیر کسی شک وشبہ کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل ہیں۔ لیکن روافض جو خلفائے ثلٰثہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی ہدف لعن طعن بناتے ہیں اس بنا پر کہ وہ خلیفہ اول حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تھیں۔ بہرحال مخالفین کچھ کہیں جملہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن قرآن کی شہادت سے امہات المومنین ہیں۔ اوران کی تعظیم وتکریم۔ عزت وحرمت اہل اسلام پرواجب ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوحقوق ایک امتی پر ہیں ان کو یہاں بتلا کرآگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ بلند درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کواور دوسرے انبیاء کواپنے امتیوں پران کی ذمہ داری کی بنا پر ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ نے ہم کو جو سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف بخشا ہے تو ہم کو اس نعمت عظمٰی کے قدر کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور عظمت کے ساتھ آپ کا سچا اتباع بھی نصیب فرمائیں۔

اللہ پاک ہم کو اپنے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی لائی ہوئی جملہ ہدایات پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیں اور آپ کے ہر حکم کے آگے سرتسلیم خم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ازواج مطہرات واہل بیت کو اپنے قرب خاص کے درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے بھی

وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

اور ہم نے اُن سب سے خُوب پختہ عہد لیا۔ تاکہ ان سچوں سے ان کے سچ کی تحقیقات کرے، اور کافروں کیلئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَإِذْ اور جب	أَخَذْنَا ہم نے لیا	مِنَ سے	النَّبِيِّينَ نبیوں	مِيثَاقَهُمْ ان کا عہد	وَمِنْكَ اور تم سے	وَمِنْ نُوحٍ اور نوحؑ سے	وَإِبْرَاهِيمَ اور ابراہیم
وَمُوسَىٰ اور موسیٰ	وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ	وَأَخَذْنَا اور ہم نے لیا	مِنْهُمْ ان سے	مِيثَاقًا عہد	غَلِيظًا پختہ	لِيَسْأَلَ تاکہ وہ سوال کرے	
الصَّادِقِينَ سچے	عَنْ سے	صِدْقِهِمْ ان کی سچائی	وَأَعَدَّ اور اُس نے تیار کیا	لِلْكَافِرِينَ کافروں کیلئے	عَذَابًا عذاب	أَلِيمًا دردناک	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل ایمان سے اور اہل ایمان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلق ہے اس کی نوعیت ظاہر فرمائی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسلام کی وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت وتربیت فرماتے ہیں کہ جو خود اپنا انکا نفس بھی نہیں کرسکتا اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اہل اسلام کی جان مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ وہ آپ کو اپنے ماں باپ اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر عزیز سمجھیں۔ اور آپ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم رکھیں۔

اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ بلند درجہ انبیاء کو اس لئے ملا کہ ان پر محنت اور ذمہ داری بھی سب سے زیادہ ہے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے پختہ اقرار کرلیا ہے کہ وہ بے غرضی کے ساتھ انسانوں کو سچی سچی باتیں بتائیں گے اور دین کے قائم کرنے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اور کسر نہ اٹھا رکھیں گے اور اللہ کے بندوں کو اعتقاد اور عمل کے صحیح راستہ پر ڈالنے کی پوری کوشش کریں گے۔ اور پھر یہ عہد و پیمان بھی کوئی ایسا ویسا نہیں بلکہ بڑا سخت اور پکا قول وقرار لیا گیا۔ تو یہاں اول تو جمیع انبیاء کا ذکر عام طور سے فرمایا گیا اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد اور قول وقرار لیا تھا

پھر ان میں سے پانچ نبیوں کے نام لئے جو بڑے اولوالعزم اور صاحب شریعت پیغمبر تھے۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا حالانکہ عالم شہادت میں آپ کا ظہور سب انبیاء کے بعد ہوا مگر درجہ میں آپ سب سے پہلے ہیں اور وجود بھی آپ کا عالم غیب میں سب سے مقدم ہے جیسا کہ احادیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا یارسول اللہ آپ کو نبوت کب ملی فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح وجسم کے درمیان تھے یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خدا کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین مقرر ہو چکا تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی یعنی گارے کی شکل ہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اس حدیث شریف کا ذکر آجانے پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب ''فیوض الحرمین'' سے ایک واقعہ یاد آیا۔ حرمین شریفین کے زمانہ قیام میں حضرت شاہ صاحبؒ پر جو حق تعالیٰ کی جانب سے الہامات یا روح پرفتوح سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو افاضات آپ پر ہوئے اور

خاص تعلیم وتلقین کی گئی اور جو بشارتیں منجانب اللہ تعالیٰ القاء ہوئیں اور جن اسرار دین متین سے آپ کو آگاہ کیا گیا یا جو وصیتیں اور نصیحتیں آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمائی گئیں ان کو آپ نے بڑے عجیب اور دلکش انداز اور علمی حقائق و دقائق کے ساتھ ایک عربی کتاب فیوض الحرمین میں جمع فرمادیا جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہ فیوض و برکات تقریباً ۴۷ مشاہد پر مشتمل ہیں۔ ایک مشہد میں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی ہی میں تھے اور میں نبی ہو چکا تھا اور میرا یہ سوال زبان کے مقال اور دل کے خطرات سے نہ تھا بلکہ اس بھر اور راز کی آرزو اور شوق سے میری روح لبریز تھی۔ اس کے بعد میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر قوت اور طاقت تھی آپ کی صورت مثالیہ کے قریب ملا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی وہ صورت کریمہ مثالیہ دکھائی جو پہلے عالم اجسام کے پائی جاتی تھی۔ اس کے بعد مجھے عالم مثال سے اس عالم میں آنے کی کیفیت بتلائی اور مجھے انبیاء مبعوثین کی شکلیں بتلائیں۔ آگے اس مشاہدہ میں بڑی دقیق علوم ومعارف کی باتیں لکھی ہیں جو ہم کم علموں کی سمجھ میں بھی نہیں آ سکتیں۔ یہ تذکرہ حضرت شاہ صاحبؒ کا درمیان میں ضمناً آ گیا تھا۔ ایک طویل حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا تمہاری امت کو میں نے سب سے آخر میں بھیجا ہے اور وہ حساب میں سب سے پہلے ہوگی اور میں نے تم کو نبیوں میں سب سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا ہے۔ تم کو میں نے فاتح یعنی دورۂ نبوت شروع کرنے والا بنایا ہے اور تم کو اس کا ختم کرنے والا بنایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفاعت کی ایک طویل حدیث ذکر کرتے ہیں کہ قیامت میں شفاعت کیلئے مخلوق تمام اولوالعزم انبیاء کے پاس سے ناکارہ ہو کر آخر کار لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہی ہمارے پروردگار سے سفارش کیجئے تاکہ ہمارا حساب لے لے وہ فرمائیں گے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے شرمندہ ہوں کہ میرے امتیوں نے مجھے اور میری ماں کو خدا بنالیا تھا۔ لیکن بتلاؤ اگر کسی برتن کو بند کر کے اس پر مہر لگادی جائے کیا اس برتن کی چیز اس وقت تک لے سکتے ہو جب تک کہ اس کی مہر نہ توڑو۔ لوگ کہیں گے ایسا تو نہیں ہو سکتا عیسیٰ علیہ السلام پھر فرمائیں گے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو انبیاء علیہم السلام کے خاتمہ پر مہر ہیں آج موجود ہیں ان کی آئندہ اور گذشتہ سب لغزشیں معاف ہو چکی ہیں ان کے پاس جاؤ۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نوازش الٰہیہ کی طرف اشارہ فرمایا جو ازل میں خلعت نبوۃ پہنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معراج کی حدیث میں روایت فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ وہ بولے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ جب آپ کی دربار الٰہی میں رسائی ہوئی تو ارشاد ہوا کہ میں نے پیدائش کے لحاظ سے آپ کو سب نبیوں سے پہلے اور بلحاظ بعثت سب سے آخر میں بھیجا۔ نبوت کا شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا آپ ہی کو بنایا ہے۔ خود ان آیات کریمہ کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت **واذا اخذنا من النبیین میثاقھم** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا میں باعتبار پیدائش کے سب سے پہلا اور باعتبار بعثت سب سے آخری نبی ہوں۔ یہاں متعدد احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت و ابتدائے نبوت اور ختم نبوت کے متعلق اس لئے گوش گزار کی گئیں کہ ایک گمراہ اور ملعون فرقہ باوجود کھلی اور واضح تصریحات کے "نبوت" کے دروازہ کو کھلا رکھتا ہے تاکہ اس چودھویں صدی میں بھی غلام احمد قادیانی جیسے نبوت کے دعویدار پیدا ہوتے رہیں۔ مگر جیسا کہ ہر باطل کے خاتمہ کا ایک وقت ہوتا ہے۔ الحمدللہ کہ اس فرقہ قادیانی کو جو اہل اسلام

کے لئے قریب ایک صدی سے مارآستین بنا ہوا تھا۔ ماہ ستمبر ۱۹۷۴ء میں حکومت پاکستان اور پاکستان کے اہل اسلام نے بالاتفاق اس فرقہ کے بانی غلام احمد کو کافر خارج از اسلام قرار دیا اور جو بھی اس کی نبوت کا قائل۔ معتقد یا متبع ہوا اس کو بھی کافر قرار دے کر کم از کم پاکستان سے تو قادیانیت کا جنازہ نکل گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فتنۂ عظیم کی سرکوبی کے لئے پاکستان کو منتخب فرما کر ایک بڑا عزوشرف عطا فرمایا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اہل پاکستان کو اس دین اسلام کی خدمت اور اپنے پیارے حبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کے اس جرأت مندانہ اعلان کے صلہ میں اہل پاکستان کو اسلام سے سچا اور صحیح تعلق نصیب فرمادے اور اس سرزمین سے اسلام کی عظمت کا آفتاب چمکنے اور تمام دنیا کو روشن کرنے کا ذریعہ بنادے۔ آمین۔

ذکر یہ ہو رہا تھا کہ یہاں آیت میں اول تو اجمالاً تمام انبیاء کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد وقول وقرار لیا تھا اور پھر ان میں سے پانچ اولوالعزم انبیاء کے نام لئے جن میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ تو یہاں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا اگرچہ اس دنیا میں ظہور آپ کا سب انبیاء کے بعد ہوا۔ اب یہ عہد کیا تھا اور کب لیا گیا تھا؟ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں اس میثاق کا ذکر متعدد مقامات پر کیا گیا ہے جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد اس وقت لیا گیا تھا کہ جب عالم ارواح میں روز میثاق میں تمام لوگوں کو آدم علیہ السلام کی پشت سے باہر نکالا تھا اور تمام بنی آدم سے عہد لیا تھا اور انبیاء سے بالخصوص عہد موثق لیا گیا تھا اور وہ اس بات کا عہد تھا کہ دین الٰہی کو قائم رکھیں۔ احکام الٰہی لوگوں کو سنائیں۔ خدا تعالیٰ کی رضامندی ہر بات پر مقدم رکھیں۔ باہم اتفاق رکھیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔

آیت میں آگے بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض عہد لے کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس عہد کے بارہ میں قیامت میں وہ سوال کرنے والا ہے اور سوال اس لئے ہوگا تا کہ سچوں کا سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور ان کو انعام واکرام سے مالا مال فرمایا جائے اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔

یہاں آیت میں لفظ صادقین استعمال کر کے انبیاء علیہم السلام کا اپنے عہد کو پورا کرنا ظاہر فرمادیا پس ان کا تو اپنے عہد کو عملاً پورا کرنا ثابت ہوگیا۔ اب رہ گئے وہ کہ جن کو اتباع کا حکم تھا اور ان کو ترک اتباع پر وعید سنائی گئی کہ منکروں کو دردناک عذاب ہوگا اور اصحاب اتباع کو انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔

اب آگے جنگ احزاب کے موقع پر جو اہل ایمان پر انعام فرمایا گیا وہ اہل ایمان کو یاد دلایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو افضل الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی رسالت کا حق ادا فرمادیا اور امانت کا حق ادا کردیا اور امت کی پوری خیر خواہی فرمادی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا

اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۹ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ

جوتم کو دکھائی نہ دیتی تھی، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔ جبکہ وہ لوگ تم پر آچڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی

مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۱۰

اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اے ایمان والو	اذْكُرُوْا یاد کرو	نِعْمَةَ اللّٰهِ اللہ کی نعمت	عَلَيْكُمْ اپنے اوپر	اِذْ جَآءَتْكُمْ جب تم پر (چڑھ) آئے	جُنُوْدٌ لشکر				
فَاَرْسَلْنَا ہم نے بھیجی	عَلَيْهِمْ ان پر	رِيْحًا آندھی	وَّجُنُوْدًا اور لشکر	لَّمْ تَرَوْهَا تم نے انہیں نہ دیکھا	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	بِمَا اسے جو		
تَعْمَلُوْنَ تم کرتے ہو	بَصِيْرًا دیکھنے والا	اِذْ جب	جَآءُوْكُمْ وہ تم پر آئے	مِّنْ سے	فَوْقِكُمْ تمہارے اوپر	وَ اور	مِنْ اَسْفَلَ نیچے سے		
مِنْكُمْ تمہارے	وَاِذْ اور جب	زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کج ہوئیں (چندھیا گئیں) آنکھیں	وَبَلَغَتِ اور پہنچ گئے	الْقُلُوْبُ دل	الْحَنَاجِرَ گلے				
	وَتَظُنُّوْنَ اور تم گمان کرتے تھے	بِاللّٰهِ اللہ کے بارے میں	الظُّنُوْنَا بہت سے گمان						

تفسیر وتشریح:۔ گزشتہ آیات میں اس عہد و پیمان اور قول وقرار کا بیان تھا کہ جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے لیا تھا اور اس عہد و پیمان کا نتیجہ بھی بتلایا گیا تھا تاکہ قیامت میں جب ہر ایک سے پوچھ پاچھ ہو تو سچوں کا سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔ اس میں ایک طرح اطاعت الٰہیہ اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید تھی۔ اب آگے اللہ تعالیٰ اپنے ایک احسان اور فضلِ عظیم یعنی دو غزووں میں کامیابی اور بڑی پریشانی کا رفع و دفعہ ہونا یاد دلاتے ہیں تاکہ تذکرۂ نعمت سے اطاعتِ الٰہیہ اور اتباع رسول کی ترغیب ہو نیز سچے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے متبعین اور ان کے بالمقابل منکرین ومنافقین کے کچھ احوال اور ان کے ظاہری ثمرات ونتائج ذکر کیے جاتے ہیں۔ پہلے اس پورے رکوع میں غزوۂ احزاب جس کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں اس کا واقعہ یاد دلایا گیا اور پھر اگلے رکوع میں غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر فرمایا گیا۔ ان آیات کی تشریح سے پہلے جن میں جنگ احزاب کی طرف اشارہ ہے مناسب معلوم ہوگا کہ اس جنگ کے اسباب وحالات ونتائج وغیرہ کو مختصراً بیان کر دیا جائے تاکہ اس کی روشنی میں ان اور آئندہ آیات کا مطلب بخوبی سمجھا جا سکے۔ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال یہود کا ایک قبیلہ بنی النضیر مسلمانوں کے ہاتھوں مدینہ سے نکالا گیا اور اس کا واقعہ یوں پیش آیا کہ یہود بنی النضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کی اور جب یہ راز فاش ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نوٹس دے دیا کہ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ ورنہ اس کے بعد تم میں سے جو یہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ منافقین مدینہ کے سردار عبداللہ بن اُبی نے ان یہود کو در پردہ شہ دی کہ تم ڈٹ جاؤ اور مدینہ چھوڑنے سے انکار کر دو۔ میں دو ہزار آدمیوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔ دوسرے یہود قبیلہ بنی قریظہ وغیرہ تمہاری مدد کریں گے عرب کے دوسرے قبائل بھی تمہاری مدد کے لئے آ جائیں گے۔ چنانچہ یہود بنی النضیر نے اس کی باتوں میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ ہم اپنا علاقہ نہیں چھوڑیں گے آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوٹس کی میعاد ختم ہوتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے حامیوں میں سے

کسی کی ہمت نہ پڑی کہ مدد کو آتا۔ آخرکار انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ ان میں سے ہر تین آدمی ایک اونٹ پر جو کچھ لاد کر لے جاسکتے ہیں لے جائیں گے اور باقی سب کچھ مدینہ ہی میں چھوڑ جائیں گے اس طرح مضافات مدینہ کا وہ محلہ جس میں یہود بنی نضیر رہتے تھے۔ ان کے باغات اور سروسامان سمیت مسلمانوں کے ہاتھ آگیا اور اس بدعہد قبیلہ کے لوگ ادھر ادھر تتر بتر ہوگئے۔ اس قبیلہ کے لوگ مخالفین اسلام کے ہر قبیلہ میں پھرے اور دورہ کرکے قریش اور دوسرے عرب قبائل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ سب مل کر بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ پر ٹوٹ پڑیں اور مسلمانوں کا قلع قمع کردیں۔ چنانچہ شوال ۵ھ مطابق ماہ فروری ۶۲۷ء میں ابوسفیان تقریباً بارہ ہزار کا لشکر جرار پورے ساز وسامان سے آراستہ۔ طاقت کے نشہ میں چور مدینہ پر چڑھائی کے لئے مکہ سے نکلا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی اس نقل وحرکت کا علم ہوا تو سب سے پہلا کلمہ جو زبان مبارک پر آیا یہ تھا **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** یعنی اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ہم اہل فارس کا دستور یہ ہے کہ ایسے موقع پر خندق کھود کر دشمن سے خود کو محفوظ کرلیتے اور اس کو مجبور بنا دیتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳ ہزار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر خندق کھودنے کے لئے خود بھی کمربستہ ہوگئے۔ شہر کے گرد جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا تقریباً ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی گئی۔ یہ کام دس دس افراد کی ٹولیوں پر تقسیم کردیا گیا اور ہر ٹولی نے ۴/۴ گز خندق تیار کی۔ چھ دن میں یہ پانچ گز گہری خندق اس طرح تیار ہوئی کہ اس کے کھودنے پتھر توڑنے اور مٹی ہٹانے میں خود سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا ایک بڑا حصہ تھا۔ اور روایات میں آتا ہے کہ سینہ مبارک کے بال مٹی سے چھپ گئے تھے۔ کائناتِ انسانی کی تاریخ میں آقا اور غلام۔ حاکم اور محکوم۔ مخدوم اور خادم کے درمیان یہ وہ منظر تھا جو آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا کہ دو جہان کے سردار ہاتھ میں کدال لئے تین دن کے فاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھے مہاجرین اور انصار کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف ہیں اور برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ یہ کس کو معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے جان نثار خادم اور عاشق صادق تھے کہ جو کسی حال بھی یہ نہ ہونا چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس خندق کے کھودنے اور مٹی کے اٹھانے کی محنت شاقہ میں ان کے شریک ہوں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دل جوئی اور امت کی تعلیم کے لئے اس محنت شاقہ میں برابر کا حصہ لیا اور آپ کی یہی عادت مبارکہ تھی کہ ہر محنت ومشقت اور تنگی وتکلیف میں آپ سب عوام مسلمین کی طرح ان میں شریک ہوتے تھے۔ **اللھم رب صلی وسلم علی رسول اللہ صلوٰۃ دائمۃ بدوام ملک اللہ.**

ایک جگہ خندق کھودتے ہوئے پتھر کی ایک چٹان نکل آئی جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عاجز آگئے۔ خدمت اقدس میں اس واقعہ کو پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوئی مشورہ یا حکم دینے کی بجائے خود ان کے ساتھ موقع پر تشریف لائے اور خندق کے اندر اتر کر اور کدال اپنے دستِ مبارک میں لے کر اس چٹان پر بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی اور ایک ہی ضرب سے چٹان کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا۔ اس کے بعد آپ نے دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی چٹان اور کٹ گئی۔ تیسری مرتبہ پھر آپ نے ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی کٹ کر ختم ہوگئی۔ اور پھر آپ خندق سے باہر تشریف لائے۔ **اللھم رب صلی وسلم علی رسول اللہ صلوٰۃ دائمۃ بدوام ملک اللہ.**

الغرض سخت جاڑے کا موسم تھا۔ غلہ کی گرانی تھی۔ بھوک کی وجہ سے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے مگر دین حق کی حمایت اور عشق الٰہی میں سرشار زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز قوت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول تھے۔ صحابہ خندق کھودتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے۔

نحن الذین بایعو محمداً   علی الجہاد مابقینا ابدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے زندگی بھر کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرلی ہے۔)

دوسری جانب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ دعائیہ کلمہ جاری تھا۔

اللھم ان العیش عیش الاٰخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرہ

(خدایا عیش تو آخرت کا عیش ہے۔ پس تو انصار و مہاجرین کو مغفرت سے نواز)

الغرض اس طرح چھ روز میں ساڑھے تین میل لمبی خندق تیار ہوگئی۔اور ادھر کفار کا لشکر آ پہنچا اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔اسلامی لشکر نے دشمن کے مقابل مورچے جما دیئے تقریباً ۲۰۔۲۵ روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ درمیان میں خندق حائل تھی۔ عرب کے لئے یہ ایک نئی حکمت جنگ تھی اور قریش اس پر دنگ رہ گئے۔دور سے تیراندازی ہوتی تھی اور گاہ بگاہ فریقین کے خاص خاص افراد میں دو دو ہاتھ ہو جاتے تھے۔کفار کے یہ خیال میں ہی نہ تھا کہ مدینہ کے باہر خندق سے سابقہ پیش آئے گا کیونکہ اہل عرب اس وقت تک اس طریق دفاع سے نا آشنا تھے۔ناچار انہیں جاڑے کے زمانہ میں ایک طویل محاصرہ کے لئے تیار ہونا پڑا جس کے لئے وہ گھروں سے تیار ہوکر نہ آئے تھے۔ بہرحال مسلمانوں کی جمعیت مدینہ میں محصور تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو مدینہ کے ایک محلّہ میں کردیا تھا۔اسی عرصہ میں کفار نے ایک تدبیر یہ کہ کہ بنو قریظہ کے یہودی قبیلہ کو جو مدینہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں رہتا تھا انہیں غداری پر آمادہ کیا۔ چونکہ اس قبیلہ بنو قریظہ سے مسلمانوں کا باقاعدہ حلیفانہ معاہدہ تھا جس کی رو سے مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کرنے کا پابند تھا۔اس لئے مسلمانوں نے اس طرف سے بے فکر ہوکر اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک محلّہ میں جمع کردیا جو بنو قریظہ کی جانب تھا اور ادھر مدافعت کا کوئی انتظام بھی نہ کیا گیا تھا۔کفار کے حملہ آور لشکریوں میں سے بنی نضیر کا ایک یہودی سردار قبیلہ بنو قریظہ کے پاس بھیجا گیا تاکہ انہیں کسی طرح معاہدہ توڑ کر جنگ میں شامل ہونے کے لئے آمادہ کرے۔ابتداء تو بنو قریظہ نے انکار کیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہے اور آج تک ہمیں کبھی ان سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی لیکن جب اس بنی نضیر کے یہودی سردار نے کہا کہ دیکھو میں اس وقت تمام عرب قبائل کی متحدہ طاقت مسلمانوں پر چڑھا لایا ہوں۔یہ انہیں ختم کرنے کا نادر موقع ہے اس کو اگر تم نے کھو دیا تو پھر دوسرا ایسا موقع کوئی نہ مل سکے گا۔تو یہودی ذہنیت کی اسلام دشمنی اخلاق کے پاس و لحاظ پر غالب آ گئی اور بنو قریظہ عہد توڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ سے بھی بے خبر نہ تھے۔آپ کو بروقت اس کی اطلاع مل گئی اور آپ نے فوراً انصار کے چند سرداروں کو بنو قریظہ کے پاس تحقیق حال اور فہمائش کے لئے بھیجا۔یہ حضرات وہاں پہنچے تو بنو قریظہ کو پوری خباثت پر آمادہ پایا اور انہوں نے برملا ان انصار سرداروں سے کہہ دیا کہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔یہ خبر بہت جلد مدینہ کے مسلمانوں میں پھیل گئی اور ان کے اندر اس سے سخت اضطراب پیدا ہوگیا کیونکہ اب وہ دونوں طرف سے گھیرے میں آگئے تھے اور مدینہ کا وہ حصہ اب خطرہ میں پڑ گیا تھا جدھر دفاع کا بھی کوئی انتظام نہ تھا اور سب کے بال بچے بھی اسی جانب تھے۔اس پر منافقین جو مسلمانوں میں ملے جلے ہوئے تھے ان کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں اور انہوں نے اہل ایمان کے حوصلہ پست کرنے کے لئے طرح طرح کے نفسیاتی حملے شروع کردیئے۔کسی نے کہا کہ ہم سے وعدہ تو قیصر اور کسریٰ کے ملک کے فتح ہو جانے کے کئے جارہے تھے اور حال یہ ہے کہ اب ہم رفع حاجت کے لئے بھی نہیں نکل سکتے۔کسی نے یہ کہہ کر خندق کے محاذ سے رخصت مانگی کہ اب تو ہمارے گھر اور بال بچے ہی خطرہ میں پڑ گئے ہیں ہمیں جاکر ان کی حفاظت کرنی ہے۔کسی نے یہاں تک خفیہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ حملہ آوروں سے اپنا معاملہ درست کرلو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ کردو۔ یہ ایسی شدید آزمائش کا وقت تھا کہ صرف صادق اور مخلص اہل ایمان ہی تھے جو اس نازک اور کڑے وقت میں فداکاری کے عزم پر ثابت قدم رہے۔محاصرہ کی وجہ سے مدینہ میں سخت بے چینی پھیل گئی تھی۔ رسد کی قلت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تین تین فاقہ گزر گئے۔

ایک روز مضطر ہو کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے پیٹ کھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے کہ سب نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ادھر محاصرین جب خندق عبور نہ کر سکے تو وہیں سے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے۔ جانبین سے مسلسل تیراندازی ہوئی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو دن بھر ایسا مشغول رہنا پڑا کہ نماز کے لئے بھی ذرا سی مہلت نہ ملی۔ چار نمازیں قضا ہوئیں۔ جو عشا کے وقت پڑھی گئیں۔ اب محاصرہ ۲۵ دن سے زیادہ طویل ہو چکا تھا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ بالآخر خداوند تعالیٰ نے اس بے سروسامان جماعت کی امداد فرمائی ایک نومسلم صحابی کے ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے حملہ آور مشرکین اور یہودی بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی۔ ادھر کفار کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا نہ دکھائی دینے والا فرشتوں کا لشکر مرعوب کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات لشکر کفار پر برفانی ہوا کا ایک ایسا طوفان چلا دیا جس سے ریت اور سنگریزے اڑ اڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ ان کے چولہے بجھ گئے۔ دیگچے زمین پر اوندھے جا پڑے۔ کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ رہی۔ ہوا کے زور سے خیمے اکھڑ گئے گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے۔ لشکر پریشان ہو گیا۔ سردی اور آندھی ناقابل برداشت بن گئی۔ آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی وہاں سے کوچ کر جانے کا حکم دیا اور ناچار سب ناکام و نامراد راتوں رات واپس ہو گئے۔ صبح جب مسلمان اٹھے تو میدان میں ایک دشمن بھی نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان کو دشمنوں سے خالی دیکھ کر فوراً ارشاد فرمایا کہ اب قریش کے لوگ تم پر کبھی چڑھائی نہ کر سکیں گے۔ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے۔ غزوۂ خندق سے پلٹ کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے تو ظہر کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر حکم سنایا کہ ابھی ہتھیار نہ کھولے جائیں۔ بنی قریظہ کا معاملہ باقی ہے۔ ان سے بھی اسی وقت نمٹ لینا چاہئے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ کوئی عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھے جب تک دیار بنی قریظہ پر نہ پہنچ جائے۔ غزوۂ احزاب کی کچھ تفصیلات تو آپ کے سامنے آ گئیں اب غزوۂ بنی قریظہ کی تفصیلات انشاء اللہ تیسرے رکوع میں جہاں ان کا ذکر فرمایا گیا ہے وہاں بیان ہوں گی۔ اب غزوۂ احزاب کی ان تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان آیات زیر تفسیر کی تشریح ملاحظہ ہو۔

جیسا کہ ابتدا میں اوپر عرض کیا گیا...... اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کی ترغیب کے لئے اہل ایمان کو خطاب کر کے اپنا احسان اور فضل یاد دلاتے ہیں کہ اے ایمان والو اس سخت وقت کو یاد کرو جب کہ تمہارے اوپر لشکر چڑھ آئے تھے اور جب تم ہر طرف سے گھر گئے تھے اور تمہاری سخت حالت ہو گئی تھی۔ مراد اس سے جنگ احزاب ہے تو ہم نے دشمنوں کو ہزیمت دے کر تم سے ٹال دیا اور سخت ٹھنڈی ہوا چلا دی اور فرشتوں کا لشکر جو تمہیں دکھائی نہ دیتا تھا بھیج دیا تمہاری حالت یہ تھی کہ مدینہ کی مشرق کی طرف سے جو اونچا علاقہ تھا اور مغرب کی طرف سے جو نیچا حصہ تھا تمہیں دشمنوں نے اکٹھے ہو کر گھیر لیا تھا اور دہشت کے مارے تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ جیسا کہ خوف کے وقت ہوا کرتا ہے اور تمہارے دل دھڑک کر گلوں تک پہنچ گئے تھے۔ یہ ایک محاورہ عرب کی بات ہے جو شدت خوف کے وقت کہا کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں کہ ناک میں دم آ گیا تھا یا کہا کرتے ہیں کہ دل باہر نکل پڑا اور تم اللہ تعالیٰ سے طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے یعنی سچے اور ایمان دار تو یہی کہتے تھے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اسلام ضرور فتحیاب ہو گا مگر منافقین کہتے کہ ہم مصیبت میں پڑ گئے۔ بس اب کے خاتمہ ہے۔ ایسی مصیبت پہلے کبھی نہ آئی تھی۔ اب کے شاید ہی بچیں۔ کوئی کہتا کہ اس دل بادل فوج سے جیتنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ کمزور یقین والوں کے منہ سے بھی یاس و ہراس کے کلمے نکل جاتے تھے۔

مزید واقعات و حالات اسی جنگ احزاب کے اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور اس جنگ میں منافقین کا کیا طرز عمل رہا وہ بتلایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝١١ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي 9

اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔ اور جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے

قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝١٢ وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ

یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور جب کہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو!

يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ

تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں سو لوٹ چلو اور بعض لوگ ان میں نبی سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں

وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝١٣ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں یہ محض بھاگنا ہی چاہتے تھے۔ اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے اُن پر کوئی آگھسے پھر اُن سے فساد کی درخواست کی جائے

الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝١٤ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ

تو یہ اُس کو منظور کرلیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں۔ حالانکہ یہی لوگ پہلے خدا سے عہد کرچکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔

لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝١٥ قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم

اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی۔ آپ فرمادیجئے کہ تم کو بھاگنا کچھ نافع نہیں ہوسکتا اگر تم

مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝١٦ قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم

موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہوسکتے۔ یہ بھی فرمادیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خدا سے بچاسکے،

مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن

اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا وہ کون ہے جو خدا کے فضل سے تم کو روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے اور خدا کے سوا نہ کوئی

دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝١٧

اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔

هُنَالِكَ یہاں	ابْتُلِيَ آزمائے گئے	الْمُؤْمِنُونَ مومن	وَزُلْزِلُوا اور وہ ہلائے گئے	زِلْزَالًا ہلایا جانا	شَدِيدًا شدید	وَإِذْ اور جب	يَقُولُ کہنے لگے
الْمُنَافِقُونَ منافق	وَالَّذِينَ اور وہ جن کے	فِي قُلُوبِهِمْ دلوں میں	مَرَضٌ روگ	مَا وَعَدَنَا جو ہم سے وعدہ کیا	اللَّهُ اللہ	وَرَسُولُهُ اور اسکا رسول	
إِلَّا مگر (صرف)	غُرُورًا دھوکہ دینا	وَإِذْ اور جب	قَالَتْ کہا	طَائِفَةٌ ایک گروہ	مِنْهُمْ ان میں سے	يَا أَهْلَ يَثْرِبَ اے یثرب (مدینہ) والو	

لَا مُقَامَ نہیں جگہ ٹھہر	لَكُمْ تمہارے لئے	فَارْجِعُوا لہٰذا تم لوٹ چلو	وَيَسْتَاْذِنُ اور اجازت مانگتا تھا	فَرِيقٌ ایک گروہ	مِنْهُمُ ان میں سے	النَّبِيَّ نبی سے	
يَقُولُونَ وہ کہتے تھے	إِنَّ بیشک	بُيُوتَنَا ہمارے گھر	عَوْرَةٌ غیر محفوظ	وَمَا هِيَ حالانکہ وہ نہیں	بِعَوْرَةٍ غیر محفوظ	إِنْ يُرِيدُونَ وہ نہیں چاہتے	
إِلَّا مگر (صرف)	فِرَارًا فرار	وَلَوْ اور اگر	دُخِلَتْ داخل ہو جائیں	عَلَيْهِمْ ان پر	مِنْ سے	أَقْطَارِهَا اس (مدینہ) کے اطراف	ثُمَّ پھر
سُئِلُوا ان سے چاہا جائے	الْفِتْنَةَ فساد	لَآتَوْهَا تو وہ ضرور اسے دیں گے	وَ اور	مَا تَلَبَّثُوا نہ دیر لگائیں گے	بِهَا اس (گھر) میں		
إِلَّا مگر (صرف)	يَسِيرًا تھوڑی سی	وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا حالانکہ وہ عہد کر چکے تھے	اللّٰهَ اللہ	مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے	لَا نہ		
يُوَلُّونَ پھیریں گے	الْأَدْبَارَ پیٹھ	وَكَانَ اور ہے	عَهْدُ اللّٰهِ اللہ کا وعدہ	مَسْئُولًا پوچھا جانے والا	قُلْ فرمادیں	لَنْ يَنْفَعَكُمُ تمہیں ہرگز نفع نہ دیگا	
الْفِرَارُ فرار	إِنْ اگر	فَرَرْتُمْ تم بھاگے	مِنَ الْمَوْتِ موت سے	أَوِ یا	الْقَتْلِ قتل	وَإِذًا اور اس صورت میں	لَا تُمَتَّعُونَ نہ فائدہ دیئے جاؤ گے
إِلَّا قَلِيلًا مگر (صرف) تھوڑا	قُلْ فرمادیں	مَنْ ذَا کون جو	الَّذِي يَعْصِمُكُمْ وہ جو تمہیں بچائے	مِنَ اللّٰهِ اللہ سے	إِنْ اگر		
أَرَادَ بِكُمْ وہ چاہے تم سے	سُوءًا برائی	أَوْ یا	أَرَادَ بِكُمْ چاہے تم سے	رَحْمَةً مہربانی	وَ اور	لَا يَجِدُونَ وہ نہ پائیں گے	
لَهُمْ اپنے لئے	مِنْ دُونِ اللّٰهِ اللہ کے سوا	وَلِيًّا کوئی دوست	وَلَا نَصِيرًا اور نہ مددگار				

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے اپنا وہ احسان اور فضل یاد دلایا تھا جو غزوۂ احزاب یا جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں پر فرمایا جبکہ کفار و مشرکین و یہود نے مل کر پوری طاقت اور پورے جتھے سے مسلمانوں کو مٹانے کے ارادہ سے زبردست لشکر لے کر حملہ کیا تھا۔ اسی سلسلہ میں آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اہل ایمان کے لئے واقعی یہ بڑی سخت آزمائش کا وقت تھا۔ اہل ایمان کی پختگی اور استقامت کا زبردست امتحان تھا۔ شدید سردی کا موسم۔ غلہ کی گرانی و کمیابی۔ صحابہ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ اس پر بھی ہمت اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ پتھریلی زمین کی کھدائی شب و روز اپنے ہاتھوں سے جاری تھی۔ بخاری شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوکے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ تین دن سے آپ نے کچھ نہ کھایا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں گھر آیا اور بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے معلوم ہوتے ہیں۔ بیوی نے بوری سے جو نکالے جو ایک صاع تھے (یعنی ہمارے وزن سے قریب ساڑھے تین سیر) گھر میں بکری کا ایک بچہ پلا ہوا تھا۔ وہ میں نے ذبح کیا اتنے میں بیوی نے آٹا پیس لیا اور گوشت کاٹ کر ہانڈی میں چڑھا دیا۔ پھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بیوی نے چلتے وقت کہا کہ دیکھو مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے سامنے شرمندہ مت کرنا کہ بہت سے آدمی آ جائیں اور کھانا تھوڑا ہو جائے۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے عرض کیا۔ میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع کا آٹا پیسا ہے۔ آپ اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر چلئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی اے خندق والو! جلدی چلو۔ جابر نے کھانا پکایا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم چلو مگر میرے آنے تک نہ ہانڈی اتارنا اور نہ خمیر کی روٹیاں پکانا۔ میں چلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو لے کر آنے کے لئے تیار ہونے لگے میں نے آ کر بیوی سے سب باتیں کہہ دیں تو وہ گھبرا گئی اور کہا تم نے یہ کیا کیا۔ میں نے کہا کہ میں نے تمہاری بات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دی تھی۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خمیر میں لعاب دہن ملایا اور دعائے برکت فرمائی پھر فرمایا اے جابر روٹی پکانے والی کو بلاؤ وہ میرے سامنے روٹی پکائے اور ہانڈی سے گوشت نکالے اور اسے چولہے سے نہ اتارے آخر سب نے پیٹ بھر کر کھا لیا۔ ہانڈی اسی طرح پک رہی اور ابل رہی تھی اور روٹیاں پکائی جا رہی تھیں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں خدا کی قسم کھانے والے ایک ہزار تھے سب نے کھایا اور پھر بھی بچ رہا ہانڈی میں گوشت بھرا ہوا تھا اور روٹیاں برابر پک رہی تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی سے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ

اور اپنے آدمیوں کو بھی حصہ دینہ کرو کیونکہ آج کل بھوک سے سب پریشان ہورہے ہیں۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ ورنہ بخاری ہی کی ایک حدیث ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک ایک مٹھی جو آتے پھر ان کو بدمزہ چربی میں پکا کر سب مل کر کھا لیتے حالانکہ وہ حلق کو پکڑتی تھی اور اس میں سے بو آتی تھی غرض کہ سردی کے علاوہ کھانے پینے کی بھی تنگی تھی اور پھر بنی قریظہ کے یہودیوں نے دفعتہً معاہدہ توڑ کر سخت بے چینی پیدا کردی تھی۔ پھر منافقین دل کے کھوٹے جو بظاہر مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے وہ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ کوئی کہتا کہ اب وہ اللہ اور اس کے رسول کے وعدہ کہاں گئے۔ ہمیں تو بڑا سخت دھوکہ دیا گیا۔ بعض منافقین مسلمانوں کو بہکانے لگے اور ان کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ اے یثرب کے باشندو! یثرب مدینہ طیبہ کا پرانا نام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے "مدینۃ النبی" کہلایا جانے لگا پھر بعد میں اختصار کر کے مدینہ کہنے لگے۔ تو منافقین اہل ایمان سے کہتے کہ دیکھتے ہو کہ صورت حال کیا ہے؟ سارے عرب اکٹھا ہو کر ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ بنو قریظہ نے بھی جو اپنا عہد و پیمان ہم سے کر رکھا تھا توڑ دیا ہے اب ہم خندق پر اس عرب کے جم غفیر اور عظیم لشکر کے سامنے پڑے رہیں تو اس سے کیا فائدہ اب ہمارے یہاں ٹھہرنے کا کچھ کام نہیں صاف ظاہر ہے کہ کیا انجام ہونے والا ہے چلو گھر لوٹ چلیں۔ یہاں رہنا موت کے منہ میں جانا ہے۔ چنانچہ بعض منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور عرض کیا کہ شہر میں ہمارے گھر کھلے ہوئے غیر محفوظ پڑے ہیں۔ خبر نہیں کیا ہو جائے۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ شہر جا کر گھروں کی حفاظت کا بندوبست کریں۔ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں صرف عورتیں بچے رہ گئے ہیں دیواریں قابل اطمینان نہیں کبھی چور وغیرہ نہ گھس آئیں۔ چنانچہ جو اجازت لینے آیا آپ اجازت دیتے رہے حتیٰ کہ آپ کے ساتھ صرف مخلص اہل ایمان ہی رہ گئے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب بھاگ جانے کے بہانے تھے۔ گھروں کی حفاظت کا بہانہ ایک جھوٹا بہانہ ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کے دل اسلام کی طرف پورے جھکے ہی نہیں۔ اس وقت جو کفار کا ہجوم دیکھا اور بظاہر مسلمانوں کی فتح کا کوئی نشان نظر نہ آیا تو میدان جنگ سے بھاگ کر گھر میں جا کر بیٹھ رہنے کی سوجھی بالفرض مدینہ کے باہر سے کوئی غنیم ادھر ادھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ ہو کر ان سے لڑو اور فتنہ فساد برپا کرو تو یہ فوراً ان کا ساتھ دینے کو تیار ہو جائیں اور ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکل پڑیں۔ اسلام کے ظاہری دعوے سے دست بردار ہو کر فوراً فتنہ فساد کی آگ میں کود پڑیں۔ اس وقت تو فوراً گھروں سے نکل کھڑے ہوں۔ نہ گھروں کی حفاظت کا بہانہ کریں اور نہ شکست کا خیال دل میں لائیں۔ منافقین کے متعلق آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ وہی تو ہیں جنہوں نے جنگ اُحد کے بعد عہد کیا تھا کہ آئندہ کبھی میدان جنگ سے پیٹھ موڑ کر نہ بھاگیں گے۔ اب یہ اس عہد کی خلاف ورزی کیسی۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کے ساتھ جو عہد کیا جائے گا اللہ کی طرف سے اس کی پوچھ ہوگی۔ اور عہد توڑنے پر اس کی سزا ملے گی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو بتلا دیں کہ تم جو بھاگے بھاگے پھرتے ہو تو موت یا قتل کئے جانے کے ڈر سے بھاگنا بے سود ہے جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی۔ اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہو گیا تو کتنے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذلت سے آئے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ اللہ کے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ نہ کوئی تدبیر و حیلہ اس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔ ورنہ دنیا کی برائی بھلائی یا سختی و نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چرائے جو عاقبت خراب ہو۔ ہر چیز اللہ کے اختیار اور ارادہ کے تحت ہے اگر اس نے حکم دے دیا ہے کہ تمہیں برائی پہنچے تو وہ پہنچ کر رہے گی اگر اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمہیں اچھائی اور خوشی نصیب ہو تو ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ اس کے فیصلہ کے بعد نہ کوئی برائی سے بچا سکے اور نہ کوئی اس کی رحمت سے روک سکے۔ انہیں ماننا پڑے گا کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی نہ ساتھی ہے نہ حمایتی اور نہ مددگار۔

ابھی منافقین کی مذمت اور تشنیع اگلی آیات میں جاری ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ

اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے (نسبی یا وطنی) بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ، اور لڑائی میں

الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝١٨ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ

بہت ہی کم آتے ہیں۔ تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے سو جب خوف پیش آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں

اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ

کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تم کو تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں

اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۗ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۗ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝١٩

مال پر حرص لئے ہوئے، یہ لوگ ایمان نہیں لائے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار کر رکھے ہیں، اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي

ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (ابھی تک) یہ لشکر گئے نہیں، اور اگر (بالفرض) یہ (گئے ہوئے) لشکر (پھر لوٹ کر) آجاویں تو (پھر تو) یہ لوگ (اپنے لئے) یہی پسند کریں

الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۗ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢٠ ع

کہ کاش ہم دیہاتوں میں باہر جا رہیں کہ تمہاری خبریں پوچھتے رہیں اور اگر تم ہی میں رہیں تب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں۔

قَدْ يَعْلَمُ خوب جانتا ہے	اللّٰهُ اللہ	الْمُعَوِّقِيْنَ روکنے والے	مِنْكُمْ تم میں سے	وَالْقَآئِلِيْنَ اور کہنے والے	لِاِخْوَانِهِمْ اپنے بھائیوں سے		
هَلُمَّ آجاؤ	اِلَيْنَا ہماری طرف	وَلَا يَاْتُوْنَ اور نہیں آتے	الْبَاْسَ لڑائی	اِلَّا مگر	قَلِيْلًا بہت کم	اَشِحَّةً بخل کرتے ہوئے	عَلَيْكُمْ تمہارے متعلق
فَاِذَا جَآءَ پھر جب آئے	الْخَوْفُ خوف	رَاَيْتَهُمْ تم دیکھو گے انہیں	يَنْظُرُوْنَ وہ دیکھنے لگتے ہیں	اِلَيْكَ تمہاری طرف	تَدُوْرُ گھوم رہی ہیں		
اَعْيُنُهُمْ انکی آنکھیں	كَالَّذِيْ اس شخص کی طرح	يُغْشٰى غشی آتی ہے	عَلَيْهِ اس پر	مِنَ الْمَوْتِ موت سے	فَاِذَا پھر جب	ذَهَبَ چلا جائے	
الْخَوْفُ خوف	سَلَقُوْكُمْ تمہیں طعنے دینے لگیں	بِاَلْسِنَةٍ زبانوں سے	حِدَادٍ تیز	اَشِحَّةً بخیلی (لالچ) کرتے ہوئے	عَلَى الْخَيْرِ مال پر	اُولٰٓئِكَ یہ لوگ	
لَمْ يُؤْمِنُوْا نہیں ایمان لائے	فَاَحْبَطَ اللّٰهُ تو اکارت کردیے اللہ نے	اَعْمَالَهُمْ ان کے عمل	وَكَانَ اور ہے	ذٰلِكَ یہ	عَلَى اللّٰهِ اللہ پر	يَسِيْرًا آسان	
يَحْسَبُوْنَ وہ گمان کرتے ہیں	الْاَحْزَابَ لشکر	لَمْ يَذْهَبُوْا نہیں گئے ہیں	وَاِنْ يَّاْتِ اور اگر آئیں	الْاَحْزَابُ لشکر	يَوَدُّوْا وہ تمنا کریں	لَوْ اَنَّهُمْ کہ کاش وہ	
بَادُوْنَ باہر نکلے ہوئے ہوتے	فِي الْاَعْرَابِ دیہات میں	يَسْاَلُوْنَ پوچھتے رہتے	عَنْ سے	اَنْۢبَآئِكُمْ تمہاری خبریں	وَلَوْ اور اگر	كَانُوْا ہوں	
فِيْكُمْ تمہارے درمیان	مَا قٰتَلُوْا جنگ نہ کریں	اِلَّا مگر	قَلِيْلًا بہت کم				

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں مومنین مخلصین کے مقابلہ میں منافقین کی حالت جنگ احزاب کے موقع پر بیان کی گئی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے غلبہ و اثرات کو دیکھ کر بعض یہود وغیرہ محض پالیسی کے ماتحت ظاہراً مسلمان بن گئے تھے اور مسلمانوں کی طرح ان میں مل کر نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور دوسرے سب اسلامی اعمال بجالاتے تھے۔ اور جہاد میں بھی دکھلاوے کے لئے شریک ہوجاتے تھے مگر جنگ سے جان بچانے کے لئے حیلہ بہانہ ڈھونڈتے تھے تو ایسے لوگوں کی جن کے دلوں میں نفاق اور شک کا مرض بھرا ہوا تھا اور صدق دل سے اخلاص کے ساتھ اسلام قبول نہیں کیا تھا ان کی مذمت فرمائی گئی تھی۔

انہیں منافقین کے بعض احوال اور اقوال جو ان سے اس جنگ احزاب کے موقعہ پر ظاہر ہوئے ان آیات میں بیان فرمائے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں گھسے ہوئے ہیں اور ظاہری وضع داری اور دکھاوے کو شرما شرمی بھی میدان میں آ کھڑے ہوتے ہیں ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے مزا اڑاتے ہیں اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو سچے مسلمان ہیں جہاد میں جانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لشکر کو چھوڑو اور ہمارے پاس آ جاؤ وہاں اپنی جان کیوں کھوتے ہو۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک منافق نے یہ بات اپنے حقیقی بھائی سے کہی تھی اور اس وقت یہ کہنے والا بھنا ہوا گوشت اور روٹیاں کھا رہا تھا۔ مسلمان بھائی نے کہا کہ افسوس تو اس چین میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تکلیف میں۔ تو اس پر وہ بولا کہ تم بھی یہیں چلے آؤ۔ آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کا ساتھ دینے سے دریغ رکھتے ہیں۔ اپنی محنت۔ اپنے اوقات۔ اپنی فکر۔ اپنے مال کوئی چیز بھی وہ جہاد اور مسلمانوں کی ہمدردی اور بہی خواہی میں صرف کرنے کے لئے بخوشی تیار نہیں ہیں جبکہ مومنین صادقین اپنا سب کچھ جھونکے دے رہے ہیں اور جان کی بازی لگانا تو بڑی چیز ہے وہ کسی کام میں بھی کھلے دل سے اہل ایمان کا ساتھ دینا نہیں چاہتے۔ ان کی بزدلی۔ حرص اور بخیلی کی تو یہ کیفیت ہے کہ وہ جنگ میں آتے ہی نہیں مگر کبھی کبھی کہ جس میں ذرا نام ہوجاوے اور مسلمان ان سے بالکل ہی بدک نہ جائیں۔ ہاں مال غنیمت حاصل کرنے کا موقع آئے تو حرص کے مارے چاہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے سارا مال ہمیں سمیٹ کرلے جائیں۔ جب کوئی خوف اور خطرہ کا وقت آ جاتا ہے تو چہرہ پر مردنی چھا جاتی ہے اور ایسے اڑے وقت میں رفاقت سے جی چراتے ہیں۔ ڈر کے مارے جان نکلتی ہے۔ اور خوف و خطر کا وقت جاتا رہا تو آ کر باتیں بناتے ہیں۔ اور زبان کی بڑی تیزی دکھاتے ہیں اور بڑھ بڑھ کر مطالبہ کرتے ہیں کہ لاؤ ہمارا حصہ۔ ہم نے بھی خدمات انجام دی ہیں۔ ہماری ہی پشت پناہی سے یہ فتح حاصل ہوئی ہے۔ اپنے مصنوعی کارنامے جتانے لگتے ہیں اور دوسروں کو طعنے دیتے ہیں کہ واہ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ ان لوگوں کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے دل میں ایمان کا نام نہیں۔ اور جب اللہ و رسول پر ایمان نہیں تو کوئی عمل مقبول نہیں یعنی ظاہراً اسلام قبول کرلینے کے بعد جو نمازیں انہوں نے پڑھیں یا جو روزے رکھے یا جو زکوٰتیں دیں اور بظاہر جو نیک کام بھی کئے ان کاموں کی اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کالعدم قرار دے گا اور ان کا کوئی اجر وثواب آخرت میں نہ ملے گا۔ بغیر ایمان کچھ بھی کرے سب اکارت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ اعمال کی ظاہری شکل پر نہیں ہوتا بلکہ یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ اس ظاہر کی تہ میں ایمان و خلوص ہے یا نہیں تو جب یہ چیز سرے سے ان کے اندر موجود ہی نہیں تو یہ دکھاوے کے اعمال سراسر بے معنی ہیں۔

آیت کا یہ حصہ **اولئک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالھم۔** یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار کر رکھے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ اس وقت کے منافقین یعنی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منافقین جو اللہ اور رسول کا ظاہراً اقرار کرتے تھے۔ نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ روزے بھی رکھتے تھے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ دوسرے نیک کاموں میں بھی ظاہراً شریک

ہوتے تھے ان کے بارے میں صاف صاف فیصلہ دیا گیا کہ یہ لوگ سرے سے ایمان لائے ہی نہیں اور بے ایمان کچھ ہی کرے سب اکارت ہے۔ اس کے اعمال کوئی وزن اور قیمت نہیں رکھتے ان پر کوئی اجر وثواب آخرت میں نہیں۔ رہے اس وقت کے منافقین وہ تو نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں نہ ظاہراً شریعت کے احکام کی پابندی کریں لیکن پھر بھی اسلام اور ایمان کے لمبے چوڑے دعوے ہیں۔ لیکن وہ اپنی حقیقت کو سن لیں اُولٰئک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالھم سورۂ بقرہ میں منافقین کے ذکر کے سلسلہ میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخرۃ وما ھم بمؤمنین یخدعون اللہ والذین اٰمنوا۔

اور لوگوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان والے ہیں)

تو جیسے پہلے منافقین اسلام کا لیبل لگا کر اسلام کو جڑ بنیاد سے اکھیڑنا اور ختم کرنا چاہتے تھے اسی طرح موجودہ دور کے منافقین جو بظاہر اسلام کا نام لیتے ہیں مگر دل سے حقیقی اسلام کو مسخ کر کے ایک ماڈرن اسلام کے خواہشمند ہیں کہ جس میں نہ حلال حرام کی تمیز ہو۔ نہ جائز ناجائز کی قید ہو۔ نہ نماز روزہ کی پابندی ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے مارآستینوں سے اس ملک کو پاک فرمائیں۔

آگے انہی منافقین مدینہ کی بزدلی کی حالت بیان کی گئی کہ کفار کی فوجیں ناکام واپس جا چکیں لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو ان کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا اور بالفرض کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کر دیں تو ان کی تمنا یہی ہوگی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں اور کہیں دور دیہات میں چلے جائیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے یعنی باتوں میں تمہاری خیر خواہی جتادیں اور لڑائی میں کام نہ دیں۔ محض مجبوری کو برائے نام شرکت کریں۔

تو جنگ احزاب کے موقع پر منافقوں کی کفار کے لشکر عظیم کو دیکھ کر جو حالت ہوئی اور جو ان کے منہ سے باتیں نکلیں اس کا بیان ہوا۔ اب آگے اس کا بیان ہے کہ ایماندار مخلص مومنین کی دشمنوں کو دیکھ کر کیا حالت ہوئی جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ شک ونفاق کی بیماریوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں اور حقیقی ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرمائیں۔ اور دکھانے سنانے کے لئے اعمال کرنا جو منافقوں کی خصلت ہے اس سے ہم کو محفوظ رکھیں اور ہر حال میں ہم کو اخلاص کے ساتھ دین سے وابستہ رہنے کا عزم وہمت عطا فرمائیں۔ یا اللہ! اپنے دین کی خدمت کے لئے ہم کو بھی توفیق عطا فرما اور کسی نہ کسی درجہ میں دین کے لئے ہمیں بھی جانی مالی قربانی کی سعادت نصیب فرما۔ یا اللہ! اب باطل اور کفار ومشرکین سے جنگ وجہاد کا جذبۂ ایمانی امت مسلمہ کے دلوں میں بھی سرد پڑ گیا ہے۔ دنیا کی محبت اور مال کی حرص پیدا ہوگئی ہے۔

یا اللہ! ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طفیل میں جنہوں نے دین اسلام کے لئے ہر طرح کی جان ومال کی قربانی دے کر اسلام کی حفاظت فرمائی اور دنیا میں پھیلا دیا۔ ہمیں بھی اپنے دین اسلام کے لئے جانی ومالی قربانی جس کا اسلام مطالبہ کرے دینے کا عزم وہمت عطا فرما۔ یا اللہ! ہمیں اپنے دین اسلام کا سچا وفادار سپاہی بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر ہمیں موت نصیب فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ

تم لوگوں کیلئے یعنی ایسے شخص کیلئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ اور جب ایمانداروں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ و رسول نے خبر دی تھی اور اللہ و رسول نے سچ فرمایا تھا

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا

اور اس سے ان کے ایمان اور طاعت میں ترقی ہوگئی۔ ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا

مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے، پھر بعضے تو اُن میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعضے اُن میں مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ

یہ واقعہ اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے ان کو توبہ کی توفیق دے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى

بیشک اللہ غفور الرحیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کی کچھ بھی مُراد پُوری نہ ہوئی اور جنگ میں

اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کیلئے آپ ہی کافی ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑا زبردست ہے۔

لَقَدْ كَانَ البتہ ہے یقیناً	لَكُمْ تمہارے لئے	فِيْ میں	رَسُوْلِ اللّٰهِ اللہ کا رسول	اُسْوَةٌ مثال (نمونہ)	حَسَنَةٌ اچھا بہترین	لِّمَنْ اس کیلئے جو		
كَانَ يَرْجُوا امید رکھتا ہے	اللّٰهَ اللہ	وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ اور روز آخرت	وَذَكَرَ اللّٰهَ اور اللہ کو یاد کرتا ہے	كَثِيْرًا کثرت سے	وَلَمَّا اور جب			
رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ مومنوں نے دیکھا	الْاَحْزَابَ لشکروں کو	قَالُوْا وہ کہنے لگے	هٰذَا یہ ہے	مَا وَعَدَنَا جو ہم کو وعدہ دیا	اللّٰهُ اللہ	وَرَسُوْلُهٗ اور اس کا رسول		
وَصَدَقَ اور سچ کہا تھا	اللّٰهُ اللہ	وَرَسُوْلُهٗ اور اس کا رسول	وَمَا اور نہ	زَادَهُمْ ان کا زیادہ کیا	اِلَّآ مگر	اِيْمَانًا ایمان	وَّتَسْلِيْمًا اور فرماں برداری	
مِنَ سے (میں)	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن	رِجَالٌ ایسے آدمی	صَدَقُوْا انہوں نے سچ کر دکھایا	مَا عَاهَدُوا جو انہوں نے عہد کیا	اللّٰهَ اللہ	عَلَيْهِ اس پر	فَمِنْهُمْ سو ان میں سے	
مَّنْ جو	قَضٰى پورا کر چکا	نَحْبَهٗ نذر اپنی	وَمِنْهُمْ اور ان میں سے	مَّنْ جو	يَّنْتَظِرُ انتظار میں ہے	وَمَا بَدَّلُوْا اور انہوں نے تبدیلی نہیں کی		
تَبْدِيْلًا کچھ بھی تبدیلی	لِّيَجْزِيَ تا کہ جزا دے	اللّٰهُ اللہ	الصّٰدِقِيْنَ سچے لوگ	بِصِدْقِهِمْ ان کی سچائی کی	وَيُعَذِّبَ اور وہ عذاب دے			
الْمُنٰفِقِيْنَ منافقوں	اِنْ شَآءَ اگر وہ چاہے	اَوْ یا	يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ وہ ان کی توبہ قبول کرلے	اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ	كَانَ ہے	غَفُوْرًا بخشنے والا		
رَّحِيْمًا مہربان	وَرَدَّ اور لوٹا دیا	اللّٰهُ اللہ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کافر	بِغَيْظِهِمْ انکے غصے میں بھرے ہوئے	لَمْ يَنَالُوْا انہوں نے نہ پائی			
خَيْرًا کوئی بھلائی	وَكَفَى اور کافی ہے	اللّٰهُ اللہ	الْمُؤْمِنِيْنَ مومن	الْقِتَالَ جنگ	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	قَوِيًّا توانا	عَزِيْزًا غالب

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں منافقین جو مسلمانوں میں ملے جلے ہوئے تھے ان کا رویہ اور ان کے اقوال واحوال کا بیان تھا جو انہوں نے جنگ احزاب کے موقع پر ظاہر کیا۔ منافقین کی مذمت فرماتے ہوئے یہ صاف صاف اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمادیا گیا کہ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار اور ضائع کردیئے اور آخرت میں انہیں کوئی اجر وثواب کسی عمل پر نہیں ملے گا۔ آگے اب ان آیات میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو ایک بہترین نمونہ ہونا بتلایا گیا کہ اس جنگ احزاب کے موقع پر بھی جو صبر وتحمل اور استقامت اور عدیم المثال شجاعت اور اخوت ومساوات کی مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیں وہ اس قابل ہیں کہ ہر مدعی اسلام انہیں اپنی زندگی کا جزو عظیم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی متصف ہونے کی کوشش کریں۔ جو لوگ اس موقع پرست پنار ہے تھے اور گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کر رہے تھے ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم نے میرے نبی کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو تم میں موجود تھے ان کا نمونہ تمہارے سامنے موجود تھا تمہیں صبر واستقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ استقامت اور ثابت قدمی اور استقلال واطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے موجود تھا۔ پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ تم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے نمونہ اور نظیر نہ بناتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ ہر مشقت جس کا آپ نے دوسروں سے مطالبہ کیا اسے برداشت کرنے میں آپ خود بنفس نفیس سب کے ساتھ شریک تھے۔ بلکہ دوسروں سے بڑھ کر ہی آپ نے حصہ لیا۔ کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو دوسروں نے اٹھائی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اٹھائی ہو۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کے کھودنے ۔ پتھر کے توڑنے اور مٹی کے اٹھانے میں آپ خود شامل تھے۔ بھوک اور سردی کی تکلیف اٹھانے میں ایک ادنیٰ مسلمان کے ساتھ آپ کا حصہ بالکل برابر کا تھا۔ محاصرے کے دوران میں آپ ہر وقت محاذ جنگ پر موجود رہے اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس جہاد کے ادائے فرض، اور مشغولیت میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جیسا فریضہ قضا ہوگیا اور ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عصر کی نماز مغرب کے وقت ادا فرمائی۔ بنی قریظہ کی غداری کے بعد جس خطرے میں تمام مسلمانوں کے بال بچے مبتلا تھے اسی حال میں آپ کے گھر والے بھی مبتلا تھے۔ آپ نے اپنی حفاظت اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لئے کوئی خاص اہتمام نہ فرمایا کہ جو دوسرے مسلمانوں کے لئے نہ ہو۔ جس مقصد عظیم کے لئے آپ دوسروں سے قربانیوں کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اسی پر سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر آپ خود اپنا سب کچھ قربان کردینے کو تیار تھے۔ اس لئے جو کوئی بھی آپ کے اتباع کا مدعی تھا اسے یہ نمونہ دیکھ کر اس کی پیروی کرنی چاہئے تھی۔ یہ تو اس ارشاد لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (بالیقین تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ تھا) موقع اور محل کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم ہوا جو اوپر عرض کیا گیا مگر آیت کے الفاظ عام ہیں اور اس کے منشا کو صرف اسی معنی تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف اسی لحاظ سے اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے بلکہ مطلقاً آپ کی ذات کو نمونہ قرار دیا لہٰذا اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک کلمہ گو ہر معاملہ میں آپ کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ کی زندگی سمجھے اور اس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل اقوال وافعال واحوال کا اقتدا اور پیروی اور تابعداری کرے اور ہر معاملہ میں اور ہر حرکت وسکون اور نشست و

برخاست میں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے۔اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ظاہراً و باطناً تمام احوال میں نصیب فرمائیں۔آمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کی طرف توجہ دلانے کے بعد آگے اللہ تعالیٰ مومنین مخلصین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طرزِ عمل اور ان کے اقوال واحوال کو بیان فرماتے ہیں تا کہ ایمان کے جھوٹے مدعیوں اور سچے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والوں کا کردار ایک دوسرے کے مقابلہ میں پوری طرح نمایاں ہوجائے اور یہ صاف معلوم ہوجائے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص وفادار کون ہیں اور محض نام کے مسلمان کون ہیں۔چنانچہ بتلایا جاتا ہے کہ مومنین مخلصین نے جب دیکھا کہ اعدائے دین اور کفار ومشرکین کی ٹڈی دل فوج اکٹھی ہوکر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے ان کی اطاعت شعاری اور اللہ کی فرمانبرداری کا جذبہ اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر انکا یقین اور زیادہ بڑھ گیا اور وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کی خبر اللہ اور رسول نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق انکا وعدہ ہوچکا تھا۔مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ کے جن وعدوں کی طرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذہن گیا وہ وہ وعدے ہیں کہ سخت آزمائشوں سے تم کو گزرنا ہوگا۔مصائب کے پہاڑ تم پر ٹوٹ پڑیں گے گراں ترین قربانیاں تمہیں دینی ہوں گی پھر اللہ تعالیٰ کی بھی عنایات خاصہ تم پر ہوں گی اور تمہیں دنیا وآخرت کی وہ کامیابیاں اور سرفرازیاں بخشی جائیں گی جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے جیسے کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم ط مستهم الباسآء والضرآء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معه متی نصر الله ط الا ان نصر الله قریب٥ کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ بس جنت میں یونہی داخل ہوجاؤ گے حالانکہ وہ حالات تو ابھی تم پر گزرے ہی نہیں جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکے ہیں۔انہیں سختیاں اور مصیبتیں پیش آئیں اور انہیں ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ پیغمبر اور جو لوگ ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔سن لو اللہ کی مدد یقیناً قریب ہی ہے۔" یا جیسا سورۂ عنکبوت میں فرمایا گیا ہے" کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس یہ کہنے پر وہ چھوڑ دیئے جائیں گے کہ" ہم ایمان لائے" اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم نے ان سب لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔" تو اس کفار ومشرکین کے سیلاب بلا کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان اور بڑھ گئے اور وہ اور زیادہ جذبۂ یقین واطمینان کے ساتھ سب کچھ جان ومال کی قربانیاں دینے پر آمادہ ہوگئے۔

آگے انہیں مومنین مخلصین کے بعض اوصاف اور بیان کئے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ منافقین کے برعکس جو بے حیائی کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گئے اور اپنے عہد کو توڑ دیا ان مومنین نے اپنا عہد و پیمان سچا کر دکھایا۔بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زبان دے چکے تھے پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے۔اور ان مومنین میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی اور شہید ہوگئے اور بہت سے مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔صحابۂ

کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جذبہ جہاد اور شہادت کا شوق اللہ اکبر! تاریخ ایسے واقعات سے لبریز ہے یہاں صرف ایک واقعہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تبرکاً بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاؤں سے لنگڑے تھے غزوۂ اُحد میں شوق ہوا کہ میں بھی میدان جنگ میں جاؤں۔ لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو۔ لنگڑے پن کی وجہ سے چلنا دشوار ہے۔ انہوں نے فرمایا کیسی بری بات ہے کہ میرے بیٹے تو جنت میں جائیں اور میں رہ جاؤں۔ بیوی صاحبہ نے بھی ابھارنے کے لئے طعنہ کے طور پر کہا کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ وہ لڑائی سے بھاگ کر لوٹ آئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر ہتھیار لئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی اللّٰھم لاتردنی الی اھلی اے اللہ مجھے اپنے گھر والوں کی طرف نہ لوٹائیو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پیر سے جنت میں چلوں پھروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو معذور کیا ہے تو نہ جانے میں کیا حرج ہے۔ انہوں نے پھر خواہش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو کو لڑائی میں دیکھا کہ اکڑتے ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم میں جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کا ایک بیٹا بھی دوڑتا ہوا ان کے پیچھے جاتا تھا۔ دونوں لڑتے رہے حتیٰ کہ دونوں شہید ہو گئے۔ ان کی بیوی اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو لاد کر دفن کے لئے مدینہ لانے لگیں تو اونٹ بیٹھ گیا۔ ہر چند اس کو مار کر اٹھایا اور مدینہ لانے کی کوشش کی مگر وہ اُحد کی طرف منہ کرتا تھا۔ ان کی بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ کو یہی حکم ہے عمرو گھر سے چلتے ہوئے کچھ کہہ کر گئے تھے انہوں نے عرض کیا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی تھی اللّٰھم لاتردنی الی اھلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی وجہ سے یہ اونٹ اس طرف نہیں جاتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات کے خلوص اور دین سے عشق کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرما دیں۔

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ جہاد صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی پر فرض نہ تھا بلکہ اس کا وجوب اسلام میں ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس لئے جذبۂ جہاد سے کسی زمانہ میں کسی مسلمان کا دامن خالی نہیں رہنا چاہئے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر گیا اور اس نے اللہ کے راستہ میں نہ کبھی جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کا خطرہ گزرا تو وہ اپنے ساتھ نفاق کا ایک شعبہ لے کر مرا۔ اس حدیث شریف پر حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے "ترجمان السنۃ" میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں غزوات ہی سے مومن مخلص اور منافق کے درمیان پورا امتیاز ہوا کرتا تھا جو مومن تھے وہ تو پروانہ وار آتش جنگ میں کود پڑتے تھے اور جو منافق تھے وہ دم چرا جاتے تھے۔ درحقیقت ایک مومن کی شان یہی ہونی بھی چاہئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے بے چین نظر آئے اور یہی اس کا ثبوت ہوگا کہ خدا اور رسول کی محبت اس کے قلب میں تمام محبتوں پر غالب ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسا نادر موقع اس کے ہاتھ نہ آئے تو کم از کم اس تمنا میں تو اس کا دل ہمیشہ رہنا چاہئے۔ اگر ایسا بھی نہیں تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اس کا دعویٔ ایمان صرف زبانی ہی زبانی ہے۔ اس کا قلب جذبات محبت سے یکسر خالی ہے یہ بھی ظاہر و باطن میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس لئے اس کو بھی نفاق کا شعبہ کہا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تصدیق فرمارہے ہیں کہ ان مومنین میں سے بعضے تو وہ ہیں جو اپنے عہد و پیمان پورے کر چکے مطلب یہ کہ شہید ہو چکے اور اخیر دم تک منہ نہیں موڑا اور بعضے وہ ہیں جو اس شہادت کے مشتاق ہیں اور اپنے عزم پر قائم ہیں۔ آگے اس غزوۂ احزاب کی ایک حکمت بیان فرمائی جاتی ہے کہ یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ جو عہد کے پکے اور قول وقرار کے سچے رہے ان کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے اور بدعہد دغاباز منافقوں کو اللہ تعالیٰ چاہے سزا دے اور یا توبہ کی توفیق دے کر معاف فرمادے۔ آگے دشمنانِ دین کی حالت کا ذکر ہے کہ کفار کا لشکر ذلت وناکامی سے پیچ وتاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا میدان چھوڑ کر واپس ہوا۔ نہ فتح ملی۔ نہ کچھ سامان ہاتھ آیا۔ ہاں عمرو بن عبدود جیسا ان کا نامور سوار جسے کفار ایک ہزار سواروں کے برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عمرو نے کوشش کر کے ایک جگہ سے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر خندق کو پار کر لیا تھا جس پر فوراً مقابلہ کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور اس مقابلہ میں یہ کافر مارا گیا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار درہم لے کر عمرو کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاش دے دو ہمیں قیمت درکار نہیں۔

اخیر میں اس جنگ احزاب کے واقعہ کو اس پر ختم فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا فرمادیا کہ کفار ازخود سراسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے اور اس طرح کافروں کا ہٹا دینا کچھ عجیب نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ زبردست قوت والا ہے۔

یہاں تک تو جنگ احزاب کا ذکر تھا۔ اب دوسرا گروہ مخالفین میں یہود بنی قریظہ کا تھا آگے ان کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع ظاہراً وباطناً تمام احوال میں نصیب فرمائیں اور آپ کی سچی محبت وعظمت کے ساتھ سچا اتباع وپیروی نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے عہد و پیمان کا جو ہم نے کلمہ پڑھ کر اللہ اور رسول سے باندھ لیا ہے اس کو پورا کرنے اور اس پر سچی طرح قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمان کے طفیل میں ہم کو بھی دین پر استقامت نصیب فرما۔ اور دین کے لئے جان مال کی قربانی پیش کرنے کا عزم عطا فرما۔ یا اللہ! اب حقیقی اسلامی جذبۂ جہاد سے ہمارے دل خالی ہوتے جارہے ہیں۔ اور آپ کی قوت اور قدرت کا یقین اٹھتا جارہا ہے۔ اور اسی وجہ سے کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ کا غلبہ ہم پر چھاتا جارہا ہے۔ اور ہم ذلت اور رسوائی کے شکار ہورہے ہیں۔ یا اللہ! آپ نے اپنی رحمت وقدرت سے عرب کے کفار ومشرکین ہی کو ہدایت سے نواز کر اسلام کا سچا خادم بنادیا اور ان حضرات کو جہاد کی وہ توفیق عطا فرمائی کہ دنیا پر ان کی ڈھاک بیٹھ گئی۔

یا اللہ! ہم ان ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسلام کے سچے عاشقین کے نام لیوا ہیں۔ اس نسبت سے ہم پر اور ہماری قوم پر اور عالم اسلام پر اپنے کرم ورحم کی نظر فرمادے اور ہم کو حقیقی اور اسلامی جذبہ جہاد پھر عطا فرمادے۔ اور اپنی ہدایت۔ نصرت اور امداد سے نواز دے۔ اور دین اسلام کے لئے ہم کو بھی جان ومال کی قربانی پیش کرنے کی سعادت عطا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی اُن کو اُن کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور اُن کے دلوں میں

الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۚ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

تمہارا رعب بٹھادیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرلیا۔ اور اُن کی زمین اور اُن کے گھر اور اُن کے مالوں کا تم کو مالک بنادیا

وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۟

اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

وَاَنْزَلَ اور اتار دیا	الَّذِيْنَ ان لوگوں کو	ظَاهَرُوْهُمْ جنہوں نے ان کی مدد کی	مِنْ سے	اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب	مِنْ سے	صَيَاصِيْهِمْ انکے قلعے
وَقَذَفَ اور ڈال دیا	فِيْ میں	قُلُوْبِهِمُ ان کے دل	الرُّعْبَ رعب	فَرِيْقًا ایک گروہ	تَقْتُلُوْنَ تم قتل کرتے ہو	وَتَاْسِرُوْنَ اور تم قید کرتے ہو
فَرِيْقًا ایک گروہ	وَ اور	اَوْرَثَكُمْ تمہیں وارث بنا دیا	اَرْضَهُمْ ان کی زمین	وَدِيَارَهُمْ اوران کے گھر	وَاَمْوَالَهُمْ اور ان کے مال	
وَاَرْضًا اور وہ زمین	لَّمْ تَطَـُٔوْهَا تم نے وہاں قدم نہیں رکھا	وَكَانَ اور ہے	اللّٰهُ اللہ	عَلٰى پر	كُلِّ شَيْءٍ ہر شے	قَدِيْرًا قدرت رکھنے والا

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ دوسرے رکوع کی ابتدا سے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے اپنا ایک احسان اور فضل جنگ احزاب کے متعلق یاد دلایا تھا جس کی تفصیلات گذشتہ درس تک بیان ہوتی رہیں۔ جنگ احزاب کا ذکر گذشتہ آیات پر اس طرح ختم فرمایا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل سے کفار کو ناکام ونامراد میدان جنگ سے بھگا دیا اب آگے ان آیات میں ایک دوسرے فضل واحسان کو یاد دلایا جاتا ہے جو غزوۂ بنی قریظہ سے متعلق ہے اور جو یہود کے ساتھ پیش آیا۔ لفظ "یہود" سے اگرچہ صرف وہی ایک قبیلہ مراد ہونا چاہئے جو یہودا ابن یعقوب کی نسل سے تھا لیکن اصطلاحاً بنی اسرائیل کے ۱۲ قبائل ہی کا نام یہود ہوگیا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے ابتدائی زمانہ میں خدا کی مقبول اور برگزیدہ قوم تھی لیکن آخر میں وہ خدا سے اس قدر دور ہوتے گئے کہ خدا کے غضب کی مستحق ٹھہری۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مکہ میں تو صرف ایک قوم قریش کا زور اور حکومت تھی اور سب کا مذہب بھی زیادہ تر بت پرستی تھا۔ مدینہ مختلف اقوام اور مذاہب کا مجموعہ تھا وہاں بت پرست بھی تھے۔ اور یہودی بھی۔ اور کم تعداد میں عیسائی بھی۔ یہودیوں کے زبردست قبیلے بنو نضیر بنو قینقاع۔ بنو قریظہ تھے جو اپنے جداگانہ قلعوں میں مضافات مدینہ میں رہا کرتے۔ تجارت اور سودخوری کی وجہ سے بہت مالدار تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ہجرت کے پہلے ہی سال یہ مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے ایک معاہدہ بین الاقوامی اصول پر کرلیا جائے تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف میں بھی سب کو تمدن اور تہذیب اور معاشرت میں ایک دوسرے سے مدد واعانت ملتی رہے۔ چنانچہ ایک معاہدہ پر مدینہ کی تمام آباد قوموں اور قبیلوں کے دستخط ہوئے۔ یہود اگرچہ ہجرت کے پہلے ہی سال معاہدہ کر کے امن عامہ کا پیمان باندھ چکے تھے لیکن ان کی فطری شرارت اور خباثت نے زیادہ دیر تک چھپا رہنا پسند نہ کیا اور معاہدہ سے ڈیڑھ سال ہی کے بعد یہود کی شرارتوں کا آغاز ہوگیا۔ جب مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں بدر کی جانب گئے ہوئے تھے انہی دنوں میں ایک مسلمان عورت قبیلہ بنو قینقاع کے محلہ میں دودھ بیچنے گئی۔ چند یہودیوں نے شرارت کی اور

اسے سربازار برہنہ کردیا۔عورت کی چیخ پکار سن کر ایک مسلمان موقع پر جا پہنچا اس نے طیش میں آکر فساد انگیز یہودیوں کو قتل کردیا۔اس پر اس قبیلہ کے سب یہودی جمع ہوگئے اس مسلمان کو بھی شہید کردیا اور بلوہ بھی کیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے واپس آکر یہودیوں کو اس بلوہ کے متعلق دریافت کرنے کے لئے بلایا جس پر انہوں نے معاہدہ کا کاغذ بھیج دیا اور خود جنگ پر آمادہ ہوگئے یہ حرکت اب بغاوت تک پہنچ گئی تھی اس لئے ان کو یہ سزادی گئی کہ مدینہ چھوڑ دیں اور خیبر میں جا آباد ہوں۔یہود کی دوسری شرارت قبیلہ بنونضیر سے ہوئی۔قریش مکہ نے بدر میں شکست کھانے کے بعد یہود مدینہ کو لکھا کہ تم جائیدادوں اور قلعوں کے مالک ہو۔تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو۔ورنہ ہم تمہارے ساتھ ایسا اور ایسا کریں گے تمہاری عورتوں کی پازیبیں تک اتارلیں گے۔اس خط کے ملنے پر بنونضیر نے عہد شکنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فریب کرنے کا ارادہ کیا۔انہوں نے سازش کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بہانہ سے اپنے ہاں بلایا اور جبکہ آپ ایک یہودی کے مکان کی دیوار کے نیچے بیٹھے تھے تو انہوں نے یہ تدبیر کرنی چاہی کہ دیوار کے اوپر جاکر ایک بھاری پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر گرا کر آپ کی زندگی کا خاتمہ کردیں۔آپ کو باعلان ربانی اس شرارت کا علم ہوگیا اور حفاظت الٰہی سے بچ کر چلے آئے۔آپ نے ان کی اس شرارت کی بنا پر ان کو نوٹس دے دیا کہ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ ورنہ پھر سزادی جائے گی۔پہلے تو بنونضیر نے مقابلہ کی ٹھانی چنانچہ محاصرہ کرلیا گیا اور بالآخر ان کو یہ سزادی گئی کہ یہ مدینہ سے نکل جائیں چنانچہ چھ سو اونٹوں پر انہوں نے سباب لادا اور اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو گرا کر وہاں سے نکلے اور خیبر وغیرہ میں جا بسے یہ خیبر پہنچ کر بھی امن سے نہیں بیٹھے کہ انہوں نے یہ عزم کیا کہ مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لئے ایک متفقہ کوشش کی جائے جس میں عرب کے تمام قبائل اور جملہ مذاہب کے جنگجو شامل ہوں۔

انہوں نے ۲۰ سردار مقرر کئے کہ جو عرب کے تمام قبائل کو حملہ کے لئے آمادہ کریں۔یہود کی اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس بارہ ہزار کا خونخوار لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا۔اور وہ یہی جنگ احزاب تھی جس کا گذشتہ آیات میں بیان ہوا جب کہ قریب ایک ماہ کے مدینہ کا محاصرہ رہا۔

یہود بنی قریظہ جس کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی مشرقی جانب تھا اور جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے اور جن پر بربنا پابندیٔ معاہدہ مسلمانوں کا ساتھ دینا ضروری تھا وہ بھی نضیری یہود کی ترغیب وترہیب سے نقض عہد پر آمادہ ہوگئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار باران کے پاس سمجھانے کو آدمی بھیجے مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں کہ ہم ان کی بات مانیں۔ان کا ہم سے کوئی عہد و پیمان نہیں۔اس کے بعد بنوقریظہ نے شہر مدینہ کے امن میں بھی خلل ڈالنا شروع کردیا۔اور مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو خطرہ میں ڈال دیا۔بنوقریظہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جب باہر سے دس بارہ ہزار کا جرار لشکر حملہ آور ہوگا اور شہر کے اندر غدر پھیلا کر ہم مسلمانوں کی عافیت تنگ کردیں گے تو دنیا میں مسلمانوں کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا مگر اسی اثناء میں ایک رات اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر سخت طوفان ہوا کا مسلط فرمادیا جس کی وجہ سے لشکر پریشان ہوگیا۔سردی اور آندھی ناقابل برداشت بن گئی اور مجبوراً تمام لشکر اپنے ڈیرے ڈنڈے اٹھا کر رفو چکر ہوگیا۔جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہوکر چلے گئے تو بنوقریظہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احزاب سے فارغ ہوکر مدینہ واپس تشریف لائے اور غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ ظہر کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔چہرہ پر غبار کا اثر تھا۔فرمایا یارسول اللہ آپ نے ہتھیار اتار دیئے حالانکہ فرشتہ ہنوز ہتھیار بند ہیں۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ پر حملہ کیا جائے اور ان سے بھی اسی وقت نمٹ لیا جائے۔یہ حکم پاتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اعلان فرمادیا کہ جو کوئی سمع وطاعت پر قائم ہو وہ عصر

کی نماز اس وقت تک نہ پڑھے جب تک دیار بنی قریظہ پر نہ پہنچ جائے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کس قدر جذبۂ اطاعت وتسلیم تھا کہ بعض صحابہ کو راستہ ہی میں نماز عصر کا وقت ہوگیا تو کچھ حضرات نے کہا کہ ہم تو وہیں پہنچ کر نماز عصر پڑھیں گے بعض نے کہا کہ ہم تو پڑھ لیتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ نہ تھا کہ نماز قضا کردی جائے چنانچہ بعض صحابہ نے نماز عصر پڑھ لی اور بعض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری الفاظ کہ "ہر کوئی نماز عصر بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے"۔ اس کی پابندی کی اور وہیں جاکر نماز عصر پڑھی اگرچہ قضا ہوگئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا گیا تو آپ نے کسی سے بھی کچھ نہ فرمایا یعنی کسی پر نکیر نہیں کی۔ الغرض نہایت سرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے بدعہد یہودی بنی قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا جو ۲۵ دن جاری رہا۔ محاصرہ کی سختی سے بنو قریظہ تنگ آگئے اور انہوں نے قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو جن سے ان کا پہلے سے ربط ضبط تھا بیچ میں ڈالا اور اس شرط پر اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردیا کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے حق میں جو بھی فیصلہ کردیں گے اسے فریقین مان لیں گے۔ یہود نے حضرت سعد کو اس امید پر حکم یعنی منصف سرپنچ بنایا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس اور بنی قریظہ کے درمیان جو دوستانہ تعلقات مدتوں سے چلے آرہے تھے وہ ان کا لحاظ کریں گے۔ اور انہیں بھی اسی طرح مدینہ سے نکل جانے دیں گے جس طرح پہلے یہود بنی النضیر اور یہود بنی قینقاع کو نکل جانے دیا گیا تھا۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو قبول فرمالیا ادھر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جنگ احزاب میں آپ کے دشمنوں کا ایک تیر رگ میں لگا تھا جس سے خون جاری تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم پر داغ لگوایا تھا۔ آپ کو آدمی بھیج کر مدینہ سے بلوایا گیا بمشکل سواری پر سوار ہوکر حضرت سعد تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلم حکم کے فیصلہ دیا کہ۔

(۱) بنو قریظہ کے جنگجو مرد قتل کئے جائیں۔

(۲) عورتیں اور بچے سب قید غلامی میں لائے جائیں۔

(۳) ان کے اموال اور جائیداد کے مالک مہاجرین ہوں۔

اگر یہود بنی قریظہ اپنا معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کردیتے تو شاید ان کو زیادہ سے زیادہ جو سزا ہوتی وہ یہی ہوتی کہ مدینہ چھوڑ کر کہیں اور آباد ہوجاؤ۔ مگر اللہ کی مرضی اور ان کی بدعہدی کی سزا یہی تھی اور حضرت سعد نے یہ فیصلہ ٹھیک ان کی آسمانی کتاب توراۃ کے موافق دیا چنانچہ توراۃ کتاب استثناء میں ہے "جب کسی شہر پر تو حملہ کرنے کے لئے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کرلیں اور تیرے لئے دروازہ کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہوجائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کردے باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔" حضرت سعد کے اس فیصلہ کے مطابق سو یہودی جوان قتل کئے گئے کئی سو عورتیں اور لڑکے قید ہوئے اور ان کے املاک و اموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ جب مسلمان ان کے قلعوں میں داخل ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ جنگ احزاب میں حصہ لینے کے لئے ان غداروں نے ۱۵ سو تلواریں...... ۳۰۰ زرہیں۔ ۲۰۰۰ نیزے اور ۱۵۰۰ ڈھالیں فراہم کی تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تائید اہل اسلام کے شامل حال تھی یہ سارا جنگی سامان جو مسلمانوں پر حملہ کے لئے استعمال ہوتا وہ اب مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ انہی واقعات کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جن اہل کتاب یعنی یہود نے کافروں یعنی قریش مکہ کے لشکر کی ہمت افزائی کی تھی اور انکا ساتھ دیا تھا ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعے خالی کرادیئے اور یہود کے دل میں مسلمانوں کا رعب بٹھادیا اور خود ان کے تسلیم و تجویز کئے ہوئے حکم کے ذریعہ سے انکے جوان قتل

کیے گئے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا گیا اور ان کے مال و جائیداد پر مہاجرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبضہ کرلیا اور انصار پر سے ان کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور ساتھ ہی فتح خیبر کی خصوصاً یا فتوحات مستقبلہ کی عموماً بشارت بھی اس جملہ میں سنادی وارضالم تطوھا. اور ایسی زمین کا بھی تم کو اللہ نے اپنے علم ازلی میں مالک بنا رکھا ہے جس پر تم نے ابھی قدم تک نہیں رکھا۔ اکثر مفسرین نے اس زمین سے مراد خیبر کی زمین لی ہے جو مدینہ سے یہود کے نکلنے کے بعد۔ یہودیت کا مرکز بن گیا تھا جو اس کے دو برس بعد ہاتھ لگی۔ اور بعض مفسرین نے فتح مکہ یا بعد کی اسلامی فتوحات فارس وروم وغیرہ مراد لیا ہے۔

یہاں موقع کی مناسبت سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان یہود مدینہ کے بڑے سردار جن سے ان کی نسل جاری ہوئی تھی اگلے زمانہ میں حجاز میں آ کر مدینہ میں اس امید سے آباد ہوئے تھے کہ جس نبی آخرالزمان کی پیشینگوئی ان کی کتابوں میں موجود تھی وہ اسی جگہ آنے والے ہیں تو ان کے بڑے اس امید پر کہ ہم سب سے پہلے اس نبی پر ایمان لانے اور اس کا اتباع کرنے کی سعادت حاصل کرنے والے ہوں مدینہ کے قرب وجوار میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو بعض اہل انصاف یہود تو ایمان لے آئے مگر اکثر ناخلفوں نے اللہ کے رسول کی تکذیب کی جس کی وجہ سے خدا کی لعنت ان پر نازل ہوئی اور ذلت ورسوائی کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل۔ قید اور دربدر کیے گئے۔ مگر کتنے عبرت کے آنسو بہانے کی جگہ ہے کہ وہی مردود۔ ومغضوب اور لعین قوم یہود آج عربوں پر اس طرح مسلط ہے کہ ان کا قبلہ اول بیت المقدس جو ۸۰۰ سال سے مسلمانوں کے قبضہ میں تھا ان کے ہاتھوں سے چھن گیا اور فلسطین کی وہ مقدس سرزمین جہاں کم وبیش ایک لاکھ انبیاء علیہم السلام کے قدم پڑے ہیں وہ اس بدطینت اور مردود قوم یہود کی شکارگاہ بنی ہوئی ہے اور جو آج اسلام کا نام لینے والوں کے خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے جہاں مسلمانوں کے گھربار چھینے گئے اور ان کے سینے گولیوں سے چھلنی کیے گئے۔ اخبار بین حضرات جانتے ہیں کہ جو مظالم وہاں عربوں اور اسلام کا نام لینے والوں پر کیے جا رہے ہیں۔ یہ قدرت کا ایک تازیانہ ہے جو تمام عالم کے مسلمانوں کو بیدار ہونے کی دعوت دے رہا ہے ہم نے تعلیمات اسلام سے منہ موڑا۔ قرآنی احکامات کو چھوڑا۔ اللہ اور رسول سے رشتہ توڑا اور یہود ونصاریٰ کی تہذیب۔ ان کی معاشرت۔ ان کا لباس۔ ان کا طور وطریق سب اپنایا۔ وہی عریانی۔ وہی فحاشی وہی عیش پرستی اور وہی خدا اور رسول کے احکام سے دوری۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی تائید ونصرت سے ہم نے اپنے آپ کو خود محروم کرلیا تو پھر جو کچھ بھی سامنے آئے وہ تھوڑا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اب بھی ہمیں سوچنے۔ سمجھنے اور سنبھلنے کی صلاحیت عطا فرمادیں۔ ان آیات پر غزوۂ بنی قریظہ جو یہود کے ساتھ ہوا تھا اس کا بیان ختم ہوا اب آگے دوسرا مضمون ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے متعلق شروع فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ اپنی رحمت سے امت مسلمہ کے ان تمام گناہوں کو معاف فرمادیں جن کی بدولت عالم اسلامی کو یہ ذلت دیکھنی پڑی کہ آج بیت المقدس یہود کے قبضہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں مسلمان بن کر زندہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور باطل کی طاغوتی طاقتوں کو پاش پاش کرنے کی ہمت وعزم عطا فرمائیں اور اپنی حمایت ونصرت وتائید سے ہم کو دنیا میں بھی سربلندی اور آخرت میں بھی سرخروئی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اس امت مسلمہ میں پھر جہاد کا سچا جذبہ عطا فرمادے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ

اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے فرمادیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال ومتاع (دنیوی) دے دوں

وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ

اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں نیک کرداروں کیلئے

لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کررکھا ہے۔ اے نبیؐ کی بیبیو! جو کوئی تم میں کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی،

يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

اس کو دوہری سزا دی جائے گی، اور یہ بات اللہ کو آسان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبیؐ	قُلْ فرمادیں	لِّاَزْوَاجِكَ اپنی بیبیوں سے	اِنْ اگر	كُنْتُنَّ تم ہو	تُرِدْنَ چاہتی ہو	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی		
وَزِيْنَتَهَا اور اس کی زینت	فَتَعَالَيْنَ تو آؤ	اُمَتِّعْكُنَّ میں تمہیں کچھ دے دوں	وَ اور	اُسَرِّحْكُنَّ تمہیں رخصت کردوں	سَرَاحًا رخصت کرنا			
جَمِيْلًا اچھی	وَاِنْ اور اگر	كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ تم چاہتی ہو اللہ	وَرَسُوْلَهٗ اور اس کا رسول	وَ اور	الدَّارَ الْاٰخِرَةَ آخرت کا گھر	فَاِنَّ اللّٰهَ پس بیشک اللہ		
اَعَدَّ تیار کیا ہے	لِلْمُحْسِنٰتِ نیکی کرنے والیوں کیلئے	مِنْكُنَّ تم میں سے	اَجْرًا عَظِيْمًا اجر عظیم	يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ اے نبی کی بیبیو	مَنْ جو کوئی			
يَّاْتِ لائے (مرتکب ہو)	مِنْكُنَّ تم میں سے	بِفَاحِشَةٍ بیہودگی کے ساتھ	مُّبَيِّنَةٍ کھلی	يُّضٰعَفْ بڑھایا جائے گا	لَهَا اس کیلئے			
	الْعَذَابُ عذاب	ضِعْفَيْنِ دوچند	وَكَانَ اور ہے	ذٰلِكَ یہ	عَلَى پر	اللّٰهِ اللہ	يَسِيْرًا آسان	

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات کی تشریح میں یہ بتلایا گیا تھا کہ مدینہ کے یہودی بنی قریظہ کی زمینیں اور ان کے املاک واموال سب مسلمانوں کے ہاتھ آ گئیں جو مہاجرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تقسیم کردی گئیں۔ اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جواب تک اکثر مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خرچ اٹھا رہے تھے ان پر سے مہاجرین صحابہ کا خرچ ہلکا ہوگیا۔ بنو قریظہ کے بعد خیبر کی فتوحات ہوئیں اور وہاں کی زمینیں وغیرہ مال غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آسودہ حال ہوگئے۔ فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو مالی وسعت اچھی خاصی حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو قدرۃً

یہ خیال گزرا کہ اب عام مسلمان آسودہ حال ہوگئے ہیں اب ہمارے خرچ اور نفقہ میں بھی اضافہ اگر ہوجائے تو کچھ آرام وراحت کی زندگی بسر کرسکیں۔ سب نے اس خواہش کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور ذرا تقاضہ کے ساتھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی اذیت کے لئے دنیا طلبی کی اتنی جھلک بھی بہت تھی۔ اس لئے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاق گزریں اور آپ نے قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالا خانہ میں علیحدہ مقیم ہوگئے حضرات صحابہ اس معاملہ کی وجہ سے مضطرب تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق

10

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ معاملہ سلجھ جائے۔ ان حضرات کو اپنی اپنی صاحبزادیوں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فکر تھی کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ ان دونوں حضرات نے اپنی اپنی صاحبزادیوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو کچھ انشراح ہوا تو ایک ماہ بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں پہلے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حکم دیتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی ازواج سے صاف صاف کہہ دیں کہ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کے عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دیجئے کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا میں کچھ دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں یعنی شرعی طریقہ سے اپنے نکاح سے الگ کر دوں اور اگر اللہ کی خوشی۔ رسول کی رضامندی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب پسند ہیں تو صبر و سہار سے میرے ساتھ زندگی گزارو اللہ تمہیں آخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ سب سے اول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ میں ایک بات کا تم سے ذکر کرنے والا ہوں۔ تم جواب میں جلدی نہ کرنا۔ اپنے والد اور والدہ سے مشورہ کر کے جواب دینا پھر آپ نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ یا رسول اللہ اس میں والد اور والدہ سے مشورہ کرنے کی کونسی بات ہے۔ مجھے خدا پسند ہے اس کے رسول پسند ہیں اور آخرت کا گھر پسند ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر جب حضور نے میرا جواب سنا تو آپ خوش ہو گئے اور ہنس دیئے۔ پھر آپ دوسری ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اُن سے پہلے ہی فرما دیتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو یہ جواب دیا ہے وہ کہتیں کہ یہی جواب ہمارا بھی ہے چنانچہ تمام ازواجِ مطہرات نے اللہ اور رسول کی مرضی اختیار کی اور دنیا کی عیش و عشرت کا تصور بھی دلوں سے نکال ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ رہتا تھا آپ کے جود و کرم اور سخاوت کا یہ حال تھا کہ سائل کو کبھی رد ہی نہ فرماتے تھے اگر اس وقت پاس کچھ نہ ہوا تو آئندہ کا وعدہ فرما لیا یا کہہ دیا کہ تم میرے نام پر قرض لے لو میں پھر اسے اتار دوں گا۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میرے پاس اس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تین رات اس میں سے بجز قرض کی ادائیگی کے ایک دینار بھی میرے پاس رہے بلکہ اس کو اللہ کے بندوں میں اس طرح اور اس طرح خرچ کر دوں۔ آپ نے دائیں بائیں اور پیچھے اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے متعلق یہ دعا منقول ہے کہ اے رب میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانے کو ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے تضرع و عاجزی کیا کروں اور تجھ سے مانگا کروں اور کھا کر تیری حمد و ثنا کیا کروں۔ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ اے اللہ آل محمد کو صرف اتنا دے کہ جس سے ان کا گزر ہو سکے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا یہ حال ہو تو ظاہر ہے کہ آپ کو دنیا کی عیش و بہار اپنے متعلقین اور گھر والوں کے لئے کب پسند آ سکتی تھی۔ چنانچہ زندگی مبارک کے اخیر وقت تک آپ کے زہد کا یہی حال رہا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے آپ مدینہ میں تشریف لائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے سیر ہو کر تین رات متواتر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دن دو کھانے نہیں کھائے مگر یہ کہ ایک وقت کھجور یا چھوارے ہوتے تھے۔حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بیان کیا کہ ہم لوگوں کو آگ جلائے ہوئے ایک مہینہ گزر جاتا تھا۔صرف کھجوریں اور پانی استعمال کرتے تھے مگر یہ کہ تھوڑا سا گوشت ہم لوگوں کے پاس آ جاتا تو اس کو پکا لیتے تھے۔ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے میرے بھانجے ہم لوگ دو مہینوں میں تین چاند دیکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں سلگتی تھی۔حضرت عروہ کا بیان ہے کہ میں نے پوچھا پھر زندگی کس طرح گزرتی تھی انہوں نے کہا کہ کھجور اور پانی سے مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند انصاری پڑوسی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ ہدیۃً بھیجا کرتے تھے اور آپ وہ ہم لوگوں کو پلا دیتے تھے۔اس دنیا سے رحلت مبارک فرمانے سے ایک روز قبل سب غلاموں کو آزاد فرما دیا اور گھر میں جو نقد سات دینار موجود تھے وہ غربا کو تقسیم کر دیئے گئے۔اسی دن کی شام کو یعنی اس دنیا میں آخری شب کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چراغ کا تیل ایک پڑوسن سے عاریۃً منگوایا تھا۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے انتقال فرمایا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس بعوض غلۂ جو رہن تھی۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان آیات میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو خطاب ہوا اس کے بعد خود حق تعالیٰ ازواج مطہرات کو خطاب فرماتے ہیں کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیبیو تم سمجھ لو کہ بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے اگر بالفرض تم میں سے کسی سے کوئی بداخلاقی کا کام ہو جائے تو جو سزا اوروں کو اس کام پر ملتی اس سے دگنی سزا ملے گی اور اللہ تعالیٰ پر یہ آسان ہے یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت زوجیت سزا دینے سے اللہ کو مانع نہیں ہو سکتی۔

یہاں آیت میں غلطی پر دوہری سزا کا حکم سنایا گیا آگے آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ان کو دوہرے اجر کی بشارت سنائی گئی ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنا اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آخرت کا طالب بنا کر زندہ رکھیں۔

یا اللہ! ہم کو اس زندگی میں ان اعمال کی توفیق عطا فرمایئے کہ جو ہم آخرت میں آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو ہو سکیں۔یا اللہ! ہم کو ان اعمال سے بچا لیجئے کہ جو آپ کی اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہوں۔

یا اللہ! جس حال میں بھی آپ ہم کو رکھیں صبر وشکر کے ساتھ دین پر استقامت نصیب فرمائیں۔یا اللہ! دنیا کی عیش وعشرت اور بہار کی طرف سے ہمارے دل سرد فرما دے اور آخرت کی کامیابی اور سرخروئی پر ہماری نظریں جما دے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ